حب ناولز
RIP

"یہ ایک کرائم فیکشن اسٹوری ہے، جسمیں ہمارے معاشرے میں دو خاموش اور گمنام پہلوؤں کا ذکر ہے، ٹاکسک پیرنٹنگ اور سائیکو پیتھی. کہانی ہے کرداروں کے بھولے ماضی اور نا گہانی مستقبل کی. کہانی کے ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ساتھ کردار کیسے روپ بدلیں گے یہ جاننے کے لیے آپکو کہانی بھی اُن کرداروں کے ساتھ ساتھ پڑھنا ہو گی"

اس کہانی کے تمام کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ حقیقت سے مماثلت محض اتفاق ہو گا۔

مکمل ناول

PROLOGUE

(سرد سفید اور لال)

(ضلع ایبٹ آباد کے دیہی علاقوں میں شدید برفباری اور موسم کی خرابی کے امکانات ،شہریوں کو گھروں میں رہنے کی تلقین۔)

سنک میں پڑی آخری چند پلیٹیں دھوتے ہوئے اس تیس سالہ عورت نے ایک نگاہ سامنے سنک کے پیچھے لگی کھڑکی سے باہر دوڑائی۔ہلکی ہلکی برف باری تو صبح سے ہی جاری تھی پر اب ڈھلتے دن کے ساتھ زور پکڑ رہی تھی۔ پشت پر چلتے ٹی وی پر نشر ہوتی خبریں اسے پریشان کر رہی تھیں ۔ اسکا شوہر لکڑیاں جمع کرنے کا کہہ کر گیا تھا اور ساتھ اسکا سات سالہ بیٹا بھی ضد کر کے چلا گیا تھا۔گھر میں آتش دان کی لکڑیاں تقریبا ختم تھیں سو کل تک کا انتظار نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اس نے دو قدم پیچھے ہو کر گھر کے لاؤنج سے باہر کو کھلتے دروازے پر ایک نگاہ دوڑائی۔دروازے کا ایک پٹ ذرا کھلا چھوڑا گیا تھا،جو کہ اسکا شوہر خود ہی کھلا چھوڑ گیا تھا۔

آخری پلیٹ دھو کر لگائی اور ربڑ کے دستانے اتار کر اسٹینڈ پر لٹکائے۔ٹی وی پر موجود اینکر اب شام کی خبریں پھر دوہرانے لگی تھی۔

(ضلع ایبٹ آباد کے دیہی علاقوں میں شدید برفباری اور موسم کی خرابی کے امکانات ،شہریوں کو گھروں میں رہنے کی تلقین۔)

ہاتھوں پر موئیچر ائزر لگاتی وہ کمرے کی طرف جارہی تھی جب اچانک دروازہ کھلا ۔

(برف کی تہہ میں اضافہ۔ٹریفک بری طرح سے جام۔)

پسِ منظر خبروں کی نشریات جاری تھیں۔

"آگئے آپ ۔۔۔اُف ۔۔۔۔کس قدر موسم خراب ہوا جارہا ہے۔"وہ کمرے کی بجائے باہر کے دروازے کے طرف چل دی۔مسکراہٹ لیے چہرے کے ساتھ اس نے دروازے سے داخل ہوتے ان جوتوں کو دیکھا تھا ۔

(گاڑی برف میں پھنس جانے کی صورت میں درج بالا تدابیر اپنائیں۔)

لمحے بھر کو مسکراہٹ سمٹی۔آہستگی سے چہرہ اٹھایا ۔ایبٹ آباد کی اس سرد شام میں سامنے موجود وہ انجان چہرہ اسکی پتلیوں کو جما دینے کو کافی تھا ۔

ایبٹ آباد پر رات اترے ایک گھنٹہ گزر چکا تھا ۔شوہر بیٹے کے ساتھ ابھی تک باہر درختوں سے نہیں لوٹا تھا۔آدھے سے زیادہ کھلے دروازے کے ساتھ گھر سنسان پڑا تھا ۔وہاں گھر کے دروازے سے نکلتے ہی برف پر کسی خون آلودوجود کے گھسیٹے جانے کے صاف نشان تھے۔

(ضلع ایبٹ آباد کے دیہی علاقوں میں شدید برفباری اور موسم کی خرابی کے امکانات ،شہریوں کو گھروں میں رہنے کی تلقین۔)

نشریات جاری تھیں۔

ایک لمبی دھار ۔۔۔۔۔۔۔ جو گھسیٹتے وجود کے ساتھ بنی تھی،اب آہستہ آہستہ تازی پڑتی برف کے نیچے چھپتی جا رہی تھی ۔

ایبٹ آباد کی سرد رات میں،سفید برف پر ، لال خون کا ایک اور خاموش کھیل کھیلا جاچکا تھا ۔

موجودہ کہانی

جائے حادثہ کو مکمل بلاک کر دیا گیا تھا۔چڑھتے دن کے ساتھ آہستہ آہستہ آس پاس شہریوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا ۔اسکول کی طرف جاتے بچے، کسی تجسس سے روڈ کے کنارے رک رک کر نیچے ڈھلان کی طرف ہوتی کاروائی دیکھ رہے تھے، بھوری اور سیاہ شالوں میں لپٹے، اپنے اپنے کاموں پر جاتے مرد بھی پل بھر کو رکتے اور پھر نفی میں سر ہلاتے وہاں سے چلتے بنتے۔ شاید وہاں سب جانتے تھے۔ایبٹ آباد کے لوگ، ایبٹ آباد کی راتوں کے راز سے واقف تھے،۔۔۔یا شاید نہیں۔

ایبٹ آباد پولیس اسٹیشن کے ڈیٹیکٹیو ڈویژن(Detective Division)سے انویسٹی گیشن ٹیم پہنچ چکی تھی ۔

"کریمینل انویسٹیگیٹر علایا" اپنا آئی ڈی کارڈ دکھاتی وہ کرائم سین کی سِیل اٹھا کر کرائم ایریا میں داخل ہوئی ۔

یہ ہیں کریمینل انویسٹیگیٹر علایا گلزار۔پولیس یونی فارم سے انویسٹیگیٹرز کا تعلق شاذ و نادر ساہی ہوتا ہے۔بلیک جینز پر وائٹ ہائی نیک اور اوپر براؤن جیکٹ پہنے سر پر بڑی سی اونی ٹوپی لے رکھی تھی ۔ گردن پر لپٹے شال نما مفلر کو ذرا نیچے کیا کہ ناک اور کان مفلر سے باہر جھانکنے لگے ،پانچ فٹ 'دو انچ کے قد کے ساتھ،سب ساتھیوں کے درمیان وہ نسبتا میں چھوٹی لگ رہی تھی ۔ آنکھیں کوٹ کے ہم رنگ گہری بھوری تھیں۔

پیچھے پیچھے ٹیم کے باقی ممبرز بھی داخل ہوئے ۔

رات بھر پڑتی برف کی وجہ سے وہاں چلنا قدرے مشکل تھا ۔ اور پھر وہاں انویسٹیگیٹ کرنا اور بھی نا ممکن ۔

وہاں آتے ہی وہ چاروں (علایا اور اسکے ٹیم میمبرز)ایک دم ٹھٹھکے تھے۔ وہاں لاش کے پاس پہلے سی ہی ایک شخص موجود تھا ۔بھاری بھر کم سیاہ کوٹ پر بھورا مفلر لپیٹے ،گلاسز کی اوٹ سے وہ لاش کے قریب پنجوں کے بل بیٹھا کچھ تلاشنے میں مصروف تھا ۔سفید دستانے صرف فارمیلیٹی پوری کرنے کو بس انگلیوں تک بمشکل چڑھے تھے۔

علایا کے چہرے کا زاویہ بگڑا۔

"ایکسکیوزمی سر پر شاید آپکو معلوم نہیں کہ کرائم سین پر یوں آپکا موجو د ہونا صحیح نہیں ۔اور پھر آپ ایویڈینس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں ۔"

وہ ہاتھ باندھے اسکے سر پر کھڑی تھی ۔ جواب میں آئی خاموشی سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ شخص علایا کی بات مکمل اگنور کرچکا ہے۔ اور بس ہمیشہ کی طرح علایا کا ضبط دودھ ابلنے سے بھی زیادہ رفتار سے جواب دے گیا۔علایا نے اسکے بھاری بھر کم کوٹ کا کالر پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔

""""ایک تو ان گلہریوں نے دماغ خراب کر رکھاہے۔"

غصے سے بولتی وہ تقریبا اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کر چکی تھی ۔علایا کی جانب اس شخص کی پشت تھی ۔کھڑے ہوتے ہوئے وہ قد میں علایا سے اچھا خاصہ اونچا ہوچکا تھا۔

اس شخص نے جھٹکے سے خود کو چھڑانا چاہا ۔اس سے پہلے کہ اسکا کالر علایا کے ہاتھوں سے نکلتا ۔۔۔۔ ایبٹ آباد پولیس اسٹیشن کے ڈیٹیکٹیو ڈویژن کے چیف،الیاس صاحب جو کہ چھوٹے قد اور چٹیل گنج کی وجہ سے مشہور تھے ،ایک طرف سے تقریبا بھاگتے ہوئے آرہے تھے ۔

"اوہ۔۔۔۔ مسٹر آرش آپ اتنی جلدی آگئے ۔۔۔۔لگتا ہے آپ سیدھے ائیر پورٹ سے یہاں آگئے ہیں۔میں اسٹیشن میں آپکی آمد ایسپیکٹ کررہاتھا۔"

کہتے کہتے وہ علا یا کے سر پر پہنچے۔

علایا نے الیاس صاحب کی جانب حیرت سے دیکھا ۔

"یہ انویسٹی گیشن کی ٹیم کے نئے کیپٹن ہیں ،انسپکٹر۔۔۔۔۔۔۔"

ٹیم کیپٹن سننا تھا کہ علایا نے جھٹ سے کالر چھوڑا ۔۔۔وہ شخص جو پہلے سے ہی کالر چھڑانے کے لیے زور لگا رہا تھا۔ یوں اچانک کالر چھوڑنے پر منہ کے بل زمین بوس ہوگیا۔

سب نے ایک ساتھ علایا کی شکل دیکھی۔اور پھر اُس زمین بوس شخص کی پشت۔

"ٹیم کیپٹن؟"

علایا نے دبی آواز میں چیختے ہوئے کہا تھا پھر ایک نگاہ اٹھا کر سامنے کھڑے تین نمونوں پر ڈالی جو کہ برابر حیرت سے علایا کو دیکھ رہے تھے۔

انسپکٹر آرش اپنا کوٹ جھاڑتے کھڑے ہوئے۔

"اوہ ۔۔۔آئی سی۔"

ماتھے پر بل واضح تھے۔

"میں پاکستان کے ایک چھوٹے علاقے کے غیر تہذیب یافتہ لوگوں سے ایسا ویلکم ہی ایسپیکٹ کر رہا تھا۔" لہجے میں عجیب غیر شناسائی سی تھی۔

کہتا وہ الیاس صاحب کی جانب متوجہ ہوا۔علایا جواب میں کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن پھر الیاس صاحب کی گھوری پر خاموشی سے دوسری طرف جاکر لاش کا معائنہ کرنے لگی ۔باقی تینوں بھی کام پر لگ گئے۔

اس عورت کے شوہر نے رات کو گمشدگی کی رپورٹ درج کروائی تھی ۔اور آج فجر سے کچھ وقت قبل ایک شہری کو اس عورت کی لاش انتہائی نازیبا حالت میں برف سے آدھ ڈھکی ملی تھی ۔آنکھوں پر خون آلودہ پٹی بندھی تھی ۔ آنکھیں کسی نوکیلی چیز سے پھوڑی گئی تھی۔

سعد(ٹیم کا سب سے کم عمر ممبر) لاش اور لاش سے متعلقہ چیزوں کی تصاویر لے رہا تھا۔

مسٹر الیاس کے جاتے ہی انسپکٹر آرش واپس لاش کی طرف متوجہ ہوئے۔

"یہ اس نوعیت کا پانچواں مرڈر تھا ۔"نا جانے کیا سوچ کر سعد نے یہ بات کہی ۔علایا نے سر اٹھا کر اسے گھورا تھا ۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری نئی ٹیم میتھس میں اتنی اچھی ہے ۔"کہہ کر انسپکٹر آرش نے ایک نظر ان پر ڈالی۔

"صرف میتھس میں ہی اچھی ہے۔"استہزائیہ مسکراہٹ واضح تھی۔

کوئی صبح صبح علایا کے اندر موجود خونخوار بلی کو للکار رہا تھا، پر الیاس صاحب ابھی زیادہ دور نہیں گئے تھے۔اور پھر اسکا فون بجنے لگا۔

صاف لفظوں میں وہ انہیں ابھی تک مرڈرر کو نا ڈھونڈ پانے کا طعنہ دے رہا تھا ۔

"ہونہہ۔"علایا نے ناک چڑائی۔ پھر بڑ بڑاتی اپنی کال ریسو کرنے لگی۔

تین منزلوں پر مشتمل،وہ ایبٹ آباد پولیس اسٹیشن کی عمارت ہے۔بلکل سڑک سے لگتے داخلی گیٹ کے بعد ایک عدد صحن نُما حصہ ،جہاں ایک طرف قیدیوں کو سٹی جیل لے جانے والی بسیں موجود ہیں اور دوسری طرف کھلے آسمان تلے کچھ بینچز لگے ہیں۔وہ مختصر صحن عبور کر کے عمارت کا قدرے بھاری اور شیشے کا داخلی دروازہ۔دروازہ پار کرتے ہی ایک وسیع صاف سُتھرا اور ایئر کنڈیشنڈ ریسپشن ایریا ہے۔جس میں ایک طرف شکایات درج کروانے کے ڈیسک لگے ہیں اور FIR کٹوانے جیسے باقی معاملات کے کیبن ہیں۔دوسری طرف چند لاک اپس ہیں جہاں ابھی بھی اکاڈکا مجرم رات گئے کسی چھوٹے موٹے جرم کے بدلے بند ہیں۔ریسپشن کے اختتام پہ ایک چوڑا بڑا اسٹیئر کیس ہے جو کہ متوازی طرف مزید دو چھوٹے حصوں میں بٹ کے دوسری منزل کی طرف جاتا ہے۔اُن سیڑھیوں کو عبور کرتے دوسری منزل پر جایا جائے تو وہاں مختلف ڈیپارٹمنٹس کے سیلز،اور ہر ڈیپارٹمنٹ کے چیف کے آفسسز ہیں ۔اگر دوسری منزل پر رو کے بغیر وہی اسٹیئرز مزید اوپر کی طرف جاری رکھی جائیں تو وہ تیسری منزل پر ختم ہوتی ہیں۔وہاں تیسری منزل پر انویسٹیگیشن بیورو،اسپیشل کریمینل انویسٹیگیشن ڈیٹکٹیو یونٹ اور ایک وسیع ایویڈینس روم ہے۔

کریمینل انویسٹیگیشن ڈیٹکٹیو یونٹ کی ٹیم ابھی ابھی جائے حادثہ سے واپس لوٹی تھی۔

لاش اور متعلقہ ایویڈینس فارنسک کے لیے بھجوا دیئے گئے تھے۔

سرمد (انکی ٹیم کا دوسرا ممبر) عورت کے شوہر سے سوالات پوچھنے میں مصروف تھا۔انسپکٹر آرش ایویڈینس روم میں پچھلے چار مرڈرز کے ایویڈینس اور فائلز چیک کرنے میں مصروف تھے۔

انگلینڈ سے کریمنولوجی اور قانون کی اعلی ڈگریوں کے ساتھ،تیز دماغ،شاطر صلاحیتیں۔۔

سعد تو جیسے کسی فین کی طرح آرش کے آگے پیچھے پھر رہا تھا۔

علایا ایویڈنس روم کے سامنے موجود اپنے آفس میں بیٹھی بگڑے چہرے کے ساتھ ایویڈنس روم کی کھڑکی سے اندر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی ۔آرش کھڑکی کے قریب ہی بیٹھا تھا۔

کلین شیو کے ساتھ سر پر نفاست سے اسٹائلڈ کئے گئے بال۔اسکے کان قدرے چھوٹے تھے۔علایا کی ہنسی نکلی جو کہ بروقت قابو کر لی گئی۔شارپ جا لائن،اور گردن ٹرٹل نیک میں ڈھکی ہوئی تھی۔

ابراہیم (ٹیم کا تیسرا ممبر) سب کے لیے کافی لے کر آیا تھا۔علایا کے سامنے کپ رکھ کر وہ اندر سعد اور آرش کو کافی دینے چلا گیا۔علایا نے دونوں ہاتھوں سے کپ پکڑا اور کپ کی گرمائش اپنے ہاتھوں میں اترانا چاہی ۔

باہر پڑتی غضب کی سردی نے پہلے ہی اسکا دماغ جما رکھا تھا اور اوپر سے صبح صبح کے عظیم واقع نے اسکا موڈ مزید خراب کر دیا تھا۔

مقتول عورت کا شوہر جا چکا تھا۔ سرمد فارنسیک سے آئی کچھ فائلز اور عورت کے شوہر کا بیان لے کر علایا کے سامنے آبیٹھا۔

"پانی گردن تک پہنچ چکا ہے۔ اس دفعہ سخت آرڈر آئے ہیں۔ اور اگر ہم مرڈرر کو ناڈھونڈ پائے تو ہماری چھٹی پکی۔"سرمد نے گلے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

علایا فائلز کھول کر دیکھنے لگی جیسے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"ایک نئی ٹیم بھی جلد تشکیل دی جا رہی ہے۔۔۔۔۔ہماری ناکامی کی صورت میں۔۔۔"سرمد کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی۔

اور یہ بات تو علایا کی انا پر جاکر لگی تھی۔

"شٹ اپ۔۔۔ اس دفعہ وہ میرے ہاتھوں سے بچ نہیں پائے گا۔"علایا نے فائلز پر زور کا مکا مارا، دھم کی آواز پر سعد اور آرش نے بیک وقت کھڑکی سے باہر علایا کے کیبن کی جانب دیکھا۔

جتنا آرش ان کے لیے انوکھا تھا، اتنے ہی وہ آرش کے لیے انوکھے تھے۔

آرش

"میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی تھی جو میں نے تم سے شادی کی ۔"

(ہمیشہ کی طرح آنسوؤں کی قطار اور غصے سے پاگل ہوتی میری امی ،ابو پر چلا رہی تھیں۔

میں نے اپنے کمرے کے دروازے کی جھری سے باہر جھانک کر دیکھا ۔وہاں لاؤنج میں قریب ہی بیٹھے ابو بھی غصے میں کچھ کہہ رہے تھے لیکن وہ سخت ضبط کیے اپنی جگہ بیٹھے غصہ کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

پھر میں نے ابو کو اٹھ کر جاتے دیکھا ۔ وہ اپنا کوٹ اٹھا کر سیدھے گھر سے باہر نکل گئے۔

اور پیچھے میری امی۔۔۔۔۔۔

وہ اب اونچی اونچی قہقہے لگاتیں اپنے مگر مچھ کے آنسو صاف کر رہی تھیں ۔یقینا وہ اپنا کوئی نیا مطالبہ منو ا چکی تھیں ۔پھر مجھے اچانک امی میرے کمرے کی طرف آتی دیکھائی دیں ۔میں دروازے سے ہٹا اوربھاگ کر اپنے بستر میں جا گھسنے میں ہی عافیت جانی۔)

"اوہ میرا بیٹا کدھر ہے ؟ "

(وہ میرے کمرے میں داخل ہوئیں تو میں جلدی سے سوتا بن گیا ۔)

"تم ابھی تک سو رہے ہو ؟"

وہ دروازے میں کھڑے کھڑے بولیں ۔

(مجھے خوف سے پسینہ آرہا تھا۔)

" اچھا چلو کوئی بات نہیں جب بھوک لگے تو مجھے بتا دینا۔"

(کہتیں وہ دروازہ واپس بند کرکے چلی گئیں۔

میں ایک دم سے اٹھ بیٹھا۔)

"ابو۔۔۔۔مجھے ابو کے پاس جانا ہے۔ "

مجھے پتہ تھا کہ ابو ہمیشہ لڑائی کے بعد کہاں جاتے ہیں ۔ سو میں خاموشی سے اپنے جوتے پہن کر گھر سے نکل گیا۔

(ہمارا گھر اسلام آباد کے پہاڑی علاقوں میں موجود ایک گاؤں میں تھا ۔ مجھے یاد ہے جب میں چھوٹا تھا تو ہم لوگ شہر میں رہتے تھے لیکن پھر ہم یہاں گاؤں آگئے۔میرے ابو اسلام آباد کے مشہور یونیورسٹی میں نیورولوجسٹ لیکچرار تھے ۔لیکن پھر انہوں نے لیکچرار کی جاب بھی چھوڑدی ۔

اورمیری امی۔۔۔۔۔۔۔

تب بھی ویسی ہی تھیں اور اب بھی ۔۔۔۔۔

گھر سے نکل کر میں قصبے کے پیچھے موجود پہاڑی کی طرف چل دیا۔اونچے اونچے پہاڑوں سے گھری پہاڑی پار کر کے میں ایک طرف بنی جھونپڑی میں آگیا ۔یہ جھونپڑی میرے ابو کی اکلوتی سکون گاہ تھی ۔قدموں کی چاپ پیدا کیے بغیر میں خاموشی سے اپنے ابو کے پیچھے آبیٹھا۔)

"ابو ہم دوسروں کو تکلیف کیوں دیتے ہیں ؟"

اپنی پشت پر آواز سن کر پروفیسر صاحب ایک دم چونکے اور گھٹنوں میں دیا سر اٹھایا۔

پہلے چونکے پھرایک دم سے مسکراتے مڑے ۔اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتے۔

"بلکہ ہم دوسروں کو تکلیف کیوں نہیں دے سکتے؟"

اور یہیں اُنکی مسکراہٹ سمٹی تھی ۔

"نہیں ۔۔۔"

وہ زیرِ لب بڑ بڑائے،لہجہ جیسے مایوس تھا۔

جس خوفناک حقیقیت سے وہ بھاگنا چاہتے تھے وہ یوں پورے قد کے ساتھ انکے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔پھر کچھ سنبھلتے،تھکے سے انداز میں وہ گھٹنوں کے بل بیٹھے اور میرے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بولے۔

"لیکن تم کسی کو تکلیف نہیں دے سکتے،تم اپنی ماں جیسے نہیں ہو سمجھے۔"

"پر امی کہتیں ہیں کہ میں آپ جیسا بھی نہیں ہوں ۔"

پروفیسر کی آنکھوں کا منظر پل بھر کو چکرا سا گیا تھا۔ انہوں نے فورا اسے گلے سے لگایا تھا۔

"تم میرے جیسے ہی ہو۔۔۔۔۔۔۔تم میرے بیٹے ہو۔۔۔۔۔۔ بالکل ایک عام اور اچھے انسان۔"

کیاانسانوں کی بھی قسمیں ہوا کرتی ہیں؟۔۔۔

اگرہاں،توکس بنیادپر؟

ایک طویل خاموشی

اور پھرایک گہرہ سانس

میں کبھی سمجھ نہیں پایا۔۔۔ کہ ابو کو میرے مختلف ہونے سے کیا مسئلہ ہے۔

ہم اپنے معمول کے چیک اپ کے لیے کلینک میں موجود تھے۔میں پچھلے تین ماہ سے اپنے ابو کے ساتھ یہاں شہر اس ہاسپٹل میں ابو کے دوست کے پاس چیک اپ کے لیے آرہاہوں۔وہ صرف ایک چیک اپ نہیں ایک پورا ڈائگنا سس پراسس تھا۔وہاں میں اکیلا نہیں ہوتابلکہ کچھ اور بھی لوگ اور بچے ہوتے ہیں،زیادہ نہیں گنتی کے آٹھ سات شاید۔

کلینک سے نکل کر میں اور ابو ہاسپٹل کے لان میں لگے بینچوں پر سے ایک بینچ پر بیٹھے تھے۔شاید مجھے کوئی بیماری ہے۔شاید کوئی دماغی بیماری لیکن مجھے کبھی ابو اور ڈاکٹر کی باتیں سمجھ نہیں آئیں۔

"ابو کیا مجھے کوئی بیماری ہے۔؟"

(اور اگر مجھے کوئی بیماری ہے بھی تو اس میں اتنا ڈرنے کی بات کیوں ہے۔مجھے آج تک سمجھ نہیں آئی کہ ڈر کیسا ہوتا ہے۔مجھے کسی چیز سے ڈر نہیں لگتا۔)

ابو خاموشی سے مجھے دیکھے گئے۔لیکن انکا چہرہ۔۔۔۔وہاں۔۔۔۔۔وہاں غصہ اور پچھتاوا تھا۔میں صاف پڑھ سکتا تھا۔پر کیوں؟

"نہیں تمھیں کوئی بیماری نہیں ہے۔"

وہ بہت تھکے ہوئے لہجے میں بولے تھے۔پھر ایک دم سے وہ اٹھ گئے۔اور ضروری کام کا کہہ کر اندر چلے گئے۔

"تم بھی پاگل ہو۔؟"

کوئی میرے بہت نزدیک سے بولا تھا۔بالکل میرے برابر میں۔

میری سوچوں کا تسلسل ٹوٹا۔ میں نے چہرہ گھما کر اپنی دوسری طرف دیکھا۔ وہاں میری ہی عمر کی سات، آٹھ سالہ ایک لڑکی کھڑی تھی ۔ میں اسکی بات سمجھا نہیں بس گومگو سا اسے دیکھے گیا۔

"تم میرے ساتھ کھیلو گے ؟"

وہ ایک بڑی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور اسکے ساتھ چل دیا۔ وہاں ہاسپٹل کے اگلی طرف لان اور پچھلی طرف خالی احاطہ تھا۔ جہاں درخت تھے اور کچرا پڑا تھا۔ وہ میرا ہاتھ پکڑے مجھے وہاں لے آئی۔

"تم کس طرح کے کھیل کھیلتے ہو۔؟" وہ ایک درخت کے قریب رک کر بولی۔

"میں زیادہ نہیں کھیلتا۔ مجھے ٹی وی دیکھنا اور کتابیں پڑھنا پسند ہے۔"

"تمہارے دوست ہیں۔؟"

میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"کیا تم وہ کھیلو گے، جو میں کھیلتی ہوں ؟"

یہ کہہ کر وہ درختوں کی جڑوں میں کچھ ڈھونڈنے لگی۔ پھر کہیں سے ایک خرگوش کا بچہ پکڑ لائی۔ اور میرے سامنے لا کر ہوا میں لہرایا۔

"تمہیں جانور پالنے کا شوق ہے۔؟"

میں نے پوچھا۔

"نہیں تو۔۔۔" وہ ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تو پھر۔۔۔؟"

اس نے اپنے بالوں سے ایک بینڈ اتارا اور وہ ربڑ بینڈ خرگوش کے ننھے سے بچے کے گلے میں ڈال دیا۔

میں نا سمجھی میں اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر اگلے ہی پل وہ ربڑ بینڈ کو جیسے بالوں میں بل دیتے ہیں پونی بنانے کے لیے، ایسے ہی خرگوش کے بچے کے گلے میں بل دینے لگی۔

ایک۔۔۔۔۔ دو۔۔۔۔ تین۔۔۔۔

خرگوش کے بچے کے منہ سے گھٹی گھٹی آواز نکل رہی تھی۔

اس نے چوتھا بل دیا اور پھر پانچواں۔

بچہ اسکے ہاتھوں میں تڑپنے لگا۔ اُسکی اُبلتی آنکھوں سے خون کی لکیریں نکل کر سکے سفید چہرے پر پھیلنے لگیں۔

وہ لڑکی کھل کھلا کر ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔ "سفید اور لال۔ مجھے سفید اور لال کا کامبی نیشن پسند ہے۔"

"تمہیں میرا کھیل پسند آیا؟" وہ اب ہاتھ میں پکڑے مرے بچے کو سہلا رہی تھی۔

"اس کھیل کا نام کیا ہے؟" میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"میں اسے Rest in peace کہتی ہوں۔ اوہ۔۔ تمہارا نام کیا ہے؟

وہ دو قدم آگے کو آئی۔ اس سے پہلے کے میں کچھ بولتا، کسی نے میرا بازو کھینچا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ ابو تھے۔

"میں اس کے ساتھ کھیل رہا۔۔" میں نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن یہ کیا؟ نا وہاں لڑکی تھی نا خرگوش کا بچہ۔

"اچھا اب چلو یہاں سے۔ ہمیں جلدی گاوں کے لئے نکلنا ہے۔" مجھے تقریبا گھسیٹتے ابو باہر کی طرف چل دیئے۔ وہ واپس درخت کی اوٹ سے نکلی تھی اور پھر مجھے الوداعی ہاتھ ہلانے لگی۔ حتی کے ہم اسکی نگاہوں سے او جھل ہو گئے۔

موجودہ کہانی

سامنے بورڈ پر پانچواں مرڈر کی معلومات موجود تھی۔ مگر مجال ہے کہ کوئی ایک لنک بھی جڑ پا رہا ہو تو۔۔۔

علایا تیسری دفعہ کرائم ایریا چھان کر آچکی تھی۔

وہ پانچوں وہاں موجود تھے۔

"کچھ ایسا جو ان پانچوں مرڈرز میں کامن ہو۔ جیسے کہ۔۔۔۔۔" علایا تھوڑی کھجاتی بولی۔

"وہ پانچوں عورتیں تھیں۔۔۔۔" سعد نے فٹ سے جواب دیا۔

"اوہ ہاں۔۔۔ مجھے تو لگا تھا کہ ان میں سے تین لمبے بالوں والے مرد ہیں۔۔۔" سرمد نے بلا کی حیرت سے کہا۔

سعد کا منہ بگڑا تھا۔

"سب عورتوں کی عمر ٹونٹیز میں ہے۔ سب کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ سب مرڈرز شدید برف باری کی رات میں ہی ہوئے ہیں۔" علایا اپنی ڈائری پر مسلسل بال پوائنٹ چلاتے ہوئے بول رہی تھی۔

"ہر سیریئل کلر کا ایک ٹریگر (trigger) ہوتا ہے۔ کچھ ایسا جو اسکی کلر (killer) روح کو جگا دیتا ہے۔" ابراہیم بورڈ پر ادھر ادھر ہاتھ مارتا بول رہا تھا۔ "کوئی موسم، کوئی خاص سیچویشن، جینڈر۔"

"حیرت کی بات یہ ہے کہ ان پانچوں مرڈرز میں سے ایک مرڈر چار سال پہلے قبل ہوا تھا جبکہ باقی چار مرڈرز لگاتار ہوئے ہیں۔ دو پچھلے ماہ اور دو اس ماہ۔۔۔" علایا سر کھجاتی بولی۔

"ان میں ایک اور چیز بھی مشترکہ ہے۔" سعد کمپیوٹر کی اوٹ سے چہرہ نکال کر بولا۔

"ان سب کا ایک بیٹا ہے۔ مطلب ان پانچوں عورتوں کے ایک ایک بیٹے ہیں۔"

علایا نے سرسری سی ایک نگاہ پیچھے بیٹھے انسپکٹر آرش پر ڈالی۔ وہ خاموشی سے ایک طرف بیٹھا ان سب کا مشاہدہ کرنے میں مصروف تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ اور آنکھیں بلکل ٹھہری ہوئی تھیں۔ اسٹول پر سیدھا بیٹھا دونوں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے۔ بوٹس پر جینز اور ہائی

نیک پہنے بال سلیقے سے جمے تھے۔علایا کے دیکھنے پر اس نے ایک نگاہ اٹھا کر علایا کو دیکھا۔چہرہ ویسا ہی سپاٹ تھا۔علایا کو لگا جیسے سرد ہوا کا تھپڑ اس کے منہ پر مارا گیا ہو۔وہ ہڑبڑا کر گرتے گرتے واپس چہرہ موڑ کر بیٹھ گئی۔

آرش اسی سپاٹ چہرے کے ساتھ واپس بورڈ کی طرف دیکھنے لگا۔

"آرش سر آپکا کیا خیال ہے؟"آرش کا فین سعد کمپیوٹر کے پیچھے سے بولا تھا۔

آرش نے اپنی میز پر پڑی ایک کتاب اٹھا کر انکی طرف اچھالی تھی۔جو کہ سرمد نے کمال مہارت سے کیچ کر لی۔

"Mother"سرمد نے بلند آواز میں اس کتاب کا ٹائٹل پڑھا۔وہ ایک سسپنس کرائم تھریلر ناول تھا جو کہ۔۔۔۔۔۔

سرمد رائٹر کے نام پر آکر رکا۔ایک کنفوژڈ سی نگاہ علایا پر ڈالی۔

"یہ مسٹر احمت گلزار کی کتاب ہے جو انہوں نے دو سال قبل لکھی تھی۔"

"واٹ۔۔۔۔"علایا تقریبا چلاتے ہوئے آرش کی جانب مڑی۔

"اس کتاب میں لکھا مرڈر کا طریقہ ایگزیکٹ وہی ہے جس طرح ان عورتوں کو قتل کیا گیا ہے۔حیرت کی بات ہے،کیا یہاں کوئی کتابیں نہیں پڑھتا۔"

آرش بول رہا تھا۔اور باقی تینوں نمونے گومگو سے کبھی علایا اور کبھی آرش کو دیکھ رہے تھے۔

"وہ میرے ابو ہیں انسپکٹر آرش۔"

آرش نے ایک سپاٹ نظر علایا پر ڈالی۔گویا کہہ رہا ہو"تو میں کیا کروں۔"

علایا نے اپنا اوور کوٹ اُٹھایا اور پہن کر مفلر لپیٹتی سر پر اونی ٹوپی پہنی۔

"سمجھتی پتا نہیں کیا ہے یہ گلہری خود کو۔"اسے اپنے علاوہ دنیا کا ہر شخص گلہری ہی دکھائی دیتا ہے۔

"کافی رات ہو گئی ہے آج کا کام یہیں روکتے ہیں۔کل صبح پھر اس کیس پر کام شروع کریں گے۔"کہتی علایا جانے لگی

"یہاں لیڈر میں ہوں مس علایا۔کام کب روکنا ہے میں بتاؤں گا آپ نہیں۔"وہ سپاٹ سے لہجے میں بولا تھا۔علایا کا یوں بیچ ڈیسکشن کے اچانک اُٹھنا آرش کو سخت ناگوار گزرا تھا۔

علایا کے قدم رکے۔وہ واپس موڑی۔

"میری بات سنیں مسٹر آرش۔میں لڑکی ہوں اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھ پر ناجائز حکم چلائیں گے۔"

ہماری ٹیپکل پاکستانی علایا۔۔۔جن کے لئے اصلاح کرنا بے عزتی اور مرد کا اصلاح کرنا اُنکی عزت نفس پر شدید وار ہے۔

"سرمد، سعد، ابراہیم یہاں لیڈر میں ہوں۔ سو کام کب روکنا ہے یہ میں بتاؤں گا، آپ لوگ نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں ان تینوں سے مخاطب ہوا۔

"یس سر۔۔" تینوں بیک وقت بولے۔

آرش علایا کی جانب مڑا۔ کندھے اچکائے۔

"آپ مردوں اور عورتوں کی برابری کی قائل ہیں رائٹ۔"

"بلکل۔" علایا نے بلکل پر زور دیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

"گریٹ۔۔۔ تو چونکہ آپ پورا پیک اپ تو کر ہی چکی ہیں (اس کا اشارہ علایا کی ٹوپی مفلر کی طرف تھا) تو پندرہ منٹ کی بریک کے لیے ذرا سامنے کے کھوکے سے گرما گرم چائے لے آئیے۔ چپڑاسی جا چکا ہے چھٹی کر کے۔"

علایا ٹھہری تھی۔ کچھ سوچتے ہوئے سر کھجایا۔

"میں؟۔۔۔ کھوکھے پر جاؤں؟۔۔۔ چائے لینے؟۔۔۔" وہ زیر لب بڑبڑائی۔ پھر ایک نظر آرش پر ڈالی۔ اور غصے سے زمین پر پیر مارتی باہر کی جانب چل دی۔

کل کی نسبت موسم قدرے بہتر تھا۔ وہاں ان کے پولیس اسٹیشن کے سامنے موجود اس چھوٹے سے کھوکے کے سامنے کھڑی وہ مسلسل منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔ "شکل تو کافی والی ہے، ابھی نا جانے چائے کا عشق کہاں سے چڑھ گیا۔ ہونہہ۔۔۔ بس عورتوں کو نیچا دیکھانے کا ایک اور طریقہ۔"

وہاں سامنے چاچا چائے بنانے میں مصروف تھے۔

"یہ گلہریاں اتنی بدتمیز کیوں ہوتی ہیں چاچا؟"

چاچا بس جواباً ہنس دیئے۔ وہ کیا جانے علایا کی گلہریاں۔

"میری چائے یہیں چھوڑ دیں۔"

آواز علایا کی پشت پر ابھری وہ تقریباً گرتے گرتے بچی۔

آرش کہتا کھوکے کے اندر جا کر بیٹھ چکا تھا۔

"یہ لیں تھانیدارنی جی آپ کی چائے۔" چاچا نے ٹرے میں کپ لگا کر علایا کے سامنے کیے۔

علایا نے ایک کپ واپس نکال دیا۔ "یہ اس کالی گلہری کو دے دیں۔"

علایا کا اشارہ بھاری بھر کم سیاہ کوٹ میں بیٹھے آرش کی طرف تھا۔ کہہ کر وہ ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل دی۔

چاچا نے کپ آرش کے سامنے رکھا۔ جس پر آرش نے احتراماً سر جھکا کر سلام کہا۔

"یہ انسان اتنے بیوقوف کیوں ہوتے ہیں چاچا؟" کہتا وہ استہزائیہ ہنسا تھا۔

چاچا جواباً مسکرا دیئے۔

"کیونکہ وہ انسان ہیں۔"

"تو پھر جو عقلمند ہیں کیا وہ انسان نہیں؟" وہ مدھم سی آواز میں بولا تھا۔

چائے وہیں سامنے پڑی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ چاچا تو واپس جا چکے تھے۔ پر وہ دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالے سامنے بلڈنگ کو دیکھنے لگا۔ صرف تیسرے فلور کی لائٹس آن تھیں، جہاں ان کا آفس تھا۔

"ہوہ۔۔۔ یہ انسان۔۔۔"

چائے پی کے آرش نے سب کو جانے کا کہا۔ خود وہ ابھی مزید کچھ پرانی فائلز اسٹڈی کرنا چاہتا تھا کرنا چاہتا تھا سو سب کے جانے کے بعد وہ اکیلا آفس میں اپنا کام کرنے لگا۔

وہ چاروں اکٹھے نکلے تھے اور ایک ایک کر کے اپنے گھروں کو چل دئے۔ سعد اور علایا پیدل جا رہے تھے۔ علایا اپنی دوست کے ساتھ اپارٹمنٹ شئیر کر رہی تھی، سعد اپنی گلی میں مڑ گیا۔ اور علایا تیز تیز قدم اٹھاتی اپنے اپارٹمنٹ کی طرف چل دی۔ وہاں ایبٹ آباد شہر میں گھر، قدرے قریب قریب اور اونچے نیچے بنے تھے۔ اور وہ ایک عمارت کی دوسری منزل پر رہتی تھی۔

"اسلام و علیکم جانِ من۔" علایا اونچی سی آواز میں کہتی گھر میں داخل ہوئی۔

جوتے دروازے ے کے قریب اتارے، ایک نگاہ پورے گھر پر ڈالی جو کہ چکا چک صاف ستھرا تھا۔ علایا کو اتنی صفائی سے بھی کوفت ہوتی تھی۔

"و علیکم اسلام۔"

یہ الہام تھی۔ سیشن کورٹ ایبٹ آباد میں اٹارنی پروفیشنل، کامیاب اور مشہور وکیل۔ علایا کی بچپن کی دوست۔

بچپن کی دوست۔۔۔ ایک سرد تیز جھونکا، بند ہوتے دروازے سے اندر آیا تھا۔ پر علایا لاونج میں داخل ہو چکی تھی، اور دروازہ بند ہو گیا۔

الہام میز پر رات کا کھانا لگا رہی تھی۔ علایا نے اپنا پیک اپ اتارا اور بِنا ہاتھ منہ دھوئے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ وہ اوپن کچن تھا۔ الہام فرائنگ پین میں کچھ بنا رہی تھی جب علایا بولی۔

"الہام ایک بات تو بتاؤ، میری شکل بدصورت ہو گئی ہے کیا۔ مجھے آج تک کسی نے اتنی بدتہذیبی سے ڈیل نہیں کیا۔" وہ چہرہ ہاتھوں سے ٹٹولتے ہوئے بولی۔ الہام ہنس دی۔ "ریجکٹ ہو کر آ رہی ہو کیا؟"

"نہیں ں ں ں۔۔" علایا چلائی۔

"وہ ہے نا نیا ٹیم لیڈر، ویسے میں نے آج تک زندگی میں اتنی فضول قسم کی گلہری نہیں دیکھی۔ سمجھتا ہے، ہم سب تو جیسے مکھیاں مارنے بیٹھے ہیں نا یہاں۔ علایا دن بھر کی بھڑاس نکال رہی تھی اور الہام زیرِلب مسکرا رہی تھی۔

"اس گنجے نے مجھے ٹیم لیڈر بنانے کی جھوٹی امید دلائی تھی۔۔۔ اوہ ہ ہ ہ۔۔۔۔" علایا بلبلائی، الیاس صاحب کو خصوص القابات سے نوازا ۔۔ "انسپکٹر آرش۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ میرے ابو کو بیچ میں گھسیٹ رہا ہے۔"

الہام مسکرائی تھی۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔ اب سمجھی کس نے بیچاری علایا کا دماغ خراب کر دیا ہے۔"

"وہی تو۔۔۔۔" علایا کھانے میں مصروف تھی۔

"آج اس زیادتی کیس کی آخری پیشی تھی نا۔ کیا ہوا؟" علایا نے بات بدلی۔

الہام مسکرائی۔

"تمہارے خیال میں کیا ہو سکتا ہے؟"

"Obviously دشمن کی ہار۔۔۔۔ یار مجھے وہ پراسیکیوٹر احمد تم سے بار بار ہارتا ہوا بہت اچھا لگتا ہے۔ مزہ ہی آجاتا ہے۔ ایسا ذلیل انسان ہے، اپنے جیسے ذلیل لوگوں کے ہی کیس لڑتا ہے۔" علایا کہہ کر ہنسنے لگی۔ الہام بھی اس کے ساتھ ہنسنے لگی۔

کھانا کھاتے ہی علایا اپنے کمرے میں سونے چلی گئی۔

کچن میں الہام اور اسکے نفاست اور رفتار سے چلتے ہاتھ، ساتھ سنک میں بہتا پانی، الہام کے دماغ میں چلتی کئی فلموں ک ساتھ ردھم بنانے لگا، آخری پلیٹ دھو کر اسٹینڈ پر لگائی، ہاتھ ایپرن سے ہی خشک کیے۔ اور لاونج کی لائیٹس آف کرتی اپنے کمرے کی طرف آئی، جو کہ علایا کے کمرے کے برابر میں تھا۔

کمرے میں آتے ہی وہ اسٹڈی ٹیبل کی دراز سے ایک سیاہ لیدر کی کوور کی ڈائری نکال کر بیٹھ گئی۔ڈائری کی سیاہ جلد کے درمیان میں ایک چاند بنا اور نیچے چھوٹا سا ''LUNA'' لکھا تھا۔الہام نے آہستگی سے ڈائری کھولی اور شروع کی صفحات پلٹنے لگی۔ایک صفحے پر آکر وہ رکی وہاں ایک طرف اوپر کونے میں ایک بچے کی تصویر لگی تھی۔اس کے پاس چھوٹے اسٹیکرز تھے اور نیچے اسکا نام لکھا تھا۔"آرش ارمغان"اس کے ہونٹ غیر محسوس انداز میں پھیلے تھے۔یہ نام اور شکل تو اسے ایک عرصے سے رٹے ہوئے تھے۔آج علایا نے نام لیا تو جیسے کچھ جاگ سا گیا تھا۔

اسکے کمرے کی کھڑکی میں لٹکتا شیشے کا چارم پیس کھنکا تھا۔

"آرش" مسکراہٹ کے ساتھ دل ہی دل میں کہا گیا۔

بیلا

یہ میرا پرائمری اسکول ہے۔کلاس میں داخل ہونے والی وہ دونوں ہی تھیں۔میں ہمیشہ سب سے پہلے آتی تھی۔حتی کہ ماسی کی کلاسوں کی صفائی سے بھی پہلے۔مجھے خالی اسکول میں پھرنا بہت پسند تھا۔بچے کہتے ہیں کہ اس سکول میں ہمارے علاوہ بھی کوئی رہتا ہے کوئی ایسی مخلوق جو ہمیں دیکھائی نہیں دیتی۔مجھے تجسس ہے کہ میں بھی کبھی وہ مخلوق دیکھ سکوں گی۔

کلاس میں آتے ہی میں نے انہیں اونچا سا سلام کہا تھا۔وہ دونوں ٹھٹھکیں پھر مجھے اگنور کر کے اپنے بینچ پر چلی گئیں۔الہام مجھے دیکھ کر مسکرائی تھی۔لیکن علایا وہ اتنی نک چڑی کیوں ہے۔مجھے وہ اچھی لگتی ہے پر وہ کبھی الہام کے علاوہ کسی سے بات نہیں کرتی آہستہ آہستہ باقی اسٹوڈنٹس بھی آنے لگے۔اور پھر کچھ دیر میں اسمبلی کا ٹائم ہو گیا۔

یہ کوئی پہلی دفعہ نہیں ہے میں انہیں ہمیشہ سے ہی دیکھ رہی ہوں۔آج بھی بریک ٹائم وہ دونوں گراؤنڈ میں لنچ کر رہی تھیں۔میں وہاں سے کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے بیٹھی تھی۔

"بیلا تمہیں یہاں ڈر نہیں لگتا یہاں اس درخت پر جن رہتے ہیں۔" الہام میرے سر پر کھڑی بول رہی تھی۔پتہ نہیں وہ اچانک سے کہاں سے آگئی۔

"جن کیا کہتے ہیں بھلا۔۔۔؟" میں وہاں قریب زمین کھود رہی تھی۔

"جن ڈراؤنے ہوتے ہیں۔" الہام کہتی میرے قریب آئی۔سامنے سے دیکھنے پر اسے میرے پیروں کے قریب پڑا اچڑیا کا مرا بچہ ملا۔وہ ایک دم چیخ مار کر پیچھے ہوئی۔

"تم نے اسے مار دیا؟"

"نہیں میں تو اس کے ساتھ کھیل رہی تھی۔"

پھر میں ے الہام کو وہاں سے جاتے دیکھا۔وہ علایا کے پاس جا کر اس کے کانوں میں کچھ کہنے لگی اور انگلی سے میری سمت اشارہ کرتی رہی۔میں نے کندھے اچکائے۔

چڑیا کے بچے کو اس کی ننھی سی قبر میں ڈالا اور پھر اس پر مٹی ڈال کر زمین برابر کر دی۔ پھر مٹی کی جگہ برابر کر کے، انگلی سے وہاں R۔I۔P لکھ دیا۔

"Rest in peace ننھی چڑیا۔"

وہ دونوں ابھی تک عجیب نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھیں۔

پتہ نہیں پر وہ دونوں عجیب طرح سے میری نظروں میں آگئی تھیں۔میں نے آج تک کسی انسان کے ساتھ Rest in peace نہیں کھیلا لیکن میرا دل بہت بری طرح مچل رہا تھا کہ میں علایا اور الہام کے ساتھ Rest in peace کھیلنے کا۔ہوہ۔۔۔۔پر وہ مجھے دوست ہی نہیں مانتیں۔"

آرش

میں آج خاموشی سے ابو کی غیر موجودگی میں ابو کے کمرے میں گیا تھا۔ وہاں ابو کا کافی ریسرچ روک، ڈائریز اور فائلز پڑی تھیں۔ ابو کا لیپ ٹاپ بھی ویسے ہی کھلا پڑا تھا۔ میں نے اسکرین جو کہ تھوڑی سی گرائی ہوئی تھی اٹھا کر دیکھی۔ وہاں ایک پورا ریسرچ ورک کھلا ہوا تھا۔ میں آہستہ آہستہ وہ سب دیکھنے لگا۔ وہاں بہت سارے قیدیوں اور مجرموں کی اور ہسٹری موجود تھی۔ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ابو نے تقریباً جھپٹتے ہوئے لیپ ٹاپ میرے آگے سے اٹھالیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"ابو آپ کو لگتا ہے میں بھی ان لوگوں جیسا ہوں؟" میں نے ابو کی آنکھوں میں انکھیں ڈال کر پوچھنا چاہا۔

ابو خاموش ہو گئے۔

"آپ کو لگتا ہے کہ میں بھی ان کی طرح کا مانسٹر ہوں؟"

جب سے میرا Diagnosis process چل رہا ہے۔ میں سائیکو پاتھی کے بارے میں کافی کچھ جان اور سمجھ گیا ہوں۔

میری امی بھی ایک سائیکو پاتھ تھیں۔ میں جان گیا تھا۔

"نہیں بیٹا۔۔۔" ابو نے بس اتنا ہی کہا۔

"آپ بھی امی جیسے ہی ہیں۔" میں روتے ہوئے چلایا اور وہاں سے بھاگ گیا۔

(میری زندگی میں زیادہ لوگ نہیں ہیں۔۔۔ بس امی اور ابو اور۔۔۔ اور ڈاکٹرز۔۔۔ میرے دوست نہیں ہیں۔۔۔ ابو مجھے دوست نہیں بنانے دیتے۔)

ابھی بھی میں گھر سے دور بھاگ رہا تھا۔ گھر سے دور۔۔۔ قصبے سے دور۔۔۔ اندھا دھند پہاڑی پر آ کے جنگل میں بھاگتا رہا حتی کہ اس جھونپڑی میں پہنچ گیا۔

گھپ اندھیرے میں وہاں کوئی روشنی کا ذریعہ بھی نہیں تھا۔ لیکن مجھے فرق نہیں پڑتا۔ مجھے کبھی اندھیرے سے خوف نہیں آیا۔ مجھے جنگلات اور بھوتوں سے کبھی خوف نہیں آیا۔ مجھے ان سب سے ڈر نہیں لگتا۔۔ لیکن۔۔۔۔۔۔ مجھے امی اور ابو سے خوف آتا ہے وہ دونوں ایک دن مجھے مار دیں گے۔۔۔۔۔ مجھے ان دونوں سے ہی خوف آتا ہے۔۔۔۔ دونوں سے ہی۔۔۔۔

روتا روتا میں وہیں جھونپڑی کے فرش پر سو گیا۔

جھونپڑی کی اکلوتی کھڑکی سے آتی چاندنی کی مدھم روشنی میں اس کا سایہ اور جھونپڑی کا اندھیرا ایک دوسرے میں گھلنے لگے۔ ایک بڑا سایہ سا اس بچے کے اطراف میں رقص کرنے لگا اور اس کے لیے لوری پڑھنے لگا۔

Oh my child
Please don't weep
As a child 'so hard you're trying
But soon you'll realize
In people there is no peace lies
Delusive is empathy
And love is a lie
The only place you can hide
Is the gloom & the blight
The only friend you can rely
Is the monster live in your inside

میری دوستی زیادہ تر آوازوں اور سایوں سے تھی۔

صبح میری آنکھ کھلی تو میں وہیں جھونپڑی کی زمین پر پڑا تھا۔ شاید میں رات وہیں سو گیا تھا۔ آنکھیں رونے کی وجہ سے درد کر رہی تھیں۔ آنکھیں مسلتا میں جھونپڑی سے باہر آیا تو باہر کا موسم کافی پر سکون تھا۔ آسمان سرمئی بادلوں سے مکمل ڈھکا ہوا تھا۔ ممکن تھا کے کچھ دیر میں بارش شروع ہو جاتی۔ میں آہستہ آہستہ گھر کی طرف چل دیا اور پھر۔۔۔۔۔۔۔

بیچ کے مناظر کہاں تھے؟ میں نہیں جانتا، پر میرے ہاتھوں پر خون ہے۔۔۔۔۔

میرے کپڑوں پر خون ہے۔۔۔۔۔

۔

۔

۔

وہ میرے گھر کا کچن ہے۔

اور شاید وہ میرے ماں باپ کا خون ہے۔۔۔

"کیا میں نے اپنے ماں باپ کو مار دیا؟"

۔

۔

۔

"میں نے انہیں مار دیا؟"

"نہیں۔۔۔"

"میں نے انہیں مار دیا۔" وہ ڈیسک پر سر رکھے مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔

"میں نے انہیں مار دیا۔" وہ ایک دم چلاتا اُٹھ بیٹھا۔

موجودہ کہانی

"نہیں۔۔۔"

"میں نے انہیں مار دیا۔" وہ ڈیسک پر سر رکھے مسلسل بڑبڑا رہا تھا۔

"میں نے انہیں مار دیا۔" وہ ایک دم چلاتا اُٹھ بیٹھا۔

رات فائلز دیکھتے دیکھتے وہ وہیں سو گیا تھا۔اس بھیانک خواب پر اسکی آنکھ کھلی۔لال ہوتی آنکھوں اور پسینے سے بھیگے بال ماتھے پر چپکے تھے۔کچھ دیر تو وہ یہی اندازہ کرتا رہا کہ وہ کہاں ہے۔

اچانک آفس کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔آرش نے چہرہ موڑ کر دیکھا۔

سوئی آنکھوں اسے سامنے کوئی ریچھ آتا دیکھائی دیا تھا۔

"اوہ میرے خدایا۔۔۔"

اس ریچھ کے ڈرنے کی ایکٹنگ بھی کمال کی تھی اور آواز بھی زنانہ۔۔۔۔

آرش نے جلن سے بے حال لال ہوتی آنکھیں جھپکائیں۔منظر کچھ واضح ہوا۔

وہ علایا تھی جو ڈر کے دیوار سے چپک گئی تھی۔

پھر ایک دم سنبھلتی اپنے ڈیسک کی طرف چل دی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا کہ ہمارے نئے لیڈر صاحب بے گھر بھی ہیں۔"ایک بھرپور طعنے سے اس نے ایک بہترین دن کا آغاز کیا تھا۔

"ناجانے لوگوں میں اتنی انرجی کہاں سے آتی ہے جسے وہ دوسروں کو بلاوجہ طعنے دینے میں ضائع کر لیتے ہیں۔" وہ کہنا چاہتا تھا، پر یہ کہنا بھی اسکی نظر میں انرجی کا ضیاع تھا۔آرش کوفت سے بال ماتھے سے پیچھے کرتا کھڑا ہوا۔کوئی جواب نا آنے پر علایا نے مڑ کر دیکھا۔

وہ اپنا کوٹ اور فائلز اٹھاتا جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

"میں کچھ دیر میں فریش ہو کر آتا ہوں۔تب تک باقی ٹیم میمبرز بھی آجائیں پھر ہم اس کیس پر مزید ڈیسکشن کریں گے اور مزید کچھ نئی چیزیں ہیں جو مجھے ڈسکس کرنی ہیں۔" کہتا وہ سیدھا باہر نکل گیا۔

علایا کندھے اچکاتی سیدھی ہو گئی۔

آرش کے نکلتے ہی سعد اور ابراہیم داخل ہوئے۔

"یہ آرش سر کہاں جارہے ہیں؟"

"فریش ہونے۔"

"اوہ، کیا وہ ساری رات کام کرتے رہے ہیں؟"

علایا نے جواباً کندھے اچکائے۔

"بہت محنتی ہیں بھئی۔ میں تو دوسری دفعہ آرش سر کا فین ہو گیا۔" سعد کہتا اپنا کی بورڈ نکال کر صاف کرنے لگا۔

سعد اور ابراہیم آپس میں کچھ ڈسکس کرنے لگے لیکن علایا۔۔۔۔۔

وہ کسی اور سوچ میں ڈوبی تھی۔

"میں نے اُنہیں مار دیا۔"

صبح آفس آنے سے پہلے آرش کی آواز اس کے کانوں میں پڑی تھی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟۔۔۔

اس نے کیسے مار دیا؟۔۔۔۔

علایا نے نظر اٹھا کر آرش کے ڈیسک کی طرف دیکھا جواب خالی تھا۔ پھر ایک جھر جھری لی۔

اور سوچیں جھٹک کر اپنے کام میں واپس لگ گئی۔

ان پانچوں عورتوں کی تصویریں وہاں بورڈ پر موجود تھیں۔ آرش نے سب سے پہلی عورت کی تصویر کو اتار کر الگ سے اوپر لگایا اور باقی چاروں کو نیچے۔

وہ چاروں خاموشی سے یہ سب دیکھ رہے تھے۔

"یہ دو الگ، کیس ہیں۔" اس نے بات کا آغاز کیا۔

"پہلی عورت جو کہ عمر میں باقی سے سب سے بڑی ہے۔ اسکا قتل اس سریز میں شامل نہیں۔ وہ قتل اس عورت کے شوہر نے کیا تھا جو کہ جیل میں ہے لیکن حقیقت میں وہ قتل اس کے شوہر نے نہیں بلکہ کسی اور نے کیا ہے۔ Most probably اس کے بیٹے نے۔"

آرش نے پہلے Suspect کی تصویر پر دائرہ بنایا۔

"پر وہ تو اس وقت کسی بھی تفشیش کا حصہ نہیں بن پایا تھا۔" سعد بولا۔

"مطلب وہ یہاں تھا ہی نہیں وہ اسلام آباد کی کسی یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔"

"اور اپنی ماں کے قتل کے کجھ عرصے بعد وہ بلکل ہی غائب ہو گیا۔ اس کی ماں کے قتل کے دو ماہ کے بعد وہ یونیورسٹی بھی چھوڑ چکا تھا۔" آرش نے سعد کی معلومات مکمل کی۔

"بچے کا الزام اپنے سر لینا کوئی مشکل بات نہیں۔ مطلب اس کے باپ نے وہ الزام اپنے سر لے لیا۔" ابراہیم نے سر کھجایا۔

"اس کے باپ نے جان بوجھ کر حالات کر ایسا موڑا کہ سارے ثبوت اس کے خلاف چلے گئے اور وہ مجرم ثابت ہو کر جیل میں چلا گیا تھا۔"

"لیکن ایسے تو زیادہ چانسز ہیں کہ اس عورت کا بیٹا ان چاروں مرڈرز میں بھی ملوث ہے۔ کیا پتہ تب وہ چھپ گیا ہو اور اب جب بات پرانی ہو گئی تو واپس آ گیا۔" علایا نے پہلی بار اپنی رائے پیش کی۔

آرش نے ایک فائل لا کر علایا کے ڈیسک پر رکھی۔

"وہ عورت غلط مقدار میں دوا ملنے پر مری تھی اور اس کی آنکھیں گر کر لکڑی کے پھٹے کے کھب جانے سے پھٹی تھیں۔ مطلب اگر یہ سب اس کے بیٹے نے کیا ہے تو وہ صرف اوور ڈوز دینے کا ارادہ رکھتا تھا۔ آنکھوں والا حادثہ محظ اتفاق تھا۔"

آرش کہتا واپس بورڈ کے پاس آیا۔

"فرض کرو کہ اس عورت کا قتل اس کے بیٹے نے کیا ہے پھر بھی باقی چاروں مرڈرز کے لیے کوئی سرا پکڑنے کے لیے ہمیں اسے ڈھونڈنے کی ضرورت ہے۔" علایا نے فائلز بند کرتے ہوئے کہا۔

آرش مسکرایا۔ طنزا۔ مطلب پہلی دفعہ علایا نے کوئی ڈھنگ کی بات کی تھی۔

وہ سخت چڑی تھی۔

"اگر وہ لڑکا سیریل کلر ہے تو چانس ہیں کہ ان چاروں مرڈرز میں بھی اسکا ہاتھ ہو۔ لیکن ابھی ہم اس بارے میں کچھ کہہ نہیں سکتے۔" سرمد جو کہ بورڈ پر کچھ لکھ رہا تھا پوئنٹر کا کیپ بند کر کے بولا۔

"اب حقیقت میں یہ مرڈرز اس مرڈر سے مختلف کیسے ہیں۔ اس عورت کی صرف آنکھیں پھٹی تھیں وہ بھی اتفاقا۔ جبکہ ان چاروں کی آنکھیں پہلے پھوڑی گئیں اور پھر گلا دبا کر قتل کیا گیا۔ بعد میں لاشوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی۔" آرش تفصیل سمجھا رہا تھا۔

سب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہاں اس کیس میں کچھ ہڈن (Hidden)، پوشیدہ سیمبلز ہیں۔ جیسے کہ بلائنڈ یا blind fold lady آنکھیں۔" آرش نے بات کو نئے پہلو سے شروع کیا۔

"Blind fold مطلب لیڈی آف جسٹس۔" علایا بولی۔

"Exactly"

"اور اگر صرف بلائنڈ کی بات کی جائے تو لٹریچر میں بلائنڈ کا مطلب کسی چیز کو جانتے بوجھتے اگنور کرنا۔ مطلب وہ عورتیں کسی اہم چیز کو اگنور کر رہی تھیں اور لیڈی آف جسٹس سے مراد ہوتا ہے انصاف۔۔۔۔یعنی کہ ان عورتوں کا یہ حال کر کے اس مرڈرر نے انصاف کیا ہے۔" آرش نے بات مکمل کی۔

"دنیا میں اس قدر ذہین گلہریاں بھی ہیں۔ مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔" علایا نے صاف لفظوں میں مرڈرر کے دماغ کو سراہا تھا۔ وہ امپریس ہوئی تھی۔

"گلہریاں ذہین ہی ہوتی ہیں۔" بورڈ کے ساتھ پڑے ڈیسک سے ٹیک لگائے کھڑا آرش علایا کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں البتہ جو گلہریاں نہیں ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا تھا۔

اور وہاں گلہری کون نہیں تھا؟

۔

۔

"علایا!"۔۔تینوں نمونوں کے دماغ بیک وقت بولے تھے۔

علایا نے سر اٹھایا اور آرش کی پشت گھوری۔

کیا آنکھوں ہی آنکھوں میں کسی کو چبایا جا سکتا ہے؟

اگر ہاں۔ تو علایا ابھی یہی کر رہی تھی۔

"یہاں ہمارا دوسرا Suspect احمت گلزار صاحب ہیں۔" آرش نے دوسری تصویر پر دائرہ بنایا۔

"کیونکہ فلحال لٹریچر سے متعلقہ شخص وہی ہیں اور پھر ان کی کتاب۔۔۔" آرش کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ۔۔۔

"انف اِز انف انسپکٹر آرش۔ وہ میرے ابو ہیں۔ وہ کبھی کسی کا مرڈر نہیں کر سکتے۔" علایا اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

آرش نے ہاتھ میں پکڑا مارکر عین نشانے پر علایا کے ماتھے پر مارا تھا۔۔۔ وہ بلبلا کر واپس بیٹھ گئی۔

"وہ صرف سسپیکٹ ہیں علایا ہم انہیں اریسٹ تھوڑی کر رہے ہیں۔" ابراہیم نے علایا کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

"یہاں دماغ سے کام لیا جاتا ہے مس علایا جذبات سے نہیں۔ اور اگر وہ آپکے ابو ہیں تو یہ بات ضمانت ہے کہ وہ کچھ غلط نہیں کر سکتے؟ صرف اس لیے کہ وہ آپ کے ابو ہیں۔" آرش بورڈ پر دیکھتا بول رہا تھا۔

"لیکن بات یہاں ختم نہیں ہوتی۔۔۔" آرش نے ایک تیسرے سسپیکٹ کا چوکور خانہ بنایا۔

"یہاں ایک اور سسپیکٹ بھی موجود ہے۔۔"اور اس خانے میں ایک کوئسچن مارک بنادیا۔

"لیکن فی الحال ہم اسے دیکھ نہیں پا رہے۔۔"

"ہم اس لڑکے تک کیسے پہنچیں گے؟"علایا نے بات بدلی۔

"سرمد اور ابراہیم اس لڑکے کے پیچھے جائیں گے۔۔۔میں اور سعد پروفیسر احمت سے متعلق مزید تفتیش کریں گے۔۔۔۔۔۔اور مس علایا آپ اس تیسرے سسپیکٹ کو ڈھونڈیں گیں۔"آرش نے بات مکمل کر کے پوائینٹر ڈیسک پر اچھالا اور ڈیسک سے فائلز اٹھا کر دیکھنے لگا۔

علایا کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"مطلب۔۔۔میں ایک کوئسچن مارک کیسے ڈھونڈوں گی۔۔۔"

"ہم سب یہاں کوئسچن مارک ڈھونڈنے ہی آتے ہیں۔"آرش نے رک کر علایا کو دیکھا۔

علایا کو اس کی سپاٹ آنکھیں بہت عجیب لگتی تھیں۔وہ خاموشی سے واپس فائل پر جھک گئی۔مزید بات کرنا فضول تھا۔

گاڑی سے اتر کر اس نے سن گلاسسز اتاریں۔۔۔ڈریس سوٹ پر بھاری لانگ کوٹ پہنے وہ قصبے کے آخری گھر کے سامنے کھڑا تھا۔اس گھر کے عین پیچھے چوٹی شروع ہوتی تھی۔برف کی نفیس ان چھوئی تہہ سے ڈھکی تاحدِ نگاہ سفید زمین اور تاحدِ نگاہ سفید آسمان لئے وہ سید پور کی زمین پر موجود تھا۔

آرش نے مفلر تھوڑا نیچے کیا اور برف کی دبیز تہہ پر قدم قدم نشانات چھوڑتا گھر کی طرف آیا۔اس کے کہنے پر وہاں گھر کے آگے سے کافی حد تک برف ہٹادی گئی تھی۔۔۔اتنی کہ وہ دروازہ کھول سکے۔

کچھ قدم مزید چل کر وہ دروازے پر پہنچا۔وہ گھر کسی زمانے میں اس قصبے کے چند پکے اور جدید گھروں میں سے ایک تھا اور آج وہ گھر سب سے پرانا دکھائی دے رہا تھا۔آرش نے ایک گہرا سانس بھرا۔۔۔سید پور کے اس آخری گھر کے سامنے وہ ایک پوری تاریخ کے ساتھ کھڑا تھا۔

اس نے آہستگی سے دروازے میں چابی لگائی اور دروازہ کھولتا اندر داخل ہو گیا۔

گھر کے فرش پر یادوں کی ریت کی ایک دبیز تہہ تھی۔جو اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ گھر کتنے عرصے سے صرف یادوں کے سہارے کھڑا ہے۔

آرش اپنے ساتھ ایک بریف کیس اور ضرورت کا کچھ سامان لے کر آیا تھا جو کہ اس نے آگے بڑھ کر صوفوں کے درمیان موجود میز پر رکھ دیا۔

"تمہیں لگتا ہے سارے مسئلے تمہاری زندگی میں ہی ہیں؟"

"میں یہ نہیں کہہ رہا۔۔۔ تم غلط سمجھ رہی ہو۔"

"ہاں میں تو ہوں ہی غلط۔۔۔۔۔۔ آخر تم نے مجھ سے شادی کی ہی کیوں؟۔۔۔ کوئی اپنی جیسی سے ہی کیوں نہیں کر لی؟"

"تم۔۔۔۔ تم اب مجھے مزید غصہ دلا رہی ہو۔"

تلچھٹ جو کہ گزرے وقت کے ساتھ خاموشی سے پانی کی تہہ میں بیٹھ جاتی ہے، ذرا سے ارتعاش پیدا کرنے پر واپس سطح پر آنے لگتی ہے۔

وہ مدھم سا مسکرا دیا۔ یادوں کے یہ تلچھٹ، ارتعاش محسوس کر چکا تھا۔

وہ اپنے ماں باپ کو لڑتا بہت صاف دیکھ سکتا تھا۔ وہاں صوفے پر بیٹھے اس کے ابو اور صوفوں کے دوسری طرف کھڑی اس کی امی ۔۔۔۔۔۔ وہ آج بھی ویسے ہی رو اور چلا رہی تھیں۔

اور پھر وہ منظر مدھم پڑتا پڑتا، بلکل غائب ہو گیا۔

"میں آج تک سمجھ نہیں پایا کہ ایک بچہ آخر ایسا کیا گناہ کر کے آیا ہوتا ہے جو اسے دنیا میں اسطرح سزا دی جاتی ہے۔"

وہاں گھر کی تاریک خاموشی میں ایک آواز آہستہ آہستہ ابھر رہی تھی۔

Oh my child
Please don't bleed

وہ آنکھیں موندھے سکون سے اس تاریکی میں کھڑا تھا۔ سامنے اوپن کچن خاموش پڑا تھا۔ اس نے ہمیشہ اسی تاریکیوں میں سکون پایا تھا۔

پھر اچانک وہاں کچن کی زمیں پر پڑی ریت کرداروں میں بدلنے لگی۔ کانوں میں ایمبولینس کی آوازیں پڑیں۔

As an adult 'so hard you're trying
And realizing

اس نے آنکھیں کھول دیں۔وہاں کچن کے فرش پر دو لاشیں پڑی تھیں۔ وہ آج بھی اپنے ماں باپ کی لاشوں کو بہت صاف دیکھ سکتا تھا۔ان کے قریب ہی ایک بچہ کھڑا تھا۔وہ بھی خون میں لت پت تھا۔پاس ہی ایک چھوٹا سا ایک چاقو پڑا تھا۔وہ بچہ بلکل سپاٹ تاثرات کے ساتھ وہ سب دیکھ رہا تھا۔

In people, there is no peace lied
Delusive is empathy
And love is a lie

وہ بچہ کبھی اُن لاشوں کو دیکھتا، کبھی پاس کھڑے آرش کو۔وہ سمجھنا چاہ رہا تھا کہ یہاں کیا ہوا ہے۔آرش نے کندھے اچکا دیئے۔

"میں بھی یہی سمجھنے آیا ہوں کہ یہاں کیا ہوا اور کیوں ہوا۔" آرش نے اس بچے کی گھبراہٹ دیکھتے ہوئے، دوستانہ انداز میں کہا۔

The only place you can hide
Is the gloom & the blight
The only friend you can rely
Is the monster live in your inside

منظر بُجھ گیا۔تمام کردار ریت بن کے واپس کچن کی زمین پر بچھ گئے۔

وہ اپنا ٹین ایج کے بعد اپنی جوانی بھی اچھی خاصی باہر گزار رہا تھا،اسے واپس نہیں آنا تھا، پر۔۔۔

آرش نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"میرے اندر کا مانسٹر شاید انتظار میں ہے کہ میں اس پر یقین کر لوں۔ میں Confess کر لوں کہ یہ خون میں نے ہی کیا تھا ۔۔۔۔اور میں۔۔۔۔۔۔۔بس وہ آخری پزل جو جڑ جائے تو میں تمہیں آزاد کر دوں گا۔"

اس نے پر تکان انداز میں اپنے اندر کے سائے کو تھپک کر واپس سو جانے کا کہا تھا۔

"کیا اس گھر میں واپس جانے سے تمہیں کچھ یاد آیا۔"

وہ ہمدانی صاحب تھے۔پروفیسر التمش کے دوست اور آرش کے سائیکاٹرسٹ۔

"میں نے کوشش کی لیکن مجھے کوئی ہنٹ تک نہیں ملا۔" موندھی آنکھوں پر بازو رکھے وہ وہاں کلینک میں پڑے آرام دہ صوفے پر آڑا ترچھا سا لیٹا تھا۔لہجہ تھکا ہوا تھا۔

"ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا، تم واپس جا سکتے ہو، گڑے مردے اکھاڑ کر کیا کر لو گے۔"

"مردے گڑے نہیں ہیں، یہی تو مسئلہ ہے، مردہ لوگ آپکو پکا نہیں سکتے۔"

"تمہیں پورا یقین ہے کہ وہ مسٹری باکس جو تمہیں انگلینڈ میں ملا تھا، وہ تمہارے ماضی سے جڑا ہے؟"

آرش نے پر سوچ انداز میں اثبات میں سر ہلایا۔

"تمہارے مطابق تم پہاڑ سے آئے ہو اور پھر بس تم خون میں لت پت کھڑے تھے۔ان دونوں موقعوں کے درمیان کیا ہوا تم نہیں جانتے۔۔۔۔۔"

"ہونہہ۔۔۔۔۔۔۔"

"یقیناً تمہاری ایک چھوٹی سی یاداشت غائب ہو گئی ہے۔ کیا تم گرے تھے یا تم نے کچھ حیران کن دیکھا تھا؟"

"مجھے کچھ بھی حیران نہیں کرتا ہمدانی صاحب۔ اور یہ سب آپ مجھ سے پہلے بھی پوچھ چکے ہیں سالوں قبل جب آپ نے مجھے باہر بھیجا تھا۔"

"تم کس بات پر یقین کرنا چاہتے ہو؟"

"ابو نے کہا تھا میں بھی سائیکوپیتھ ہوں۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔ لیکن تمہارے بچپن کے ڈائیگنا سس پراسس کے نتائج بہت غیر واضح تھے۔"

(ڈائیگنا سس پراسس ایک پورا پراسس ہوتا ہے، جو کہ مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ جس میں مختلف سیشنز اور ٹیسٹ ہوتے ہیں، جنکے ذریعہ معلوم ہوتا ہے کے آپکے دماغ میں سائیکوپیتھی موجود ہے یا نہیں۔)

"ہم نے اپنی ریسرچ میں دو گروپس بنائے تھے۔ ایک وہ جو حقیقی میں سائیکوپیتھ تھے اور ایک وہ جو سائیکوپیتھ کی خصوصیات رکھتے تھے۔ ایک سائیکوپیتھ کے دماغ کے دو اہم حصوں کا کنکشن بہت کمزور ہوتا ہے۔ ventromedial prefrontal cortex اور amygdala

اور اسی کمزور کنکشن کی وجہ سے ایک سائیکوپاتھ خود غرض اور جذبات سے عاری ہوتا ہے۔ لیکن تمہارے معاملے میں یہ کنکشن اتنا کمزور نہیں تھا۔"

ہمدانی صاحب بتاتے اس کی طرف آئے پھر ایک دم خاموش ہو گئے۔

آرش کسی گہری سوچ کے ساتھ وہاں کھڑکی سے باہر لگے درخت پر بیٹھے چڑیا کے بچوں کو دیکھ رہا تھا۔اُسے خود پر ہوئے کسی بھی قسم کے ریسرچ ورک میں کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی۔

کھوئے ہوئے لہجے میں آرش ایک دم گویا ہوا۔

"ان کی ماں کتنی لاپرواہ ہے۔" وہ دوسری ٹہنی پر بیٹھی بلی کو دیکھ سکتا تھا۔اور پھر ایک جھپٹے سے بلی نے بچوں پر حملہ کر دیا۔ تین میں سے دو بچے نیچے گر گئے اور ایک بلی کے دانتوں کے درمیان تڑپنے لگا۔

"کمزور جاندار ہونا بھی کتنی بد قسمتی ہے۔۔ چچ۔۔ چچ"

آرش نے واپس ہمدانی صاحب کو دیکھا۔

وہاں آرش کی نظروں میں کوئی ہمدردی، تکلیف، دکھ نہیں تھا۔۔۔۔

ہمدانی صاحب نے فوراً موضوع بدلا۔

"آج اتوار ہے نا۔ تمہارے آف ڈے ہے تو کیا کر رہے ہو سارا دن۔۔۔۔ کہو تو لنچ اکھٹے کریں۔"

آرش کپڑے سیدھے کرتا کھڑے ہوا۔اور پاس پڑا کوٹ اٹھا کر پہننے لگا۔ایک نظر باہر ڈالی۔ برف سے ڈھکی ٹہنی جس پر بچے بیٹھے تھے اب خالی پڑی تھی۔

"نہیں مجھے آج گھر کی صفائی کرنی ہے۔میں چلتا ہوں۔" کہتا وہ مفلر پہنتا باہر نکل گیا۔

ہاسپٹل کی عمارت سے باہر آ کر اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔ سامنے کا لان اور بینچ بھی برف سے ڈھکے ہوئے تھے۔ایک دم اُسکے کانوں کے درمیان کچھ آیا اور پھر گزر گیا تھا۔ایک مدھم چُبھتا سا دھماکہ۔۔۔

اسے ایک نرم سفید چہرے پر خون کی ایک لکیر پھیلتی دیکھائی دی۔۔ وہ انسانی چہرہ تھا یا کسی جانور کا؟۔۔۔۔ ایک فلیش بیک۔۔۔

اور وہ سر جھٹکتا پارکنگ لاٹ کی طرف چل دیا۔

آرفنیج (ماضی کا ایک ٹکڑا)

"ابو ہم انکل کے Orphanage (آرفنیج) کب جائیں گے۔؟

وہ نو سالہ الہام تھی۔ تقریباً اپنے ابو کی گردن سے جھولتی وہ لاڈ سے بولی۔

الہام اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد تھی۔اس کے ابو وکیل تھے۔امی ہاؤس وائف۔۔۔۔کوئی بہن بھائی نا ہونے کی وجہ سے اسے اپنے ابو کے ایک دوست کے یتیم خانے جانے کا بہت شوق تھا۔وہاں اس کے جیسے آٹھ دس سال کے بہت سے بچے تھے۔

"ابھی چلو گی؟۔۔۔۔"

سبز واری صاحب ایک دم اٹھ کھڑے ہوئے۔الہام بھی ان کی گردن سے لٹکے لٹکے کھل کھلا کر ہنس دی۔

مسز سبز واری کو بتا کر وہ دونوں گھر سے نکل آئے۔

یتیم خانہ ایبٹ آباد کے تقریباً باہر کی طرف تھا۔آبادی سے تھوڑا سا ہٹ کر۔

انہوں نے راستے میں بچوں کے لیے چاکلیٹس اور کھانے کا سامان خریدا اور یتیم خانے پہنچ گئے۔

سامنے بڑے سے بورڈ پر land from heaven لکھا تھا۔وہ ایک بڑی اور رنگین سی عمارت بلکل بچوں کے مزاج کی مطابق اور پھر سبز واری صاحب کے دوست ہر سال دو سال بعد عمارت کی رینویشن کرواتے رہتے تھے۔

وہ دونوں عمارت کے لان میں داخل ہوئے۔یہاں بچے اپنے مختلف سرگرمیوں میں مصروف تھے۔

سبز واری صاحب کو دیکھتے ہی بچے دوڑے چلے آئے۔

الہام ابو کے ساتھ مل کر بچوں میں چیزیں بانٹنے لگی۔ نظر وہاں دور بینچ پر بیٹھے بچے پر پڑی۔گھٹنوں پر کتاب رکھے وہ کچھ پڑھنے میں مصروف تھا۔

الہام نے ایک چاکلیٹ لی اور آہستگی سے اس کے قریب چلی گئی۔وہ عمر میں کوئی گیارہ بارہ سال کا بچہ ہو گا۔بڑھے ہوئے بال ماتھے پر گر رہے تھے۔سستے سے ٹراؤز شرٹ میں ملبوس بچے نے سر اٹھایا۔

الہام مسکرا دی۔ یہ وجہ تھی کہ وہ یتیم خانے آنے کی ضد کرتی تھی۔ وہ گھوم کر اس کے دوسری طرف بینچ پر بیٹھ گئی۔ اور چاکلیٹ اس کے آگے کر دی۔

الہام سے دو سال بڑے اس بچے نے چاکلیٹ پکڑی اور خاموشی سے کھول کر کھانے لگا۔ شاید وہ اسکی موجودگی اور تحائف کا عادی ہو چکا تھا۔

"کیا پڑھ رہے ہو؟

الہام نے اس کی گود سے کتاب اٹھائی۔ وہ کوئی بھاری موٹی سے انسائیکلوپیڈیا تھی۔

الہام نے کتاب بند کر کے دوسری طرف رکھ دی۔ لیکن وہ اسکی ان بڑی بڑی کتابوں اور خاموشی کی عادی نہیں ہوئی تھی۔

"آؤ ہم کھیلتے ہیں۔" پھر بچے کو کھینچتی اپنے ساتھ گراؤنڈ میں لے آئی۔

وہ بمشکل کھیلنے پر راضی ہوا ہی تھا کہ اچانک سے کوئی اس بچے کو آواز دیتا ادھر آنکلا۔

"آرش۔۔۔۔ آرش بیٹا آجاؤ۔ ہاسپٹل جانے کا وقت ہو گیا ہے۔" وہ ہمدانی صاحب تھے۔ آرش کے انکل۔۔۔۔۔

ایک نیا انکشاف، الہام کا چہرہ بجھ گیا۔

"تم بیمار ہو؟ الہام نے تفشیشی انداز میں آرش سے پوچھا۔

آرش نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر تمہیں ہاسپٹل کیوں جانا ہے؟"

"میں جاتا رہتا ہوں۔ وہاں ڈاکٹرز مجھے چیک کرتے ہیں اور پھر بہت ساری فائلز بناتے ہیں اور میں واپس آجاتا ہوں۔" آرش نے اپنے تئیں سے اسے سمجھانا چاہا۔

الہام نے ناسمجھی سے اثبات میں سر ہلایا۔

اور پھر آرش اپنے انکل کا ہاتھ پکڑ کر چل دیا۔

ہر دور جاتے قدم کے ساتھ اسکی موجودگی کا احساس ختم ہو رہا تھا۔

الہام کو اس احساس سے سخت نفرت تھی۔

موجودہ کہانی

ہمیشہ کی طرح وہ ایک سست اور سرد دوپہر تھی۔ سعد کمپیوٹر کی اسکرین میں گھسا بیٹھا تھا۔ سرمد ساتھ ہی کرسی پر آڑھا ترچھا سو رہا تھا۔ ابراہیم اور آرش کچھ ڈسکس کرنے میں مصروف تھے۔۔۔

اور علایا۔۔۔ وہ تیکھی نگاہوں سے آرش کا جائزہ لینے میں مصروف تھی۔ ساتھ ساتھ کچھ نہ کچھ سوچتی سامنے پڑے رائٹنگ پیڈ پر کچھ لکھتی جاتی۔۔

کل آف ڈے ہونے کے باوجود وہ سارا دن آرش کی پروفائلز چھانتی رہی تھی۔ جہاں سوائے اسکی اکیڈمک ریکارڈز اور پولیس میں اعلی کارکردگی کے سوا کچھ نا تھا۔

ابھی بھی وہ سپاٹ سا چہرہ لیے ابراہیم کی کوئی بات سن رہا تھا۔ اسکے بال قدرے سیاہ اور چمکدار تھے۔۔ عمر کوئی تیس پنتیس کے درمیان ہوگی۔۔۔ آنکھیں بھی بالوں کی طرح سیاہ اور چمکدار تھیں۔۔۔ چونکہ آفس میں گرمائش تھی سو آرش نے کوٹ اتار رکھا تھا اور صرف ایک سرمئی رنگ کی ہائی نیک پہن رکھی تھی۔۔ ڈریس پینٹ اور نیچے بوٹس۔۔

لوگوں کا نظروں ہی نظروں میں سی ٹی اسکین کرنے میں تو وہ ویسے ہی ماہر تھی۔ اور نتیجہ یہ نکلا تھا کہ آرش کسی حد تک مشکوک شخصیت کا بندہ ہے۔۔۔

علایا نے رائٹنگ پیڈ پر نتیجہ لکھا اور حتمی انداز میں چٹکی بجائی۔

"جب وہ میرے ابو کو سسپیکٹ بنا سکتا ہے تو پھر تو وہ خود بھی سسپیکٹ ہو سکتا ہے۔" بے نیازی سے کندھے اچکائے گئے۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی بلکہ چبا رہی تھی کہ اچانک سے سعد بول اٹھا

"اوہ۔۔۔ دیکھو تو ذرا کون آیا ہے۔"

سب نے ایک ساتھ سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ وہاں الہام کھڑی تھی۔۔۔

ہلکے سے فیروزی گرم کُرتے کے ساتھ چکن کی کیپری پہنے۔ سر پر باریک سا اسکارف لپیٹ رکھا تھا۔۔ اوپر بھاری بھرکم سا سفید کوٹ پہن رکھا تھا۔۔۔

سب کے دیکھتے ہی اس نے ہاتھ میں پکڑا سامان ذرا اوپر کو اٹھایا۔۔

الہام سب کے لیے لنچ لائی تھی۔

سعد فوراً سے اٹھا اور الہام کے ہاتھ سے سامان پکڑا۔

"اوہ الہام جی آپ کو نہیں پتا کتنا مس کر رہا تھا میں آپکے ہاتھ کا کھانا۔۔"

سرمد جو قریب ہی سو رہا تھا سعد کے پیر مارنے پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور الہام کو دیکھتے ہی کھڑے ہو کر سلام کیا۔ وہ سب ہی الہام کی بہت عزت کرتے تھے۔

علایا نے الہام کے لیے کرسی کھینچ کر آگے کی۔۔۔اور ابراہیم۔۔۔ایک منٹ۔۔۔یہ ابراہیم کہاں غائب ہو گیا تھا۔۔۔ابھی تو وہ آرش کے سامنے موجود تھا۔۔

اگلے ہی لمحے دھلے دھلائے چہرے کے ساتھ بالوں کو سیٹ کیے وہ ریسٹ روم سے باہر نکل رہا تھا۔

"اوہ الہام آپ۔۔" جیسے وہ تو جانتا ہی نہیں تھا کہ الہام آئی ہے۔۔علایا نے اسے گھورا۔

وہ الہام کے قریب ہی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

اس سب کے دوران الہام نے چور نگاہوں سے دو تین دفعہ فائلز پر جھکے آرش کو دیکھا تھا۔ وہ ان سب سے کچھ فاصلے پر اپنے کیبن میں بیٹھا تھا۔

موٹے سے انسائیکلوپیڈیا پر جھکا وہ بارہ سالہ آرش۔

فائلز کے بنڈل پر جھکا وہ بتیس سالہ آرش۔

"ہائے انسپکٹر آرش۔۔۔"

پھر کچھ ہمت کر کے ہچکچائی سی بولی۔

علایا نے الہام کو دیکھا۔ کچھ کہنے کو منہ کھولا۔ پھر۔۔

آرش نے سر اٹھایا۔۔الہام پر نظر پڑتے ہی وہ پل بھر کو رکا تھا۔ پھر ایک ابرو اچکائی۔

"کیا ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟"

دو دہائیوں میں کوئی کتنا بدل سکتا تھا، وہ اتنا ہی بدل گیا تھا۔

الہام کی مسکراہٹ ایک دم سمٹی۔۔۔وہاں ہنستے باتیں کرتے سب ایک دم سے خاموش ہوئے تھے۔

وہ کھسیانی سی بالوں کو کان کے پیچھے اڑستی ہنس دی۔

"آں ہاں۔۔۔نہیں وہ تو بس علایا نے ذکر کیا تھا تو۔۔۔"

ابراہیم نے ایک تیکھی نگاہ آرش پر ڈالی۔۔۔آرش اُن کی سوچ سے زیادہ روڈ اور بدتمیز تھا۔۔۔اُنکے مطابق۔۔۔

آرش نے علایا کی طرف دیکھا۔

"میں نے؟ میں نے کب نام لیا اسکا؟" علایا تو صاف مکر چکی تھی۔

آرش واپس فائلز پر جھک گیا۔۔۔علایا پھر جل بھن گئی۔

کچھ دیر تک وہ لنچ کرتے گپیں مارتے رہے۔آرش اپنے ڈیسک پر بیٹھا مسلسل اپنی انگلیوں میں بال پوائنٹ گھماتا فائلز پر جھکا ہوا تھا۔ایک دو دفع اس نے نگاہ اٹھا کر ان سب کے درمیان بیٹھی الہام کو دیکھا۔وہ کھا نہیں رہی تھی۔بس ان کے ہنسی مذاق میں کبھی کبھی ہلکا سا ہنس دیتی۔۔۔

آرش کی یاداشت میں بہت زیادہ چہرے اور آوازیں نہیں تھیں۔۔۔لیکن وہ سامنے بیٹھی لڑکی۔۔

آرش نے سوچتے سوچتے بھنویں اکٹھی کیں۔۔۔پھر ایک دفعہ نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور الجھے سے دماغ کے ساتھ سر واپس جھکا دیا۔

ابراہیم، سعد، آرش اور علایا انٹیروگیشن روم کے باہر کمپیوٹر کی اسکرین کے سامنے بیٹھے تھے۔وہاں اندر کمرے کے وسط میں پڑی میز کے ایک طرف سرمد اور دوسری طرف اس عورت کا بیٹا بیٹھا تھا۔مکمل اندھیرے میں ڈوبے کمرے میں ان کی میز کے اوپر ایک عدد بلب لٹک رہا تھا۔جس کی روشنی میں وہ دونوں ایک دوسرے کی شکل صاف دیکھ رہے تھے۔

"چار سال پہلے تمہاری ماں کا مرڈر ہوا۔اور تمہارا باپ مرڈر الزام میں جیل چلا گیا۔"

"وہ الزام نہیں سچ تھا۔"

"مجھے بات مکمل کرنے دو پہلے۔" سرمد نے ترچھی نگاہوں سے اسے گھورا۔

"اور تم وہ گھر چھوڑ کر چلے گئے۔دو ماہ بعد تم نے یونیورسٹی بھی چھوڑ دی۔"

"کیونکہ میرے پاس فیس کے پیسے نہیں تھے۔" وہ لفظ چبا چبا کر بولا۔

سرمد نے ایک سرد نگاہ اس پر ڈالی۔

"فی الحال تم ایک فیکٹری میں مزدوری کر رہے ہو۔اور وہ بھی نقلی شناخت کے ساتھ۔وجہ پوچھ سکتا ہوں کیوں؟"

وہ لڑکا خاموش رہا اور بس کھا جانے والی نظروں سے سرمد کو دیکھتا رہا۔

سرمد نے چار تصویریں نکال کر میز پر رکھیں۔

"ان سے تمہارا کیا تعلق ہے؟"

لڑکے نے ایک نظران سب پر ڈالی اور کندھے اچکا دیئے۔

"میں انہیں نہیں جانتا۔"

سرمد مسکرادیا۔اپنائیت بھری سی مسکراہٹ۔۔۔۔

"میں تمہارادکھ سمجھ سکتا ہوں۔"

وہ فائلز میں کاغذ سیدھے کرتے ہوئے بولا۔

"وہ گڈ کاپ اور بیڈ کاپ کھیلنے میں ماہر ہے۔" باہر بیٹھی علایا زیر لب بڑبڑائی۔

سعد نے بھی اثبات میں سر ہلایا۔

"مطلب؟" لڑکے نے عجیب سی نگاہ سرمد پر ڈالی۔

"اس معاملے میں ہم دونوں برابر کے بدنصیب ہیں۔وہ ماں باپ جنہیں ہم بچپن سے اپنا سوپر ہیرو مانتے آتے ہیں" سرمد کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ۔۔۔

"تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو انسپکٹر۔"

"وہ پھسل رہا ہے۔" ابراہیم نے اسکرین کو گھورتے ہوئے کہا۔

"پتہ ہے جب میں بھی بڑا ہوا اور مجھے پتا چلا کہ میرے ماں باپ سپر ہیروز نہیں بلکہ میری طرح ایک کمزور۔۔۔۔۔ خطاؤں کا مجسمہ ہیں تو مجھے بھی بلکل ایسی ہی مایوسی ہوئی تھی۔پر کچھ چیزیں ہم بدل نہیں سکتے، کچھ رشتے کچھ تعلقات۔۔۔وہ ہمیشہ کے لیے ہمارے ساتھ جوڑ دیئے جاتے ہیں" سرمد بہت تھکے لہجے میں بول رہا تھا۔

باہر ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھا آرش، اناترکام پر ابھرتے سرمد کے الفاظ سن رہا تھا، نگاہ دور خلاء میں بھٹک رہی تھی۔

وہ لڑکا سرمد کو دیکھتا رہ گیا۔

ایک دم خاموشی سے۔۔۔۔۔۔

"میرا باپ جوئے کا عادی تھا اور میری ماں۔۔۔۔۔۔۔"

سرمد کہتا کہتا رکا۔ایک نظر لڑکے کا جائزہ لیا۔

لڑکے کی آنکھیں سرخ تھیں۔آنسو کسی بھی پل گرنے کو تیار تھے۔

"میری ماں مجھ سے بہت کام کرواتی تھی اور خود اس پیسے پر عیش کرتی تھی۔" لڑکے نے ٹوٹے سے لہجے میں ایک طرح سرمد کا جملہ پورا کیا۔

"یس۔۔۔۔وہ بول رہا ہے۔" علایا نے سر اٹھا کر پیچھے دیکھا۔ آرش غائب تھا۔

علایا ٹھٹھکی۔ بھنویں اکٹھی ہوئیں۔ یہ کہاں چلا گیا۔

"مجھے کام سے مسئلہ نہیں تھا۔ لیکن میری ماں کبھی مجھ سے خوش نہیں ہوتی تھی۔ اسے کبھی میری پرواہ ہی نہیں ہوتی تھی بھلے میں کسی دن اینٹیں ڈھوتے ڈھوتے مر ہی کیوں نا جاؤں۔ یا کسی عمارت پر کام کرتے کرتے مر ہی کیوں نا جاؤں۔ اور وہ زہر۔۔۔۔۔۔۔وہ زہر میرا باپ لے کر آیا تھا۔ ہم دونوں کو مارنے کے لیے۔۔۔۔۔۔وہ دونوں ایک جیسے ہی تھے۔ دونوں ہی۔۔۔۔۔۔دونوں کو یہی سزا ملنی چاہیے تھی۔" کہتا کہتا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"اور باقی چاروں عورتیں۔۔۔۔" سرمد نے کھڑا ہو گیا۔

"م م۔۔۔۔۔میں۔۔۔۔میں۔۔۔۔" لفظ گلے میں ہی اٹک گئے۔

سرمد نے وہ چاروں تصویریں اس کے سامنے پٹخیں۔

"تم نے اس ہر عورت کی شکل میں دراصل اپنی ماں کو بار بار قتل کیا ہے۔" سرمد پوری طاقت سے چلایا تھا۔

"نہیں۔" لڑکا ایک دم سے چلا اٹھا۔

"نہیں۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔۔میں نے انہیں قتل نہیں کیا۔"

سرمد نے سرخ آنکھوں سے اسے گھورا۔

"تو کس نے قتل کیا ہے؟"

"میں نہیں جانتا۔ کوئی۔۔۔۔کوئی جو میرا یہ راز جانتا ہے اور وہ مجھے مسلسل دھمکیاں دے رہا تھا کہ اگر میں نے اس کا کہنا مانا تو وہ میرا راز فاش کر دے گا۔"

"کون ہے وہ؟" سرمد کچھ ٹھنڈا ہوا۔

"مجھے نہیں معلوم۔ ہماری صرف ای میل کے ذریعے بات ہوتی تھی۔ وہ مجھے ایک پتا بتا دیتا تھا۔ جہاں پر ہمیشہ سے ایک عورت پڑی تڑپ رہی ہوتی تھی۔ جس کی آنکھیں پھوڑ کر ان پر کپڑا باندھا گیا ہوتا تھا۔ میرا کام اس کا گلا دبا کر اس کی تکلیف دور کرنا تھا کہ وہ مر جائے۔" وہ لڑکا کہتا کہتا ایک دم خوف سے کانپنے لگا۔

"یہ آسان نہیں ہے۔مجھے ان عورتوں کو دیکھ کر بہت خوف آتا ہے۔مجھے اور عورتوں کو نہیں مارنا۔" وہ زور زور سے دیوانہ وار چلانے لگا اور کرسی سے اٹھ کر نیچے زمین پر گٹھڑی بن کر بیٹھ گیا۔

سرمد فائلز اٹھاتا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ایک ملامت بھری نظر اس پر ڈالی اور پھر انٹیروگیشن روم سے باہر نکل آیا۔

علایا کرسی دھکیلتی اٹھی۔

"پر وہ شخص۔۔۔۔۔" علایا کچھ سوچتی اپنی ڈیسک کی طرف چل دی۔وہ مرڈرر سائیکوپیتھ، یقیناً اس لڑکے کا استعمال صرف اپنی مسرت پوری کرنے کے لیے کر رہا تھا، جو کہ اسے لڑکے کو بلیک میل کر کے ملتی تھی۔

"ہمیں اس شخص کا پتہ لگانا ہوگا۔۔۔۔۔پر ایک منٹ۔۔۔۔۔۔ایک منٹ۔" علایا بڑبڑاتی رکی اور مڑی۔

علایا الجھی کیونکہ آرش بیچ تفتیش کے ہی اٹھ کر چلا گیا تھا اور اب پتہ نہیں کہاں تھا۔

علایا کی الجھن مزید بڑھ رہی تھی۔اسے بنا بتائے چھوڑ کر جانے والے لوگ سخت ناپسند تھے، کوئی نا کوئی وجہ ہوتی ہے، اور بمطابق علایا، علایا کو وجہ بتانا لازمی ہے۔

\-

آرش مسلسل دماغ میں تانے بانے جوڑتا گھر کی طرف جا رہا تھا۔انگلینڈ سے آنے کے بعد اس کی پوسٹنگ یہاں ایبٹ آباد ہوئی تھی۔وہ سید پور والے گھر میں رہنا چاہتا تھا لیکن ایبٹ آباد سے سید پور کا فاصلہ تقریباً ڈھائی گھنٹے تک کا تھا۔اور وہ روز کے پانچ گھنٹے سفر میں گزرانے والا نہیں تھا۔اس نے وہیں پولیس اسٹیشن سے پیدل دس منٹ کے فاصلے پر ایک اپارٹمنٹ کرائے پر لیا تھا۔سردی کی وجہ سے ہاتھ کوٹ کی جیب میں اور مفلر تقریباً آدھا چہرہ ڈھکے ہوئے تھا۔خلاف معمول اس نے سیاہ پی کیپ لے رکھی تھی۔

چلتے چلتے وہ کسی غیر مانوس احساس کے تحت رکا تھا۔

پھر ایک دم وہ ایڑی پر گھوم گیا۔

وہاں پیچھے دور تک دھند اور سیاہی میں ڈوبی سڑک سنسان پڑی تھی۔کوئی تو تھا۔اسے لگا کوئی اس کا پیچھا کر رہا تھا۔سوچتا وہ واپس اپنے راستے چل دیا۔

گھر کے سامنے پہنچ کر اس نے جیب سے چابی نکالی۔

کچھ عجیب تھا۔شاید کوئی سایہ سا اسے کونے کی دیوار کے پیچھے چھپتا دکھائی دیا تھا۔

اور اگلے ہی پل وہ خیالات جھٹکتا دروازہ کھول کر اندر چل دیا۔

الہام کتنی ہی دیر سے خود ہی خود میں بیٹھی مسکرائے جارہی تھی۔ سامنے میز پر ڈائری کھلی پڑی تھی۔

"مجھے نہیں پتہ تھا تمہاری یاداشت اتنی کمزور ہو گی آرش۔" وہ دل ہی دل میں بولی۔

سوچتے سوچتے ایک نگاہ سامنے دیوار پر لگی کلاک پر گئی۔

رات کے دس بج رہے تھے اور علایا ابھی تک گھر نہیں آئی تھی۔

"آج تو اسے کام سے جلدی فارغ ہونا تھا۔" سوچتی ڈائری بند کرنے لگی پھر اس کی ڈوری لپیٹی اور اسے واپس دراز میں رکھ دیا۔

آہستگی سے وہ کمرے کے ساتھ بنے اوپن کچن کا بیک ڈور کھولتا گھر پچھلی طرف باہر آیا تھا۔ وہ جگہ عموماً صرف کچرا پھینکنے کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ پاکستان کے پبلک کچرا بازار۔۔۔۔۔ اکتاہٹ بھرے تاثرات لیے وہ کچرے سے بمشکل اپنے جوتے بچاتا گھر کی پچھلی طرف آیا۔ ایک ہاتھ کوٹ کے اندر چھپی پسٹل پر تھا۔

دبے قدموں سے چلتا وہ کونا مڑا۔ وہاں اس کے کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔

وہ ایک دم ٹھٹھکا۔ وہاں کھڑکی کے نیچے ایک سیاہ ہیولہ کھڑی سے اندر جھانکنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آرش کی بھونیں سکڑیں۔۔۔۔۔ جبڑا تنا۔۔۔۔۔ وہ ہیولہ۔۔۔۔

وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اس ہیولے کے سر پر پہنچا اور اس کی ہڈی کی بڑی سی fury ہڈ سے پکڑ کے اسے پیچھے کیا۔ قد آرش کے سامنے اس قدر کم تھا کہ وہ آرام سے اسے ہوا میں اٹھا سکتا تھا۔

"ہیئے ایڈیٹ چھوڑو۔۔۔" وہ زنانہ آواز میں چلاتی مڑی تھی۔

اور پھر اگلے ہی لمحے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

آرش کو سامنے دیکھ کر اس کا سانس سینے میں ہی اٹک گیا۔

"تم؟۔۔۔ تم تو اندر گئے۔۔۔۔"

"کیا میں اس سے بھی زیادہ غیر اخلاقی حرکت except کر سکتا ہوں مس علایا؟" آرش کے ماتھے کے تیور صاف بتا رہے تھے کہ اسے علایا کی یہ حرکت سخت ناگوار گزری تھی۔

اتنے میں علایا سنبھلتی سیدھی ہوئی۔

"میں تیسرے سسپکٹ کی جاسوسی کر رہی ہوں۔" کمال بے نیازی سے کہا گیا تھا۔

"آپ مجھے اسٹاک کر رہی ہیں؟"

علایا نے کندھے اچکائے۔ گویا وہ بلکل صحیح ہے اور اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

آرش نے ہاتھ میں پکڑا پسٹل علایا کے کان کے نیچے گردن پر رکھا۔ چہرے پر ناگواری عیاں تھی۔

علایا کے پورے وجو میں ایک سرد لہر دوڑ گئی۔

اُس ایک لمحے کے لیے علایا کو آرش کے ماتھے کے بلوں سے سخت خوف آیا تھا۔ پھٹی آنکھوں سے وہ آرش کی آنکھوں میں دیکھے گئی۔

آرش نے چہرے پر ڈھیروں سنجیدگی لیے پسٹل والا ہاتھ واپس نیچے گرادیا اور خاموشی سے واپس اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

اگلے کچھ پل علایا سمجھ نہیں پائی کہ وہ شرمندہ ہو یہ شکر کرے۔۔۔۔۔۔

آرش نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے دروازہ پوری قوت سے بند کیا تھا۔

"آہ۔۔۔۔۔۔ میرے خدایا۔۔۔" دھم کی آواز پر علایا کا ہاتھ سیدھا سینے پر گیا تھا۔

پھر اسی ہاتھ سے گردن کو چھوا جہاں کچھ دیر پہلے پسٹول رکھی گئی تھی۔

"بدتمیز۔۔۔" بڑبڑاتی وہ سڑک کی طرف چل دی۔

سو یہاں بھی بدتمیز آرش ہی تھا۔۔۔ اوہ علایا۔۔۔ اوہ۔

بیلا

"یہ۔۔۔۔۔یہ بلی۔۔۔۔یہ۔۔۔"

سامنے کچن کے سنک میں پڑی خون آلودہ مردہ بلی دیکھ کرامی سخت حواس باختہ ہوئی تھیں۔

دو قدم پیچھے کو لڑکھڑاتیں وہ تقریبا گرتے گرتے بچیں۔کچن سے بھاگنے کو پلٹیں جب سامنے کچن کے دروازے میں بیلا کو کھڑا پایا۔اب کہ وہ بری طرح رپٹ کر گری تھیں۔

"کیا ہوا ماما۔۔۔"

"تم۔۔۔تم نے اس بلی کو مار دیا بیلا۔"وہ لڑکھڑاتیں زبان سے بولیں۔

بیلا نے ہنستے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

معصوم مسکراہٹ۔۔۔۔۔۔۔۔شیطانی معصومیت۔۔۔

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ یہ بلی مر ہی جائے تو اچھا ہے۔روز کچن کے کھڑکی سے آکر سنک کے برتنوں میں منہ مار دیتی ہے۔"بیلا کہتی اپنی ماں کے قریب آئی۔

وہ زمین پر سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"بیلا۔۔۔۔تم۔۔۔تم ایسی حرکتیں کیوں کرتی ہو۔تمہیں خوف نہیں آتا۔اچھے بچے ایسے کام نہیں کرتے۔"

وہ ایک دم ٹھٹھک کر اپنی ماں کی شکل دیکھنے لگی۔

"اچھا ہونا کیا ہوتا ہے ماما۔"

"جو اچھے کام کرتے ہیں وہ اچھے ہوتے ہیں۔جانداروں کو بلاوجہ مارنا اچھا کام نہیں بیلا۔"وہ کہتیں کھڑی ہوئیں۔لہجہ سخت دکھ اور طعنے لیے ہوئے تھا۔

"جانداروں کو مارنے میں کیا برائی ہے؟"وہ الجھتے ہوئی بولی۔

"کیونکہ ان میں جان ہوتی ہے۔ان کے خاندان ہوتے ہیں۔ان کے پیارے ہوتے ہیں جو کہ انکے مرنے پر دکھی ہوتے ہیں۔"

بیلا کچھ دیر سمجھنے کے انداز میں سنتی ماں کو دیکھ رہی تھی۔

"اور جن کے پیارے نہیں ہوتے۔کیا انہیں مارا جا سکتا ہے۔"

"نہیں بیلا۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔"وہ تقریباً چلائی تھیں۔

بیلا ایک دم خاموش ہو گئی۔اس سے آگے اس کی ماں کے پاس جواب اور دلائل نہیں ہیں وہ سمجھ گئی تھی سو مزید سوال کرنا فضول تھا۔

"ماما ناشتہ۔۔"

کہتی وہ پلیٹ اپنے سامنے رکھ کر بیٹھ گئی۔

فاطمہ اپنی آٹھ سالہ بیٹی کو دیکھتی رہ گئی۔وہ آج بھی اچھے اور برے میں فرق نہیں کر پا رہی تھی۔وہ ابھی بھی صحیح اور غلط سمجھ نہیں پا رہی تھی۔
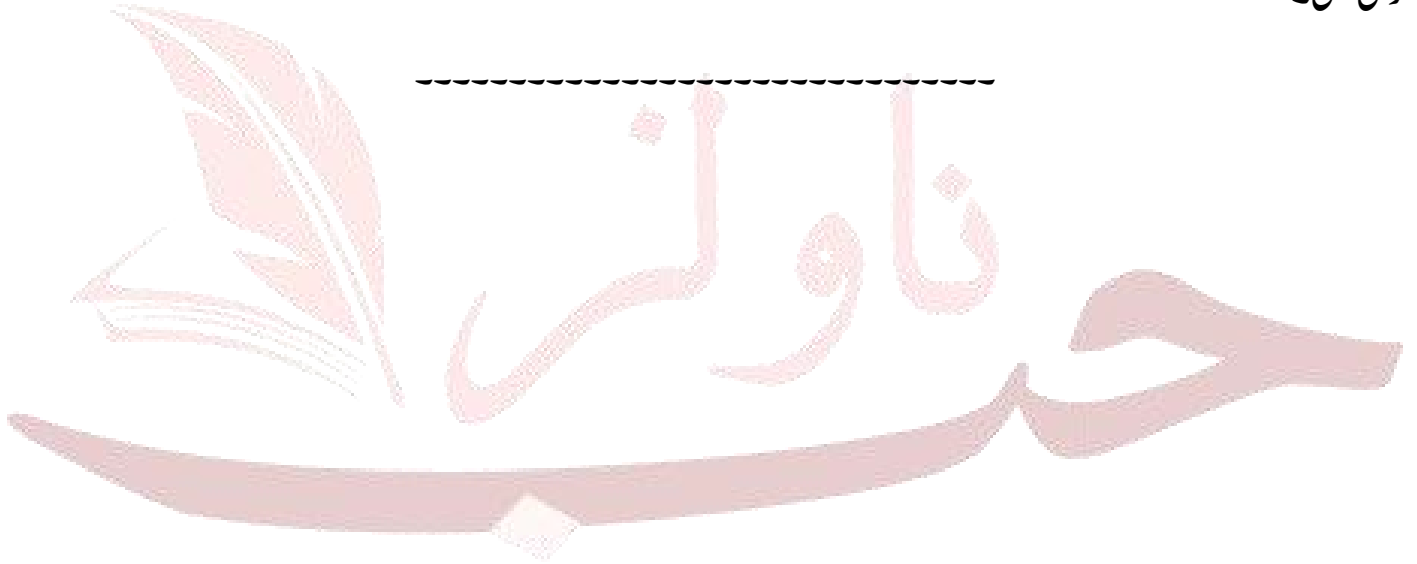
موجودہ کہانی

"خیریت آج صبح صبح ہی تیار ہو۔"

الہام صبح ہاتھ منہ دھو کر واش روم سے نکلی جب سامنے علایا کو کھڑا پا کر ٹھٹھکی۔علایا بالوں کو پونی ٹیل میں باندھ رہی تھی۔قدرتی گھنگریالے بال جو کہ پونی بننے کے بعد بھی بکھرے ہی رہتے تھے۔الہام اسے بالوں کے ساتھ تگ و دو کرتا دیکھ کر مسکرا دی پھر اس کے پیچھے آ کھڑی ہوئی اور بالوں کو پکڑ کر باندھنے لگی۔۔قد میں وہ علایا سے کچھ بڑی تھی سو علایا کے ایسے کام با آسانی کر دیتی تھی۔

"ہاں آج مجھے سعد کے ساتھ ابو کی طرف جانا ہے۔ابھی نکلوں گی تو اگلے دو تین گھنٹے تک اسلام آباد پہنچ سکوں گی۔" کہتی علایا اپنی جیکٹ کی زپ بند کر رہی تھی۔الہام نے اس کے بال باندھ کر جوڑے کی شکل میں اکھٹے کیے۔اور پھر ان پر ایک ربڑ بینڈ چڑھا دیا۔

"اچھا ر کو کافی تو پیتی جاؤ۔"الہام کافی میکر کی طرف بڑھی۔

علایا نے ٹوپی سر پر لی اور مفلر لپیٹنے لگی۔

"نہیں میں راستے میں ناستہ کر لوں گی۔تم ناشتہ کرو تسلی سے۔اور ہاں رات شاید میں لیٹ ہو جاؤں۔سو تم انتظار نہ کرنا۔"وہ کرسی کھینچ کر بیٹھی اور جوتے پہننے لگی۔

"دیر سے یاد آیا تم کل رات بھی لیٹ آئی تھی نا۔"وہ تفتیشی انداز میں بولی۔

علایا کے چلتے ہاتھ رکے تھے۔گردن پر رات والا سرد احساس ابھرا۔اس نے ایک جھرجھری لی تھی۔

"آں ہاں کچھ نہیں بس کام تھا۔۔۔۔خیر۔۔۔۔"علایا الجھتی کھڑی ہوئی۔

الہام ایک دم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی اور اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھتی بولی۔

"احمت سر بے قصور ہیں تم فکر مت کرو۔پولیس کا تو کام ہی شک کرنا ہوتا ہے۔"وہ ہلکے سے انداز میں بولی۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔پر پتا نہیں مجھے وہ شخص بہت عجیب لگتا ہے۔کیا خبر وہ اپنا کوئی جرم چھپانے دوسروں کو فریم کر رہا ہو۔"اتنی بڑی بات اتنے آرام سے کہتی علایا دروازے کی طرف چل دی۔

الہام اسکی پشت پر مسکرائی تھی۔مدھم سی مسکراہٹ۔پھر دروازہ کھلا اور بند کیا گیا۔علایا جا چکی تھی۔وہ ابھی تک مسکرا رہی تھی۔

"تم دونوں ہی ایک جیسے ہو علایا۔"

"ہمارے ٹیم لیڈر صاحب خود کیوں نہیں آئے۔وہ تو خود جانے والے تھے نا تمہارے ساتھ۔" گردن پر ہاتھ پھیرتی وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے سعد سے مخاطب ہوئی تھی۔

"پتا نہیں انہوں نے کہا کہ ہم دونوں چلے جائیں۔"

"بس ؟"

"ہاں بس اتنا ہی کہا؟" علایا نے دل ہی دل میں آرش کو منہ چڑایا تھا۔

باہر سرمئی بادلوں سے ڈھکے آسمان تلے زمین پر دھند کی دبیز تہہ موجود تھی۔علایا کھڑکی سے سر ٹکائے باہر دیکھنے لگی۔

ناچاہتے ہوئے بھی وہ بار بار رات والا واقع سوچ رہی تھی۔ہاتھ بے ساختہ پسٹل والی جگہ پر گیا تھا۔

"وہ اتنی دلیری سے ایک ساتھی آفیسر پر پستول کیسے رکھ سکتا ہے۔"

دھوپ ٹھنڈی ہونے کی وجہ سے ماحول روشنی بھی قدرے مدھم تھی۔

اس کے ماتھے کے بل اور آنکھیں۔۔۔ہاں۔۔۔۔علایا نے پہلی دفعہ اسکی سپاٹ آنکھوں میں ایک نیا تاثر دیکھا تھا۔غصے کا تاثر ۔۔۔اکتاہٹ اور بے زاری ہے۔

"میں نے انہیں مار دیا۔" جملہ اسے حفظ تھا۔

"کہیں وہ کوئی white collar criminal تو نہیں۔" علایا کا دماغ بہت رفتار سے نتائج نکال رہا تھا۔

(وائٹ کالر کریمنل ایسا شخص ہوتا ہے جو اپنے قانونی یا سرکاری عہدے کی آڑ میں جرائم کرتا ہے۔)

"سعد ایک بات بتاؤ ذرا۔کیا ایک وائٹ کالر کریمنل بے خوفی سے کسی پولیس ٹیم کا حصہ بن سکتا ہے۔" علایا نے کھوئی سی آواز میں کہا۔

"سب سے زیادہ وائٹ کالر کریمنل حکومتی اداروں میں ہی ہوتے ہیں۔" سعد نے سکون سے علایا پر انکشاف کیا تھا۔

علایا نے ایک دم چہرہ موڑ کر سعد کو دیکھا۔

"واقعی؟"

"جی واقعی۔۔۔کیوں آپکا کوئی ایسا ارادہ ہے کیا؟"

علایا کا چہرہ بگڑا تھا۔

"ڈرائیونگ پر دھیان دو۔" اس نے واپس کھڑکی سے سر ٹکا دیا۔

سوچوں کے گھوڑے اور رفتار سے دوڑنے لگے تھے۔

تقریباً گیارہ بجے کا وقت تھا۔ دھند بدستور اسلام آباد پر ڈیرے جمائے ہوئے تھی۔ علایا کے کہنے پر سعد نے گلزار احمت صاحب کے گھر سے کچھ فاصلے پر ایک خالی پلاٹ کے سامنے کار کھڑی کی۔

"لیکن ہم ان سے پوچھیں گے کیا۔" سعد نے کار سے نکلتے ہوئے کہا۔ وہاں سڑکیں اونچی نیچی تھیں۔ وہ لوگ سڑک کی ڈھلان کی طرف کھڑے تھے۔

"فی الحال تو میں ان کے اس ناول۔۔۔۔ کیا نام تھا۔ ہاں "mother" اس پر بات کرنے والی ہوں۔ کتنی مرتبہ کہا ہے کہ لکھنے سے پہلے کچھ خیال کر لیا کریں۔ گن گاڑی کے ڈیش بورڈ سے نکال کر پینٹ کی جیب میں گھسیڑی ہاتھ کو کوٹ کی جیبوں میں ڈالے، پھر تھوڑی اونچائی پر موجود گھر کی طرف چل دی۔

ایک معروف مصنف کی بے ذوق اولاد۔

سعد بھی دوڑتا علایا کے پیچھے ہو لیا۔۔ دھند اور آنکھوں میں گھستی سرد ہوا کی وجہ سے وہ دونوں صرف ایک دوسرے کو ہی دیکھ سکتے تھے۔

گھر کے سے فاصلے پر علایا ٹھٹھکی تھی۔ وہ یکدم سے مڑی۔ سعد اپنے دھیان چلتا گھر کے دروازے تک پہنچ چکا تھا۔

وہاں اس بڑی سی سوسائٹی میں اونچے اونچے بنگلوں کے درمیان کشادہ اور صاف سڑکیں تھیں۔

علایا دھند میں گھرے مخالف طرف ٹٹولتی نگاہوں سے دیکھتی آگے بڑھی۔ اچانک اس کے پیر سے کچھ ٹکرایا۔ علایا جھکی۔

وہ ایک سرمئی چمڑے کی کور والی پاکٹ ڈائری تھی۔ علایا کو لگا ہی تھا کہ یہاں سے کوئی تیز تیز چلتا گزرا تھا۔

"اب آپ کہاں چلی گئیں۔" سعد علایا کو نا پا کر جھنجھلاتا اونچی آواز میں بولا۔

علایا نے جھٹ سے ڈائری پاکٹ میں ڈالی اور سعد کی طرف آئی۔

"دروازہ آلریڈی کھلا ہوا تھا۔" سعد نے نیا انکشاف کیا۔

"واٹ۔" علایا دو قدم آگے آئی۔

وہ دروازہ اس نے ابو کی سہولت کے لیے آٹو میٹک کروایا تھا کہ وہ اندر گھر میں بیٹھے بیٹھے اسے ان لاک کر سکتے ہیں۔انہیں گھر میں اپنے علاوہ کسی ذی روح کا ہونا پسند نہیں تھا۔ حتی کہ ایک چوکیدار کا بھی۔

علایا کی چھٹی حس پھڑ پھڑائی تھی۔

وہ دروازہ دھکیلتی تقریبا بھاگتی اندر کی طرف گئی تھی۔سعد بھی پیچھے ہولیا۔

"ڈیڈ۔۔۔ڈیڈ۔۔۔۔۔دروازہ ان لاک کیوں ہے۔۔۔ڈیڈ۔۔۔" وہ چلاتی لاؤنج اور پھر کچن۔۔۔۔ایک کمرے سے دوسرے کمرے میں جھانک رہی تھی۔

"سر۔۔۔گلزار سر۔۔۔۔آپ گھر پر ہیں۔" سعد پکارتا گیسٹ روم کی طرف گیا۔اور پھر اگلے ہی پل وہ گیسٹ روم کی چوپٹ کھلے دروازے پر ٹھٹھکا۔

"علایا جی۔۔۔۔۔ادھر۔۔۔۔جلدی ادھر آئیں۔"

علایا دوڑتی گیسٹ روم کی طرف آئی۔

"ڈیڈ۔۔۔ڈیڈ۔۔۔" وہ بھی دروازے میں ہی جم سی گئی۔

سامنے صوفوں کے درمیان گلزار احمت صاحب اوندھے منہ گرے پڑے تھے۔

قالیں پر خون تھا۔سفید فر کے قالین کو لال کرتا خون۔

علایا جیسے ایک دم جاگی۔

وہ تقریبا لپکتی ان کے قریب بیٹھ کے انکی سانس چیک کرنے لگی۔

"ڈیڈ۔۔۔ڈیڈ۔"

سعد ہڑبڑاہٹ میں ایمبولینس کو فون کر رہا تھا۔

گلزار صاحب کے سر کے پچھلے حصے پر کسی بھاری چیز سے وار کیا گیا تھا۔خون گرم تھا۔مطلب یہ واقع صرف چند منٹ پہلے کا تھا۔

علایا سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن اسکی نظریں اور دماغ دھندلا رہے تھے۔کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا۔۔سامنے اپنے باپ کا خون آلودہ چہرہ گود میں رکھے اسے اپنا آپ اس وقت دنیا کا بے بس ترین محسوس ہو رہا تھا۔

علایا وہیں آپریشن روم کے باہر کھڑی مسلسل ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔ سعد اور ابراہیم بھی وہیں قریب کھڑے تھے۔ الہام کینٹین سے علایا کے لیے جوس لینے گئی تھی۔ علایا نے ہاسپٹل پہنچتے ہی سب سے پہلے الہام کو کال کی تھی۔ اور الہام کچھ دیر میں وہاں پہنچ بھی گئی تھی۔ وہ سب اس وقت اسلام آباد کے ایک بڑے ہاسپٹل میں موجود تھے۔ ہر گزرتے وقت کے ساتھ علایا کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"تم دونوں چلے جاؤ۔ میں یہی ہوں علایا کے پاس، سب کا یہاں بیٹھے رہنا ٹھیک نہیں۔" الہام نے ابراہیم اور سعد کو ایک ایک جوس کا ڈبہ پکڑاتے ہوئے کہا۔

"اٹس اوکے ہم ایٹ لیسٹ گلزار صاحب کے ہوش میں آنے تک یہاں۔۔۔" ابراہیم کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی۔

"تم دونوں کو اس وقت جائے حادثہ پر ہونا چاہیے۔" الہام نرمی سے ابراہیم کی آنکھیں میں آنکھیں ڈالتی بولی۔

وہ وہیں خاموش ہو گیا۔

"جی بلکل۔" کہتے وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے۔

الہام نے ایک مدھم مسکراہٹ کے ساتھ انہیں جاتے دیکھا پھر جوس کا آخری ڈبہ لے کر علایا کی طرف آئی۔

"علایا بیٹھ جاؤ۔ انکل بلکل ٹھیک ہیں۔ اتنی گہری چوٹ نہیں ہے کہ انھیں کچھ زیادہ نقصان نہیں۔۔۔"

"تم ڈاکٹر نہیں ہو۔" علایا نے اسکی بات کاٹی۔

"تم ایک پولیس آفیسر ہو علایا۔ تمہارے حواس اتنے باختہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ دماغ سے کام لو۔ مسئلہ جاننے کی کوشش کرو۔ حل نکالو۔" الہام اسکے بلکل سامنے کھڑی ہو گئی۔

"مجھے پتہ ہے پر۔۔۔۔۔۔"

اچانک آپریشن روم کا دروازہ کھلا اور دو ڈاکٹر چہرے سے ماسک اتارتے باہر آئے۔

"مسٹر گلزار کے گارڈینیز۔۔۔۔"

"میں ہوں۔ وہ ٹھیک تو ہیں نا۔" علایا ڈاکٹر کی طرف لپکی۔

"جی وہ خطرے کی حالت سے باہر ہیں۔ لیکن۔"

"لیکن۔" علایا عجلت میں بولی۔

"شاید انکی شارٹ ٹرم میموری میں کچھ گڑبڑی کا خدشہ ہے۔ شاید وہ کچھ ریسینٹ کے واقعات بھول جائیں۔"

"کیا میں ان سے مل سکتی ہوں؟"

"جی ابھی ابھی انہیں وارڈ میں شفٹ کر دیا جائے گا پھر آپ ان سے مل لیجئے گا۔" ڈاکٹر کہتے دستانے اتارتے راہداری کی طرف چل دیئے۔

"دیکھا میں نے کہا تھا کہ کچھ نہیں ہو گا۔" الہام نے جوس علایا کے سامنے کیا۔

"اب کچھ پی لو تاکہ ڈھنگ سے ان سے بات کر سکو۔"

سوچوں میں ڈوبی علایا نے نا سمجھی میں جوس پکڑا اور پینے لگی۔

الہام اور علایا قریب ہی صوفے پر بیٹھی تھیں۔ جب اچانک گلزار صاحب کراہتے ہوئے جاگے۔

"ڈیڈ۔۔۔" علایا جھپٹتی ان کے سر پر پہنچ گئی۔

"آہ ہاں علایا۔۔۔" وہ نقاہت سے بولے۔

"کتنی مرتبہ۔۔۔ کتنی مرتبہ کہا ہے ایک عدد سیکورٹی گارڈ رکھ لیں۔ پر نہیں۔ آپ تو ہیں مہان۔ آپ کو تو کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ کتنی دفعہ کہا ہے وہاں ایبٹ آباد آجائیں پر نہیں۔ آپکی تو رائٹنگ میں خلل پڑتا ہے۔"

"علایا۔" الہام نے علایا کو بازو سے پیچھے کیا اور گھورا۔

"کیا ہو گیا ہے وہ ابھی تو ہوش میں آئے ہیں۔"

"ہونہہ یہ سب میری بات نہ ماننے کا نتیجہ ہے۔" علایا غصے میں ہاتھ باندھے رخ پھیر کر کھڑی ہو گئی۔

"انکل آپکو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔" الہام آہستگی سے کہتی گلزار صاحب کی چادر ٹھیک کرنے لگی۔

"اس بدتمیز کو لے جاؤ یہاں سے۔" کہتے وہ بھی منہ پھیر کر لیٹ گئے۔

"جا رہی ہوں۔ ہونہہ مجھے بھی کوئی شوق نہیں آپ کے سرہانے بیٹھنے کا۔"

"اُف۔۔۔۔" الہام بیچ میں ماتھا پیٹ کر رہ گئی۔ ان دونوں کا بچپنا کبھی ختم نہیں ہونا تھا۔

"انکل آپکو کچھ یاد ہے۔ آج صبح کیا ہوا تھا آپ کے ساتھ۔" علایا کو چھوڑتی الہام واپس گلزار صاحب کی طرف متوجہ ہوئی۔

"ہاں۔۔۔۔ آج صبح۔۔۔" علایا کے یک دم کان کھڑے ہوئے۔

"آج صبح۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔ آج صبح میں قہوہ پیتا لان میں بیٹھا اپنا ناول پر کام کر رہا تھا۔ اور پھر۔۔۔۔ پھر۔۔۔"

"پھر آپ زخمی حالت میں گیسٹ روم سے ملے تھے۔" علایا دوسری طرف سے بولی۔

"ہاں مجھے یاد نہیں آرہا کہ لان میں تھا پھر۔۔۔"

گلزار صاحب سوچتے دماغ پر زور ڈالنے لگے۔

"کیا آپ سے کوئی ملنے آنے والا تھا۔؟" الہام نے اگلا سوال کیا۔

چونکہ علایا نے الہام کو گلزار صاحب کا اٹارنی بننے کا کہا تھا تاکہ وہ اس کیس کو مزید پروسیڈ کر سکیں۔ سو الہام کو اس وقت پر سب سوال کرنے پڑ رہے تھے۔

"مجھے واقعی یاد نہیں آرہا۔۔۔"

"میں نے سرمد کو فون کال ہسٹری نکلوانے کو کہا ہے۔ شاید کچھ معلوم ہو جائے۔" علایا نے وہیں سے روٹھے لہجے میں کہا۔

"اب آپکو آرام کرنا چاہیے۔ ابھی کچھ ہی دیر میں پولیس آپکی اسٹیٹمنٹ لینے آئی گی۔ میں انہیں سنبھال لوں گی۔" الہام کہتی انکا ہاتھ تھپکتی علایا کی طرف مڑی۔

"چلیں علایا۔"

علایا نے ایک ناراضگی بھری نظر آنکھیں موندھے لیٹے گلزار صاحب پر ڈالی پھر پیر پٹختی باہر نکل گئی۔

"میں تو انہیں ویسے ہی بیوقوف لگتی ہوں۔"

وہ دونوں ویٹنگ ایریا میں تھیں۔ الہام ابھی ابھی کوئی کال سن کر آئی تھی۔ خود ہی خود میں بڑبڑاتی علایا کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"رات ہو گئی ہے علایا تم جانا چاہتی ہو؟"

"نہیں میں یہیں ہوں۔ ہاں تم چلی جاؤ۔ تمہیں صبح عدالت بھی جانا ہے۔"

"میں اکیلی کیوں جاؤں گی بھلا۔۔۔ میں یہیں ہوں۔" الہام اپنی جیکٹ کی زپ کھولتی علایا کے برابر میں بیٹھ گئی۔

"اف میرا سر۔" کنپٹیاں مسلتی علایا بولی تھی۔

"تم سو جاؤ۔ زیادہ دیر جاگو گی تو بیمار پڑ جاؤ گی۔" الہام نے اسکا سر پکڑ کر اپنے کندھے سے لگا لیا۔

علایا تو جیسے بس لفظ "نیند" سننے کی دیر میں تھی۔ فوراً الہام کے بازو سے لپٹ گئی۔

الہام ہنس دی۔

وہاں ہاسپٹل کے ویٹنگ ایریا میں ایک آدھ جلتے بلب کی مدھم روشنی اندھیرے کو ہرانے کی کوشش کر رہی تھی۔ روشنی قدرے مدھم تھی پر اتنی تھی کہ آرام سے ایک دوسرے کو دیکھا اور پہچانا جا سکے۔ وہاں ویٹنگ ایریا میں قطار سے لگے بینچوں اور کرسیوں پر فاصلے فاصلے سے مریضوں کے رشتے دار کہیں اونگھ رہے تھے اور کہیں کوئی تسبیح لیے آنکھیں موندھے اپنے پیاروں کی صحت یابی کی دعا کر رہے تھے۔

متوازن سے چال چلتا وہ ریسپشن ایریا سے مدھم روشنی میں خاموش پڑے ویٹنگ ایریا میں آیا۔

متلاشی سی نگاہوں سے وہ ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کہ اچانک۔۔۔

"آرش۔۔۔" مدھم سی آواز اسکی پشت پر ابھری تھی۔

وہ یکدم مڑا۔

وہاں ہاتھوں میں چند ہاٹ پیکس پکڑے سادے سے کپڑوں پر سیاہ جیکٹ پہنے الہام اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

وہ واپس مڑنے لگا تھا کہ۔

"تم گلزار صاحب سے ملنے آئے ہو۔"

وہ الہام کے "تم" کہنے پر ٹھٹھکا۔ پھر یکدم سے الہام کی طرف مڑا۔

"کیا ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟"

الہام کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرایا تھا۔

"تم آج بھی ویسے ہی ہو۔" وہ کہتی مسکرا دی۔

آرش کے ماتھے پر بل ابھرے۔

"ابھی تو انکل سو رہے ہیں۔ تم چاہو تو انتظار کر لو یا کل مل لینا۔"

"علایا یہاں ہے؟" وہ یکدم سے بولا تھا۔

الہام لمحے بھر کو ٹھٹھکی۔

"تم علایا سے ملنے آئے ہو؟" الہام اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہی تھی۔

آرش کو لگا جیسے وہ اسکے دماغ میں گھس رہی تھی۔

"نہیں مجھے کچھ ضروری بات کرنی تھی۔ میں بعد میں دیکھ لوں گا۔" وہ بات بدلتا پلٹ گیا۔

اسے سخت نفرت تھی جب کوئی اسکے دماغ میں گھسنے کی کوشش کرتا تھا۔

اسکی آنکھوں میں گرتی الہام کی آنکھیں، وہ چلتے چلتے یکدم ٹھہرا تھا۔

وہ آنکھیں۔۔۔

اسے لگاوہ آنکھیں کہیں ہیں۔۔۔۔ کہیں بہت پیچھے اسکے ماضی میں۔۔۔وہ آنکھیں پہلے بھی یوں ہی اسکے دماغ میں گھستی رہی ہیں۔

پر کب؟

اسے اپنی کلین شیو کی تھوڑی سے مصنوعی بال نوچنے کی عادت تھی۔ابھی بھی سوچتا وہ مصنوعی بال نوچتا ذرا سا مڑا اور ترچھی نگاہوں سے پیچھے دیکھا جہاں الہام کھڑی تھی۔وہ جا چکی تھی۔

اپنی سوچ کو جھٹکتا وہ بھی واپس اپنی راہ چل دیا۔

گلزار صاحب کے ڈسچارج ہونے کے پانچ دن بعد آج وہ انوسٹیگیشن ڈیپارٹمنٹ آئی تھی۔ صبح صادق کا وقت تھا۔اس وقت وہاں آرش کے سوا کوئی نہیں ہو گا۔ وہ جانتی تھی۔ آفس کے دروازے کے باہر رک کر اس نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔دونوں ہاتھ کوٹ کی جیب میں تھے۔اونی ٹوپی کے تلے منہ کے گرد مفلر لپیٹ رکھا تھا۔

کچھ لمحے یونہی گزر گئے۔ پھر وہ ہمت کرتی شیشے کا دروازہ دھکیلتی اندر چلی گئی۔

آرش اپنے ڈیسک پر لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔علایا کی طرف اسکی پشت تھی۔وہ لمحے بھر کر رکا ضرور تھا لیکن مڑا نہیں اور پھر واپس کام کرنے لگا۔

اگلے پل وہ آرش کے سر پر موجود تھی۔

"تم اس دن ہم سے پہلے ابو کے گھر گئے تھے رائٹ؟" وہ غصے میں بہت جلد تم پر اتر آئی تھی۔

دوسری طرف سے انکار موصول نہیں ہوا تھا۔

"تم نے ابو کو سسپیکٹ بنایا تا کہ تم انہیں جان سے مار سکو۔" علایا استہزائیہ سی ہنستی بول رہی تھی۔

آرش کی لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر چلتی انگلیاں رکی۔اسکی شخصیت کا خاصہ،اسکے ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو۔ تمہیں لگتا ہے ایک انویسٹیگیٹر بن کہ تم کھلے عام پھر سکتے ہو۔فی الحال تم مجھے صرف یہ بتاؤ کہ اس دن تم ابو کے گھر کیوں گے؟" آخری جملہ بولتے ہوئے علایا کی آواز قدرے بلند ہو چکی تھی۔

آرش نے ریوالونگ چیئر گھمائی اور رخ علایا کی طرف کر لیا۔ بیزار سا چہرہ لیے وہ علایا کو ہی دیکھ رہا تھا۔ سامنے والے کو حقیر اور بیوقوف ثابت کرنے جیسا تاثر۔۔

"آپکو مجھ سے کچھ کام ہے مس علایا؟" اسکا سکوت بھی بلا کا تھا۔

علایا نے مٹھیاں بھینچی تھی۔

آرش کی آنکھوں میں موجود سکوت دیکھ کر پل بھر کو علایا کو اپنی موجودگی بے معنی سی لگی تھی۔ وہ بغیر کچھ کہے بھی سامنے والے کو دنیا کا سب سے بیوقوف انسان ثابت کر سکتا تھا۔ ابھی ابھی وہ یہی کر رہا تھا۔

اگلے کچھ لمحوں میں آرش کی ٹرٹل نیک علایا کی مٹھی میں بھنچی تھی۔

علایا کا چہرہ اسکے قدرے قریب آ چکا تھا۔

"تم وہ ہو نہیں جو دکھتے ہو۔ مسٹر آرش ارمغان۔۔۔۔"

علایا کی مضطرب آنکھیں، آرش کی پر سکون آنکھوں میں گڑی تھیں۔

"اور تمہیں کیوں لگا کہ تم مجھ تک پہنچ سکتی ہو؟" وہ اسکا معمول کا لہجا نہیں تھا۔

اسکا سکوت۔۔۔۔ اسکے لفظوں میں ابھی بھی کوئی لغزش نہیں تھی، ماتھے کے بل بھی غائب ہو چکے تھے۔

لیکن اسکے "تم" کہنے پر علایا کے جسم میں ایک سنسنی سی ضرور دوڑی تھی۔

لیکن پھر بھی خود کو کمپوز کرتی علایا سیدھی ہوئی تھی۔ ہاتھ کوٹ کی جیب میں گیا۔ جیب سے ایک چھوٹی سی چیز اسکے ہاتھ میں منتقل ہوئی۔

اور پھر کچھ تھا جو آرش کی نگاہوں کے سامنے لہرایا گیا تھا۔

لمحوں کے اندر آرش کے تاثرات بدلے تھے۔ کچھ دیر وہ اس چیز کو دیکھے گیا۔ پھر آہستگی سے چہرہ ہلائے بغیر نگاہیں اس چیز کے پیچھے سے جھانکتی علایا کی طرف گئیں۔

وہ مسکرائی تھی۔

اس سرمئی چمڑے کی جلد والی پاکٹ سائز ڈائری کے عقب سے وہ استہزائیہ مسکرائی تھی۔

دو دن قبل

آج گلزار صاحب کوڈسچارج ہوئے دودن ہوئے تھے۔ابو کو گھر چھوڑ کر وہ اپنے اور گلزار صاحب کے کچھ کپڑے اور دوسرا لانڈری کا سامان لیے وہاں سوسائٹی کی سیلف لانڈری شاپ میں آئی تھی۔تقریبا عصر کے قریب کا وقت تھا۔گلزار صاحب کے لیے ایک عدد نرس انکے گھر آچکی تھی۔

سست روئی سے سیلف لانڈری شاپ کا دروازہ دھکیلتی وہ اندر داخل ہوئی۔وہاں اکادکا لوگ موجود تھے۔جو کہ اپنے کپڑے مشینوں میں ڈالے انتظار کر رہے تھے۔

شاپ کے باہر ایک اور سست اور سرد ترین دن ڈھل رہا تھا۔علایا نے سست روئی سے کپڑے لانڈری بیگ سے نکالے اور مشین میں ڈالنے لگی۔۔ایک ایک کپڑا کھنگالتی وہ مشین کی ونڈو سے اندر ڈالے جا رہی تھی۔کہ اچانک کچھ گرا۔علایا نے ٹھٹھکتے ہوئے دیکھا۔ وہاں اسکے پاؤں کے قریب ایک چھوٹی سی پاکٹ سائز سرمئی جلد والی ڈائری ،اسکے ہاتھ میں پکڑے کپڑوں سے نکل کر گری تھی۔وہی ڈائری جو اسے گلزار صاحب کے گھر کے باہر ملی تھی۔علایا نے جھپٹ کو اسے اٹھایا۔وہ اس ڈائری کو تو اس دن کے بعد سے یکسر بھول ہی چکی تھی۔

علایا نے جلدی جلدی کپڑے مشین میں ڈال کر مشین چالو کی اور خود ڈائری اور لانڈری بیگ لیے ایک طرف لگی کرسیوں پر سے ایک کرسی پر آبیٹھی۔بیگ ساتھ والی خالی کرسی پر رکھا۔گردن پ کے گرد لپٹا مفلر کچھ اور ناک پر چڑھالیا۔لانڈری شاپ میں ہیٹر نا ہونے کی وجہ سے سردی بھی اچھی خاصی تھی۔

اگلے کچھ پل علایا ڈائری ٹٹول رہی تھی۔اس پر چڑھا بینڈ جو کہ ڈائری کے بیک سائڈ سے ہی نتھی تھا،اتار رہی تھی۔ڈائری کا پہلا صفحہ کھولا۔دوسرا اور پھر تیسرا۔۔۔

وہاں بہت سے نام تھے۔سین تھے۔کہیں کچھ کاٹا گیا تھا۔کہیں کچھ ایڈ کیا گیا تھا۔آڑے ترچھے باکسز اور لکیریں وہ جانتی تھی وہ سب لنکس تھے۔کوئی پزل بورڈ پورا کیا جا رہا تھا۔کہیں کہیں کچھ ٹوٹی پھوٹی سی یادیں لکھی تھیں۔مختلف تاریخیں اور کردار۔۔۔۔

وہیں ان لفظوں میں اسے اپنے ابو کا نام بھی ملا تھا۔مطلب کھوج ابھی بیچ میں تھی۔علایا عجلت میں خالی صفحے پلٹی گئی۔اور پھر وہ آخری صفحے پر رکی۔آہستگی سے اسے پلٹا۔

صفحے کے بعد ڈائری کا کور تھا جس پر ایک طرف چھوٹا سا "آرش ارمغان" لکھا تھا۔

"کیا وہ آرش تھا؟"

وہ پورے وثوق سے بات نہیں کر رہی تھی۔

وہ ڈائری آرش کی نظروں کے سامنے لہرا کر اپنا شک حقیقت میں بدلنا چاہ رہی تھی۔اور وہی ہوا۔

ڈائری کو دیکھتے ہی آرش کے بدلتے تاثرات نے علایا کے آخری سوال کا جواب بھی دے دیا تھا۔

"وہ آرش ہی تھا۔"

آرش نے کسی بجلی کی تیزی سے وہ ڈائری علایا کے ہاتھوں سے جھپٹی تھی۔

کوئی اسکی اس ڈائری کو ہاتھ لگائے یہ آرش کے لیے کوئی زندگی موت جیسا سوال تھا۔اور علایا وہ اس وقت کسی دیدہ دلیری سے اسے لیے کھڑی تھی۔

"میں نے یہ ڈائری پڑھی ہے۔"

اگلی بات پر آرش نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے علایا کو دیکھا تھا۔ جیسے کچھ کھل گیا ہو۔۔۔۔۔۔اسکا راز۔۔۔۔۔۔بلکے اسکے راز۔۔۔۔۔جیسے وہ مکمل کپڑے چھین کر جلتی دھوپ میں کھڑا کر دیا گیا ہو۔

علایا نے آج اسکے چہرے پر ایک نیا تاثر دیکھا تھا۔

"مجھے پورا یقین ہے کہ میں ایک دن تمہاری اصلیت کا پتا لگا ہی لوں گی۔ایک دن ان سب کو پتہ چل جائے گا کہ تم انسان نہیں بلکہ انسان کے روپ میں ایک مانسٹر ہو۔نا جانے تم آج تک کتنے لوگوں کو بے دردی سے مارتے رہے ہو گے۔ تم جیسے بے حس سائیکو پاتھ کے لیے تو یہ کوئی بڑی بات ہے بھی نہیں۔"

غصے سے سرخ ہوتی آنکھوں کے ساتھ علایا ایک ایک لفظ چباتی بول رہی تھی۔اور آرش،۔۔

"مانسٹر۔"

آرش اسی ایک لفظ پر فریز ہو گیا۔اسکا بھاری بھر کم مردانہ ہاتھ بولتی علایا کی گردن پر گیا تھا۔

اس اچانک سی آفت پر علایا ایک دم چپ ہوئی۔آرش کا ہاتھ خود بخود اسکی گردن پر زور ڈال رہا تھا۔وہ خود پر کنٹرول کھو رہا تھا۔

اُسے سامنے کھانستی اور آرش کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش کرتی علایا، سخت زہر لگ رہی تھی۔

(مانسٹر)

اگلے کچھ لمحوں میں علایا کی آنکھیں اُبل رہی تھیں۔اسکے گلے سے تکلیف دہ آوازیں برآمد ہونے لگیں۔کمزور پڑتی کوشش کے ساتھ ،علایا کے ہاتھ اسکے پہلو میں جا گرے اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔

(مانسٹر)

وہ بہت خاموشی سے علایا کی سانسیں چھین چکا تھا۔

"مانسٹر۔۔۔مانسٹر۔۔۔مانسٹر!"

"مانسٹر۔۔۔۔۔مانسٹر۔۔۔۔۔۔۔مانسٹر۔۔۔۔۔"

اسکے کانوں میں چلایا جارہا تھا۔ وہ جیسے کسی ٹرانس سے جاگا۔ کسی خواب سے۔۔۔

پہلو میں گرے ہاتھوں کو اٹھا کر الٹا پلٹا دیکھا۔ وہ سامنے کھڑی تھی۔ ویسے ہی بولتی جارہی تھی۔

"تمہیں حق نہیں ہے کسی پر مانسٹر کا ٹیگ لگانے کا۔" وہ واپس اپنے پر سکوت تاثر میں واپس آچکا تھا۔

ڈائری جیب میں ڈالتا وہ واپس رخ پھیر کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"میری ایک بات لکھ کر رکھ لو انسپکٹر آرش۔" علایا نے دھم سے ہاتھ آرش کے ڈیسک پر رکھا۔

"یہاں یا تو تم رہنے والے ہو۔۔۔یا میں۔۔۔اور میں بہت جلد ثابت کردوں گی کہ تمہاری اصلی جگہ کیا ہونی چاہیے۔ یہ آفس نہیں بلکہ ایک بوسیدہ سی تاریک جیل۔"

آرش اسے مکمل اگنور کرتا لیپ ٹاپ پر مصروف ہو گیا۔

علایا کہتی وہاں سے مڑ گئی۔ اس شخص کی موجودگی میں مزید یہاں کام کرنا علایا کے لیے ناممکن سی بات ہوتی جارہی تھی۔

وہ جاچکی تھی لیکن آرش۔۔۔

"مانسٹر۔۔۔۔مانسٹر۔۔۔۔۔۔۔مانسٹر۔۔۔"

آرش مسلسل ایک ہی بھنور میں گھوم رہا تھا۔

گردن موڑ کر ایک نگاہ اٹھا کر جاتی علایا کو دیکھا۔ سر جھٹکا۔

"اسے لگا وہ اتنی آسانی سے میری بنیادیں ہلا سکتی ہے؟"

خود کو کمپوز کرتا وہ واپس اپنے کام میں مصروف ہو چکا تھا۔

"ناجانے ان انسانوں کو لوگوں کی پرائیوسی میں گھسنے کا اتنا شوق کیوں ہوتا ہے۔" اکتاہٹ سے کہتے آرش وہاں ہمدانی صاحب کے وسیع کلینک میں ایک طرف پڑے صوفے پر دراز سا بیٹھا تھا۔

ہاتھ میں وہی سرمئی ڈائری پکڑ رکھی تھی۔

"احمت صاحب سے بات ہو گئی تمہاری؟"

ڈاکٹر ہمدانی وہیں اپنی کرسی پر بیٹھے بیٹھے بولے۔

"ہاں گیا تھا ملنے لیکن سب ایک دم سے بہت الٹ پلٹ ہو گیا ہے۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ ہر وہ بات جس پر میں یقین نہیں کرنا چاہتا پورے دلائل کے ساتھ میرے سامنے آن کھڑی ہوتی ہیں۔ میرے وہاں سے نکلنے کے بعد ان پر حملہ ہوا۔ قاتلانہ حملہ۔۔۔۔۔اور میری ڈائری انکے گھر کے باہر گر گئی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" آرش کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ

"اور احمت گلزار صاحب کی ڈیٹکٹیو بیٹی تم پر شک کر رہی ہے۔" ڈاکٹر ہمدانی صاحب نے بات مکمل کی۔

"لیکن مجھے فرق نہیں پڑتا۔ میرے مسئلے اس سے بڑے ہیں۔"

ہمدانی صاحب زیر لب ہنس رہے تھے۔

"کیا میرے بچپن میں کوئی دوست تھے؟" وہ ایک دم بولا۔

"جب سے میں تمہیں جانتا ہوں تم نے کبھی دوست نہیں بنائے۔"

"کوئی لڑکی۔۔۔۔۔الہام نامی کوئی لڑکی۔" آرش اٹکتے ہوئے بولا۔

ہمدانی صاحب نے کندھے اچکا دیئے۔

"میرا کوئی بہن بھائی تو تھا نہیں رائٹ؟" آرش نے ایک اور الجھتا سوال کیا۔ اپنی یاداشت کے بارے میں وہ ایسے ہی مشکوک تھا۔ اسے اپنی ٹوٹی پھوٹی یاداشت پر کبھی مکمل یقین نہیں تھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔پر تم اتنا کیا کریدنا چاہ رہے ہو؟"

آرش کچھ دیر تو منہ اٹھا کر ہمدانی صاحب کا چہرہ دیکھتا رہا۔

"کوئی تو ہونا چاہیے۔ اس لوری کے سوا۔۔۔اس سیاہی کے سوا اور ان خون میں رنگے ہاتھوں کے سوا کچھ تو ہونا چاہیے میری بچپن کی یادوں میں۔ حتی کہ مجھے اپنے یتیم خانے میں گزارے دن بھی یاد نہیں۔"

"تم چاہو تو ایک دفعہ اس یتیم خانے کا ریکارڈ چیک کر لو۔ یا خود وہاں گھوم آؤ۔ شاید تمہیں کچھ یاد آجائے۔" آرش نے تھکے سے انداز میں اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"اب مجھے چلنا چاہیے۔" کہتا وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ جا رہا تھا جب اسکی پشت پر ہمدانی صاحب کے الفاظ ابھرے۔

"تمہیں عام انسانوں میں عام بن کر رہنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پتا ہے آج تک لوگوں نے سائیکو پیتھ صرف جیل کی سلاخوں پیچھے ہی دیکھے ہیں۔ سوانکے لیے انکے درمیان ایک سائیکو پیتھ کا بیٹھا ہونا کسی ہو جیسا ہے۔"

آرش مڑا۔

"آپ چاہتے ہیں کہ میں ایکٹنگ کروں۔"

"ٹھیک ہے تم مکمل سائیکو پیتھ نہیں پر تم میں سائیکو پیتھی موجود تو ہے نہ۔ تم مکمل کلیئر نہیں پر مکمل ان کلیئر بھی نہیں ہو۔ سو کوشش کرو لوگوں کو بلاوجہ بدگمان مت کرو۔"

"اب انسانوں میں عقل کی کمی ہے تو میں کیا کروں۔" وہی ہمیشہ سا ایروگینٹ سا لہجہ۔۔۔۔

"تم بس یہ کرو کہ تم خود کو بھی انسان ماننا شروع کر دو۔ اور انسانوں کو انسان ہونے کا مارجن دینا شروع کر دو۔ خیر جانے دو۔ تم تھک گئے ہو گئے۔ گھر جا کے آرام کرو۔" ہمدانی صاحب نے ہاتھ جھلاتے ہوئے اسے جانے کا اشارہ کیا۔

اسلام آباد سے وہ سیدھا سید پور آیا تھا۔ سارے راستے وہ اپنے اندر کی دھند میں گڈمڈ رہا تھا۔ گاڑی گیراج میں کھڑی کی پھر گھر سے دروازے کی طرف جانے لگا جب وہ ایک دم سے ٹھٹھکا۔ دروازے کی قریب کچھ پڑا تھا۔ جو اسکے پیر سے ٹکرایا تھا۔ دروازے کا بلب خراب تھا۔ وہ اندھیرے میں ہی ٹٹولتا وہ ڈبا ڈھونڈنے لگا۔ ڈبہ اسکے ہاتھ لگ گیا۔

چھوٹا سا اسکے ہاتھ جتنا ڈبہ۔۔۔۔ شاید کوئی پارسل تھا۔ پر اس نے تو آج تک کسی کو یہاں کا پتہ نہیں دیا۔ ڈبہ الٹ پلٹ کر دیکھا۔۔۔ ایک اور مسٹری باکس۔۔

ناگوار سا تاثر لیے وہ دروازہ کھولتا اندر داخل ہو گیا۔

کوٹ اور مفلر اسٹینڈ پر لٹکایا۔ لائٹس آن کرتا کچن میں ہی آ بیٹھا۔ کچھ دیر وہ سامنے میز پر رکھے اس چھوٹے سی ڈبے کو گھورتا رہا۔ پھر کچھ دیر سوچتا اسے کھولنے لگا۔

خاکی کوور نگ اتار کر اندر ایک سیاہ ڈبہ تھا جیسے کسی فون کا ڈبہ ہو۔اور اندر ایک چھوٹا سا سفید کارڈ تھا۔پچھلی طرف تو صاف سفید تھی۔آرش نے کارڈ اٹھا کر پلٹا۔اگلے پل وہ ٹھٹھکا تھا۔

"اوہ تو یہ اتفاق نہیں تھا۔"

اسے یاد ہے انگلینڈ میں بھی اسے ایسا ہی ایک کارڈ ملا تھا۔ویسا ہی ایک اور کارڈ اسکے سامنے موجود تھا۔

کارڈ کی دوسری طرف ایک عدد سفید خرگوش کا چہرہ بنا تھا جسکی آنکھوں سے خون بہہ رہا تھا اور ساتھ ہی Horizontal way میں Remember me لکھا تھا۔

ناوہ تب اس کارڈ کا مقصد سمجھ پایا تھا اور نا اب۔۔۔۔

آرش نے کارڈ اور ڈبہ واپس میز پر اچھال دیا۔کبھی کبھی اسے اپنے بچپن بھولی یادیں واپس آنے سے خوف آتا تھا۔

یقیناً کچھ بہت غلط ہے کچھ بہت سنگین۔۔۔۔اوپر سے یہ کارڈ۔۔۔۔۔

پرسکون سے بیٹھے آرش نے ایک دم جھٹکے سے اپنے بال پکڑ لیے اور مٹھیوں میں بھینچنے لگا۔آنکھیں غصے سے سرخ ہونے لگی تھیں۔کیونکہ بے بسی میں اسے صرف غصہ ہی آتا تھا صرف غصہ۔۔۔۔۔

Oh my child

Please don't weep

وہ ایک دم سے جیسے جاگا۔وہاں کچن سے نظر آتا اسکا بچپن کا کمرہ۔۔۔۔اور وہاں ساتھ رکھی کرسی۔۔۔۔کمرے کے ذرا کھلے دروازے سے وہ بیڈ پر کمبل میں گھسا روتا بچہ دیکھ سکتا تھا۔وہاں۔۔۔۔۔وہاں۔۔۔۔

اسی کرسی پر ایک عورت بیٹھی تھی۔ہاں وہ اسکی ماں ہی تھی۔اور وہ اس بچے کے لیے لوری پڑھ رہی تھی۔

آرش کا جیسے سانس بند ہونے لگا۔وہ تیز تیز سانس لیتا کھڑا ہوا۔ایسا ہی ہوتا تھا جب اسے اپنے ماضی کا کوئی حصہ یاد آتا تھا تو یوں ہی اسکی بے چینی بڑھ جاتی تھی۔

پھیلی آنکھوں سے وہ سیاہ جوڑے میں ملبوس لمبے گھنے بال پشت پر گرائے،گہری لال لپ اسٹک میں دیوار سے سر ٹکائے لوری گنگناتی عورت کو دیکھ رہا تھا۔اگلے ہی پل اس عورت نے چہرہ موڑا اور آرش کی طرف دیکھا۔

کیا وہ اسے دیکھ رہی تھیں؟

وہ جہاں کھڑا تھا وہیں جم گیا۔

As a adult,so hard you are trying

But soon you'll realize

That you are as same

As same as i

وہ مسکرا رہی تھیں۔

آرش کے ماتھے پر بل ابھرے۔

"میں آپ کے جیسا نہیں ہوں۔" وہ استہزائیہ سا ہنستا بڑبڑایا۔

جواباً وہ بھی مسکرائیں گویا اسے چیلنج کر رہی ہوں کہ ثابت کر دو کہ تم میرے جیسے نہیں ہو۔

آرش غصے سے انکی جانب لپکا اور انکی گردن میں اپنے ہاتھ گاڑ دیئے اور پوری طاقت سے انکی گردن دبانے لگا۔ دوسری طرف کوئی اثر نہیں تھا۔ وہ بس مسکرانے لگیں۔۔۔۔تزحیکا۔۔۔۔ جیسے کہ کہہ رہی ہوں کہ

"کہا تھا نا کہ تم بھی میرے جیسے ہی ہو۔"

آرش چلایا۔۔۔۔

اور پھر چلایا۔۔۔۔۔

اور پھر چلاتے چلاتے وہیں کرسی کے قریب بیٹھ گیا۔ اور خالی کرسی پر سر رکھ کر آنکھیں موندھ لیں۔ اتھل پتھل سانسوں کے ساتھ اسکی آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔

یہاں واپس آنے پر اسے یہ سب دیکھنا پڑے گا اتنا تو وہ جانتا تھا۔ پر۔۔۔ پر ابھی تو آغاز ہے، اسکی ہمت آغاز پہ ہی کیوں جواب دینے لگی تھی۔

دن بھر سفر کرتا وہ ویسے بھی تھک چکا تھا۔ وہیں خالی کرسی پر سر رکھے کب اسکی آنکھ لگی اسے معلوم نہیں تھا۔ باہر برف باری اپنے معمول پر تھی۔

اندر اب بلا کا سناٹا تھا۔

دور کہیں فجر کی اذانوں کی آوازیں آرہی تھیں جب وہ ایک دم سے جاگا۔ سید پور میں آبادی کچھ خاص نہیں تھی۔ خاموش فضا میں اذانیں دور تک سنائی دے جاتی تھیں۔ یہ گھر گاؤں سے بلکل باہر تھا۔ الگ تھلگ سا۔۔۔

سیدھے ہوتے ہوئے گردن میں درد کی لہر دوڑی۔ وہ کراہتا، گردن مسلتا کھڑا ہوا۔

کچھ ہوش آیا تو ٹھنڈ محسوس ہوئی۔ پہلا کام اس نے ہیٹر آن کرنے کا کیا اور خود فریش ہونے چلا گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر خوب برف باری ہوئی تھی۔

فریش ہو کر وہ کچن میں آیا اور ہلکا پھلکا سا ناشتہ تیار کرنے لگا۔ دن نکلنے سے پہلے وہ ایبٹ آباد کے لیے نکل جانا چاہتا تھا۔ ناشتہ کرتے ہوئے وہ گلزار صاحب سے ہوئی ملاقات کے بارے میں سوچنے لگا۔

("اوہ تو تم ہو وہ آرش نامی گلہری۔۔۔" گلزار صاحب قہوے کا کپ میز پر رکھتے ہوئے بولے۔

آرش نے ایک دم سر اٹھا کر انہیں حیرت سے دیکھا۔

گلزار صاحب ذرا ٹھہرے۔

"کیوں؟ کیا تمہیں وہ انسان بلاتی ہے؟"

"نہیں" آرش کہتا واپس سیدھا ہوا۔

گلزار صاحب ہنس دیئے۔

"دراصل بچپن سے اسے گلہریوں سے چڑ ہے۔ جب وہ چھوٹی تھی تو گلہریاں اسکے کمرے کی کھڑکیوں سے جھانکتی درخت کی ٹہنی سے اسکے کمرے میں آجاتی تھیں اور اسکی چیزوں میں گھس جاتی تھیں۔ بس تب سے ہی ان گلہریوں کو کوستے کوستے ہر Annoying person بھی اسکے لیے گلہری ہو گیا ہے۔"

گلزار صاحب کی عزت میں آرش اثبات میں سر ہلاتا مدھم سا مسکرا دیا۔

"ہاں کہو کیا بات کرنے آئے تھے؟" اپنا قہوے کا کپ پکڑے وہ سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔

اور عینک کی اوٹ سے جھانکتے آرش کی طرف متوجہ ہوئے۔

"آپ کی یاداشت میں کہیں ارمغان التمش نامی موجود ہو گا، رائٹ؟"

"ارمغان التمش۔۔۔۔ ہم م م م۔۔۔" احمت گلزار صاحب سوچنے لگے۔

"آپ نے اپنے ایک بیسٹ سیلر ناول کے Search work کے دوران ان سے مدد لی تھی۔پر سنیلیبٹی ڈس آرڈر اور سائیکو پیتھی پر۔"آرش نے مزید وضاحت دی۔

"ہم م م۔۔۔۔تم پروفیسر التمش کی بات کر رہے ہو۔ہاں ہماری کافی عرصہ ملاقات رہی ہے۔ویسے بھی ہم ایک ہی یونیورسٹی میں لیکچرار تھے۔لیکن پھر۔۔۔۔"

آرش کے کان اور متوجہ ہوئے۔

"پھر اچانک ایک خبر پھیل گئی کہ ایک مشہور زمانہ سیریئل کلر کیس کے پیچھے پروفیسر صاحب کی بیوی کا ہاتھ ہے اور پھر معلوم تو یہی پڑا تھا کہ انکی بیوی کو سزا ہو گئی۔اور وہ خود کہیں چلے گئے۔شاید ملک چھوڑ گئے اور اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے گئے۔

آرش نے ایک گہری سانس لی۔آنکھیں غیر ارادی طور پر،احمت صاحب کی آنکھوں میں ہی گڑی تھیں۔

"پر تم کیوں جاننا چاہ رہے ہو؟"

"ایک پرانے کیس کے سلسلے میں۔ذاتی کیس کہہ سکتے ہیں۔"

آرش مسکراتا اٹھ کھڑا ہوا۔

جلدی میں بنا سوچے اس نے یہاں آنے کا غلط وقت چن لیا تھا۔سعد اور علایا آنے والے ہونگے اور وہ انکے آنے سے پہلے نکل جانا چاہتا تھا۔)

اچانک ایک بلی کے کچن کی کھڑکی سے چھلانگ کے جانے پر اسکی سوچوں کا تسلسل ٹوٹا تھا۔

کتنی ہی دیر تو رہ کھلی کھڑکی کو دیکھتا رہا۔پھر واپس سر جھکا کر کھانے لگا۔

آگے کی کہانی وہ جانتا تھا۔التمش ارمغان کہیں نہیں گئے تھے اور نا ہی انکی بیوی کو کبھی سزا ہوئی تھی۔بلکہ وہ دونوں آرش سمیت یہیں اس گھر میں آ کر رہنے لگے تھے اور امی کو بھی غیر قانونی طور پر یہاں چھپا رکھا تھا۔وہ سب جانتے تھے۔لیکن پھر بھی انہوں نے ایسا کیوں کیا؟۔۔۔

محبت۔۔۔۔۔؟

کیا محبت انسان کو اتنا بے بس کر دیتی ہے کہ اسے صحیح غلط بھی دیکھائی نہیں دیتا۔

آرش استہزائیہ سا ہنس دیا۔

"کم از کم آپ سے اتنی بیوقوفی کی توقع نہیں تھی ابو۔پر آخر کو آپ بھی انسان ہی تھے۔"

آرش ابھی ابھی کرائم سین پر پہنچا تھا۔ سید پور والے گھر سے نکلتے ہی اسے سرمد کی کال ریسیو ہوئی تھی۔ ایبٹ آباد میں وہاں کے مقامی گرلز پرائمری اسکول میں ایک عدد لاش ملی تھی۔

آرش گاڑی سیدھی وہیں لے گیا۔ گاڑی ایبٹ آباد کے مقامی گرلز پرائمری اسکول کی عمارت کے سامنے رُکی۔ بھاری بھرکم سے کوٹ پر مفلر ناک سے نیچے کرتا وہ گاڑی سے اترا۔ ایک نگاہ سامنے دھند میں سے جھلکتے، برف سے مکمل ڈھکے اسکول کے بورڈ پر ڈالی یہاں ایبٹ آباد گرلز پرائمری اسکول لکھا تھا۔ پھر سر جھٹکتا اندر چلا گیا۔

گیٹ سے داخل ہو کر وسیع گراؤنڈ پار کرتا وہاں سکول کے پچھلے احاطے کی طرف آ گیا۔ یہاں کلاسز کی پچھلی کھڑکیاں کھلتی تھیں۔ ایسے پچھلے احاطے عموماً کچرے اور پرانے ٹوٹے پھوٹے فرنیچر سے بھرے رہتے ہیں اور مقامی لوگوں میں آسیب زدہ بھی کہلاتے ہیں۔ دھند سے ڈھکی عمارت ساکن کھڑی تھی۔ آج ہفتہ تھا شاید بچے چھٹی پر تھے۔

آرش جلدی جلدی چلتا لاش کی طرف آیا۔ وہاں لاش کے آس پاس فورینسک ایکسپرٹس، ایوڈینس اکٹھے کر کے تصویریں لینے میں مصروف تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر علایا، ابراہیم اور سعد اسکول کے مالی سے پوچھ گوچھ کرنے میں مصروف تھے۔ آرش انکی طرف جانے کی بجائے وہیں لاش کے قریب بیٹھ پنجوں کے بل بیٹھا۔ اسکا جائزہ لینے لگا۔

وہ کوئی چوبیس پچیس سالہ نوجوان تھا۔ عام سے کُرتے شلوار میں ملبوس اسکا جسم ٹھنڈ سے نیلا پڑ چکا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے اسکا مرڈر رات کے درمیانے پہر میں ہوا ہے۔" سعد آرش کے سر پر کھڑا گویا ہوا۔

"ہم م م م۔۔۔۔۔"

آرش اسکے جسم پر کوئی چوٹ یا زخم کے نشان ڈھونڈنے لگا۔ وہاں خراشیں۔۔۔۔۔ معمولی سے نشانات۔۔۔ جیسے مرنے والے نے اپنا بچاؤ کی کوشش کی ہو اور زخمی ہو گیا ہو۔ بظاہر اور کوئی خاص نشان اور زخم دیکھائی نہیں دیتا تھا۔

فرانسک ٹیم اب لاش کو پوسٹ مارٹم اور دوسری کاروائی کے لیے فارنسک لیب منتقل کرنے کی تیاری کر رہی تھی۔

آرش ہاتھ جھاڑتا اٹھ کھڑا ہوا۔

کھڑے ہوتے ہوئے وہ یک دم سے ٹھہرا۔۔۔۔ بجلی کی تیزی سے واپس بیٹھا۔ اس نوجوان کی کلائی پر کچھ کریدنے کا زخم تھا۔

"R-I-P"

آرش الجھا سا اسے دیکھے گیا۔

"ہونہہ۔۔۔۔Rest in peace۔۔۔جیسے مرڈرر سے زیادہ تو کسی کو ہمدردی ہی نہیں تھی اس سے۔"

وہ علایا تھی۔آرش کے سر پر کھڑی بول رہی تھی۔

آرش خود کو کمپوز کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"دل کرتا ہے ہاتھ توڑ کر آنکھیں پھوڑ دوں ان سیریئل کلرز کی۔جینا حرام کر رکھا ہے سب کا،ایک کیس سولو نہیں ہوتا،اور یہاں دوسرا آجاتا ہے"علایا منہ ہی منہ میں بڑبڑا رہی تھی۔

"پتا نہیں کیوں مجرم خود کو سب سے زیادہ عقل مند سمجھتا ہے۔"اب کہ وہ آرش کو ترچھی نگاہوں سے دیکھتی بولی۔

آرش نے ایک بے زار نگاہ علایا پر ڈالی۔

"اور دل تو کرتا ہے کہ ایک جھٹکے میں ہی ایسے ذہین لوگوں کی گردن توڑ دوں جو بنا کسی ثبوت کے دوسروں پر الزام لگاتے ہیں۔"واضح دانت پیسے گئے تھے۔

آواز مدھم تھی پر علایا سن چکی تھی۔ہاتھ بے ساختہ گردن پر گیا۔

"آپکی گردن کی بات تو نہیں ہو رہی۔۔۔۔"سرمد جو کہ پاس ہی کھڑا انکی بڑبڑاہٹ سن رہا تھا۔علایا کو دیکھ کر بولا۔

"ک۔۔۔ک۔۔۔کیا کیا؟"علایا نے زور سے اپنی گردن پر ہاتھ مارا۔

"میں تو مچھر مار رہی تھی۔ایک تو نا جانے آج کل اتنے مچھر کہاں سے آگئے ہیں۔اُف۔۔۔۔"کہتی وہ گردن کھجا رہی تھی۔

"سو آپ بتا سکتی ہیں کے سامنے کھڑا شخص مجرم ہے پر یہ نہیں جانتیں کہ سردیوں میں مچھر نہیں ہوتے۔اوہ تو ایسے ہوتے ہیں ہائی آئیکیو والے لوگ"آرش،علایا کے کان کے قدرے قریب سے گزرتے ہوئے مدھم آواز میں بولا تھا۔

سرمد جا چکا تھا۔علایا نے غصے سے مٹھیاں بھینچی تھیں۔لاش کے قریب بس وہ دونوں موجود تھے۔آرش بھی اب قدم اٹھاتا دوسری طرف جا رہا تھا۔

"غائب تو رات بھر آپ بھی تھے مسٹر ٹیم لیڈر۔"

آرش کے قدم تھمے،اس نے صرف چہرہ گھما کر واپس علایا کی جانب دیکھا۔وہ پھر کچھ سوچے سمجھے بغیر آرش پر الزام لگا رہی تھی۔وہ بھی پورے وثوق کے ساتھ۔

آرش صرف اسے دیکھ کر عجیب انداز میں مسکرایا تھا۔

"مس علایا،آپ (Guinness World Records) گینز ورلڈ ریکارڈ میں اپنا نام کیوں نہیں لکھوا لیتیں۔"

کیا وہ اسکی آئی کیو کی بات کر رہا تھا، اس سے پہلے کے علایا منہ کھولتی۔۔۔

"بیوقوفوں کے سیشن میں، بہت آسانی سے ریکارڈ توڑ لیں گی آپ۔"

وہ جا چکا تھا۔

"واٹ۔۔۔واٹ۔۔۔"علایا کی آنکھیں پھیلیں۔۔۔"واٹ دا۔۔۔"

"واٹ؟"علایا چلاتی اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سامنے بیٹھی الہام پر سکون سی کھانے میں مصروف تھی۔

"مطلب۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔کچھ گڑ بڑ ہے۔"علایا وہاں کچن میں ہی چکر کاٹنے لگی۔

"تمہیں ایسا کیوں لگ رہا ہے۔ فیصلہ ثبوت کی بنا پر ہی دیا گیا ہے۔اور قصور وار بس ایک معمولی سا چور تھا۔اسکے مطابق اس نے گھبرا ہٹ میں گلزار صاحب کو نقصان پہنچا دیا۔اسکا ارادہ مرڈر کا نہیں تھا،اور اسکی معافی کا پروسیجر،احمت صاحب کے کہنے پر ہی پروسیڈ ہوا ہے۔"

"اُف اُف اُف۔۔۔"علایا اپنے بال نوچتی غصے سے بولی۔

"میں ثبوت اکھٹے کر رہی تھی نا آرش کے خلاف۔مجھے پتا ہے کہ وہ غلط ہے۔"

"ایسا کچھ نہیں ہے علایا۔اور ایک پولیس آفیسر ہو کر تم کسی پر یوں بے بنیاد سا الزام کیسے لگا سکتی ہو۔"اب کہ الہام ذرا غیر آرام دہ ہوئی تھی۔

"تم میری طرف ہو یا اسکی طرف؟"

"میں فیکٹس کی طرف ہوں علایا۔"

علایا نے جی بھر کر اسے گھورا تھا۔پھر منہ بگاڑتی واپس کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"میں بھی اتنی آسانی سے ہار نہیں مانوں گی۔"

الہام کچھ دیر تو اسے دیکھتی رہی۔

"اسکی اور تمہاری سوچ دو مختلف سمتوں میں جاتی ہیں علایا۔سو تم کچھ بھی ثابت کرنے کو رہنے دو۔اور خود کو کسی بلاوجہ کی مصیبت میں ڈالنے کی بجائے اپنے اصلی کام پر دھیان دو۔"

"تم ضرورت سے زیادہ اسکے حق میں جارہی ہو۔" علایا خفگی سے بولی۔

"میں صرف فیکٹ بتارہی ہوں۔"

"ہونہہ۔۔۔۔۔۔فیکٹس۔۔۔" علایا غصے میں منہ بھر بھر کے نوالے کھانے لگی تھی۔

"اسکی موت ہارٹ اٹیک سے واقع ہوئی ہے۔یقینا کوئی خوفناک واقعہ یا کوئی چیز جیسے دیکھ کر اسے ہارٹ اٹیک آیا ہے۔اسکے جسم پر موجود یہ چھوٹے موٹے زخم اور خراشیں خود کا دفاع کرنے کے نتیجہ میں آئے ہیں اور اسکے ہاتھ پر کنداں یہ الفاظ۔۔۔۔۔" فارنسیک ڈاکٹر نے اسکی کلائی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ اسکے مرنے کے بعد اسکی جلد پر کریدے گئے ہیں۔"

وہاں فارنسیک لیب میں علایا، ابراہیم اور آرش موجود تھے۔سامنے پڑی نوجوان کی لاش اور اسکی دوسری طرف کھڑے فارنسیک ایکسپرٹ رپورٹ دے رہے تھے۔

"حیرت کی بات ہے۔اتنی سخت سردی اور برف باری میں یہ صرف ایک عدد کرتا شلوار میں ملبوس کیوں تھا۔" ابراہیم نے اچنبھے سے کہا۔

"کیونکہ وہ اپنی مرضی سے وہاں نہیں پہنچا شاید وہ ڈرتا بھاگتا، چھپنے کے لیے اسکول کے احاطے میں گیا تھا۔یا شاید اسے جان بوجھ کر وہاں لے جایا گیا تھا۔" علایا کے سوچوں کے گھوڑے دوڑ رہے تھے۔

"Obviously کوئی خود تو موت کو گلے لگانے نہیں جاتا۔" آرش بولا تھا۔

علایا کی ہر بات کو ایک بیوقوفانہ بات ثابت کرنا اُسکی ڈیوٹی تھی۔

علایا فارنسیک لیب سے واپس آئی تھی جب الہام کو اپنے آفس میں پایا۔

"اوہ الہام تم یہاں؟" علایا کہتی اپنے ڈیسک کی طرف آئی جہاں الہام بیٹھی تھی۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟" الہام خفگی سے بولی۔

"کیا؟"

"کہ وہ نوجوان مالی اللہ دتہ کا بیٹا تھا۔پتا ہے نا جب ہم چھوٹے ہوتے تھے اس اسکول میں پڑھتے تھے تو وہ کتنا خیال رکھتے تھے ہمارا۔" الہام بول رہی تھی جب آرش اور ابراہیم بھی آفس میں داخل ہوئے اور اپنے اپنے ڈیسک کی طرف بڑھ گئے۔

ابراہیم نے ایک نگاہ الہام پر ڈالی۔اداس اور خفت بھرا چہرہ دیکھ کر ابراہیم کا دل جیسے بھینچا تھا۔

"تمہیں بتانے سے کونسا وہ واپس آنے والا ہے۔" علایا نے لاپرواہ سا جواب دیا۔

"اچھا تم یہی رکو میں کافی لے کر آتی ہوں۔" کہتی علایا اٹھ کر باہر چلی گئی۔

بظاہر لیپ ٹاپ پر مصروف ابراہیم چور نگاہوں سے بجھی سی بیٹھی الہام کو ہی دیکھ رہا تھا۔اسی دوران میں وہ ٹھٹھکا تھا۔الہام افسردہ سی نگاہوں سے آرش کو ہی دیکھ رہی تھی۔

ابراہیم نے ایک نظر الہام اور دوسری آرش کو دیکھا۔

آرش دنیا و مافیا سے بے خبر فائلز دیکھنے میں مصروف تھا۔آرش کے ایک دم چہرہ اٹھانے پر الہام نے فورا نظریں دوسری سمت پھیری تھیں۔جو کہ ابراہیم صاف دیکھ چکا تھا۔اس نے واپس آرش کی جانب دیکھا جو کہ واپس اپنی فائلز پر جھک چکا تھا۔

ابراہیم کا موڈ سخت خراب ہوا تھا۔علایا کے بعد وہ دوسرا شخص تھا جیسے اس وقت آرش سخت زہر لگا تھا۔

سب لوگ جا چکے تھے۔۔۔آرش ابھی بھی وہیں آفس میں ہی بیٹھا تھا۔

سامنے بورڈ پر لگی تصویں اور بلیک باکسز۔۔۔۔

وہ کتنی ہی دیر اس ایک تصویر کو دیکھے گیا تھا۔جس میں اس نوجوان کے بازو کی تصویر تھی جس پر RIP کندہ تھا۔

"Rest In Piece"

وہ زیر لب بڑبڑایا تھا۔

کچھ تھا۔۔۔کچھ ملتا جلتا سا۔۔۔کچھ جانا پہچانا سا۔۔۔کنپٹیوں کو انگلیوں سے مسلتا وہ مسلسل یہ الفاظ بڑبڑا رہا تھا۔نا جانے اُسے کیوں لگ رہا تھا کہ یہ بات آرش کے لیے ہی کہی گئی تھی۔

“Rest in piece

Rest in piece

Rest in piece

Rest in piece ...”

جب اچانک آفس کا دروازہ کھلا۔

آرش نے بڑبڑاتے ہوئے چونک کر دروازے کی جانب دیکھا۔اس سے پہلے کہ وہ سامنے کھڑے شخص کی شکل پہچانتا اس کے دماغ میں جیسے بجلی سی گزری۔۔

ایک فلیش بیک۔۔۔

("تمہیں میرا کھیل پسند آیا؟"

وہ بچی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"اس کھیل کا نام کیا ہے؟۔۔۔"وہ وہی تھا۔۔ہاں وہ وہی تھا۔وہ جانتا تھا۔

"میں اسے ریسٹ ان پیس کہتی ہوں۔۔")

"اوہ سوری! شاید میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔"

آواز پر آرش جیسے جاگا۔۔۔وہ الہام تھی۔۔۔آرش حیران سا۔۔۔سکڑی بھنویں لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"وہ دراصل علایا اپنا فون یہاں بھول گئی تھی۔اس نے کہا کہ میں واپسی پر اٹھاتی لاؤں۔۔۔"

الہام شرمندہ سی صفائیاں دیتی علایا کے کیبن کی طرف آئی۔

آرش ابھی تک اپنے فلیش بیک سے ہی نکل نہیں پایا تھا۔

"الہام۔۔۔"

گم سے لہجے میں ایک دم وہ بولا۔۔

الہام جو واپس جا رہی تھی جیسے جم سی گئی۔۔۔۔دل اچھل کر منہ کو آگیا۔۔۔آرش نے اسکا نام پکارا تھا۔۔۔

"الہام۔رائٹ؟"

آرش نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

الہام وہیں کھڑی رہی۔۔۔پشت آرش کی طرف تھی۔

"کیا ہم کچھ دیر کیلئے بات کر سکتے ہیں؟"آرش کہتا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

الہام نے اپنے ہاتھ سن ہوتے محسوس کیے تھے،

آفس سے نکل کے وہ دونوں وہاں قریب ہی ٹہلنے لگے۔ آرش نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ رکھے تھے، آدھا چہرا مفلر میں چھپا تھا۔ تنی سرد رات میں یوں چہل قدمی، کوئی خاص اچھا آئیڈیا تو نا تھا۔ وہ بولنا چاہتا تھا پر سمجھ نہیں پا رہا تھا کہاں سے شروع کرے۔ یادوں کے پردے پر کچھ اُبھرا تھا۔

("ہیئے آرش کہاں گم ہو۔" وہ نو دس سالہ بچی بھاگتی اندر آئی تھی۔ وہ آرش کا کمرہ تھا جس میں اسکے ساتھ تین بچے اور رہتے تھے۔

الہام نے دھاڑ سے دروازہ کھولا اور چہچہاتی اندر چلی آئی۔ وہ اسٹڈی ٹیبل پہ جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔ الہام کو دیکھ کر ایک دم پزل سا ہو گیا، کرسی سے نیچے اُترا۔

"میں تمہارے لیے چاکلیٹس لائی تھی۔"

الہام نے بہت ساری چاکلیٹس اسکی میز پر انڈیلیں پھر دھپ سے قریب لگے بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"کیا لکھ رہے تھے؟ ڈائری؟"

تجسس واضح تھا۔

آرش نے نفی میں سر ہلایا۔ ہمیشہ کی طرح وہ آج بھی اُتنا ہی خاموش تھا۔

الہام کے لیے وہ ایٹ لیسٹ کوئی نا کوئی ریسپونس دیتا تھا۔ اور اتنا ہی بہت تھا۔ ورنہ الہام کے علاوہ موجود ہر ایک فرد آرش کے لیے انویزیبل تھا۔ وہ بہت چنچل تھی، آرش کے مزاج سے مختلف، بہت مختلف۔ لیکن وہ پھر بھی اسکے گفٹس، چاکلیٹس اور موجودگی سے کمفرٹیبل تھا۔

اب کے وہ نو سالہ لڑکی متجسس سی پورا کمرہ دیکھ رہی تھی۔ اور آرش نے ایک چور نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔

وہ اچھی ہے۔ اسے وہ اچھی لگی تھی۔)

"تم کچھ کہنے والے تھے آرش؟"

وہ جیسے یادوں کی دوڑ سے واپس پلٹا۔ چلتے چلتے رکا۔

"اوہ سوری ایکچولی یہاں میں سب کو تم کہتی ہوں۔ سب مجھے بڑی بہن کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں، سو تمہارے لیے بھی میرے منہ سے تم نکل گیا۔" اسکا لہجہ معذرت بھرا تھا۔

آرش مکمل الہام کی طرف مڑا تھا۔

وہ بہت خاموش تھی، وہ ویسی چینچل نہیں تھی۔ وہ ویسے کھلکھلا کے ہنستی نہیں تھی۔ سیدھی سی، خاموش سی، بے ذرسی۔ کیا وہ وہی الہام تھی۔

اب کے الہام، آرش کے یوں مسلسل اسے دیکھنے پر ذرا کھسیانی سی ہنس دی۔ پھر سردی سے جمتے چہرے کو اپنے ہاتھوں سے ڈھانپتی گرمائش دینے لگی۔

"تمہارے ہاتھ بہت خوبصورت ہیں آرش۔" الہام، آرش کے پہلو میں گرے ہاتھوں کو دیکھتی اپنے معمول کے انداز میں بولی تھی، اسے ہر خوبصورت چیز کو کمپلیمنٹ دینے کی عادت تھی۔

آرش جاگا۔

اس نے غیر محسوس انداز میں اپنا مفلر اُتارا اور اُتنی ہی خاموشی سے اسے الہام کی گردن میں لپیٹ دیا۔ مفلر کو گانٹھ لگا کے پھر اسے ناک تک اوپر کھینچ دیا۔

الہام اس اچانک کی کاروائی سے، جہاں تھی، وہیں فریز ہو گئی۔

وہ جو، کھلکھلاتی اسکے کمرے میں آن وارد ہوتی تھی، یا یہ جو سخت نروس نیس اور خاموشی سے ایک ہاتھ کے فاصلے پر اسکے سامنے کھڑی تھی۔ آرش کو لگا، یہ ایک مختلف معاملہ ہے۔۔۔

یہ ایک غیر ضروری معاملہ ہے۔۔۔

"تم مسٹر احمت گلزار اور آفیسر علایا کو کیسے جانتی ہو۔"

متوازن س لہجے میں بات کا آغاز کیا گیا، جیسے ابھی کچھ ہوا ہی نا ہو۔

"اوہ۔۔" الہام بھی جیسے کسی سکتے سے جاگی۔

" مسٹر گلزار میرے آئیڈیل اور مینٹور ہیں میں بچپن سے انکی کتابیں پڑھتی اور انکے بہادری کے قصے سنتی بڑی ہوئی ہوں۔ اور علایا...۔" وہ ٹھہری تھی، چہرہ اٹھا کر آرش کو دیکھا وہ الہام کو نہیں دیکھ رہا تھا، اسکی نظری کہیں دور تھی سیاہی میں۔ "علایا میری بچپن کی دوست ہے۔"

"بس؟" آرش نے آہستگی سے چہرہ واپس الہام کی طرف موڑا تھا۔

الہام نے جواباً صرف نا سمجھی سے اسے دیکھا گویا کہ رہی ہو "اور کیا؟"

آرش اسے دیکھتا رہا، وہاں الہام کی آنکھوں اور باتوں میں کہیں نا کہیں کچھ تفرق تھا۔ وہ جو بول رہی تھی وہ مکمل نہیں تھا۔

"آئی تھنک مجھے اب چلنا چاہئے۔" الہام بولی، اسے آرش کا یوں اسکے دماغ میں گھسنا پسند نہیں آیا تھا۔

"شیور۔" آرش پروفیشنل سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا تھا۔ ایک لمحے سے اگلے لمحے تک وہ کتنی جلدی رنگ بدلتا تھا۔

"وہ کتنا بدل گیا تھا۔"

الہام نے پوری ملاقات کا یہ مختصر نتیجہ اخذ کیا تھا۔ پھر سر کو ذرا خم دیتی اپنا رُخ موڑ لیا اور اپنے اپارٹمنٹ کی طرف چل دی۔

کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالتے، آرش الہام کو جاتا دیکھتا رہا، حتی کہ وہ اندھیرے میں کہیں جا ملی۔ اسکا ہونٹ دائیں طرف سے ذرا اُٹھا تھا۔

بیلا

"پتا نہیں پر مجھے لگتا ہے کہ ہماری بیٹی پر اثر ہے۔شاید کوئی جن بھوت، جادو۔ مجھے نہیں پتا بس آپ اسکا علاج کروائیں جہاں سے مرضی۔"فاطمہ کچن میں کھڑی اونچی اونچی بول رہی تھیں۔ پاس ہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے بیلا کے ابو اکبر اخبار میں مصروف تھے۔

آج بیلا کی چھٹی کا دن تھا سو وہ سو رہی تھی۔فاطمہ اکبر کو بلی کا واقعہ من و عن سنا کر ہٹی تھیں۔

"تمہیں وہم بہت ہوتا ہے۔وہ ابھی بچی ہے۔ناسمجھی میں کچھ کر دیا تو کیا فرق پڑتا ہے۔"

"آپ سے تو کہنا ہی فضول ہے۔"

"اچھا بس کرو۔فی الحال مجھے ناشتہ دو۔میں بچوں کے سائیکاٹرسٹ سے بات کرتا ہوں۔"

"چلیں آپ نے اسے پاگل ہی بنا دیا ہے۔میں جادو وغیرہ کی بات کر رہی۔۔۔۔"

فاطمہ کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ،

"اب یہ مت کہنا کہ میں اسے پیروں، فقیروں کے پاس لے جاتا پھروں۔ تمہیں پتا ہے مجھے نا ہی ان باتوں پر یقین ہے نا ہی ان پیروں فقیروں پر۔"فاطمہ نے ایک ناراضگی بھری نظر اکبر پر ڈالی۔اور ناشتے کے برتن تقریبا پٹختے ہوئے اکبر کے سامنے رکھے۔

اکبر نے جوابا گھورا تھا۔ پھر اخبار ایک طرف رکھ کر کھانا شروع کیا۔

آج موسم بہت اچھا ہے۔پر میں گاڑی کی کھڑکی سے منہ لگائے بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں۔ابو آج مجھے اسلام آباد لے جا رہے ہیں۔میری اسکول سے بھی چھٹی کروا دی۔

"ابو ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"ڈاکٹر کے پاس بیٹا۔"

"پر میں بیمار تو نہیں۔"

"ہم ایک نئے طرح کے ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں۔ وہاں اچھے بچے جاتے ہیں۔"

ایک تو مجھے ابو کے بے منطق سے بہلاوے کبھی سمجھ نہیں آتے۔ میں نے کل رات ہی امی، ابو کو کہتے سنا تھا کہ میرے دماغ میں کوئی مسئلہ ہے تو مجھے شہر کے بڑے ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑے گا۔ اور مجھ سے ابو جھوٹ بول رہے ہیں۔ ہونہہ۔

گاڑی ایک بڑی سے عمارت کے پارکنگ لاٹ میں رکی تھی۔ پارکنگ لاٹ کے بعد ایک بڑا سا پارک نما میدان اور پھر عمارت شروع ہوئی تھی۔ شاید وہ کوئی دماغی امراض کا ادارہ تھا۔

"چلو بیٹا شاباش۔"

ابو کے کہنے پر میں باہر نکلی اور پھر ابو کا ہاتھ پکڑ کر عمارت کے داخلی دروازے کی طرف چل دی۔ ہم کافی دیر ڈاکٹر کے کلینک میں بیٹھے رہے۔ وہاں ڈاکٹر اور ابو کے درمیان کافی باتیں ہوئیں۔

ڈاکٹر نے کہا مجھے کئی مہینے لگاتار یہاں آنا ہوگا۔ کچھ دیر بعد ابو نے مجھے باہر گارڈن میں جا کر کھیلنے کا کہا۔ میں خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔

میں کافی دیر عمارت میں گھومتی رہی۔ مجھے وہ عمارت اچھی لگی تھی۔ خاموش سی۔۔۔ پژمردہ سی۔ گارڈن میں کچھ خاص نہیں تھا۔ بس پودے اور انسان۔

میں چلتے چلتے عمارت کے پچھلے حصے کی طرف آئی۔ وہاں ٹوٹا پھوٹا فرنیچر، بوڑھے پرانے ہوئے درخت اور روشنی قدرے مدھم تھی۔ میں نے ایک بڑے سے سیاہ چوہے کو ایک درخت کے پیچھے بھاگتا دیکھا۔

"اوہ۔۔۔ مجھے وہ اچھا لگا۔"

میں نے اپنے چھوٹے پرس کی پاکٹ سے ایک چاقو نما چھوٹی سی چیز نکالی جو کہ میں نے ہاسپٹل کی راہداری میں جاتی ایک نرس کے ٹرے سے خاموشی سے اچکی تھی۔ وہ جو بھی تھا۔ پر باریک اور چمکدار تھا۔ سو مجھے اچھا لگا۔

پیارے چوہے۔۔۔۔ کہاں ہو؟"

بنا چاپ کے چلنا میری خاصیت تھی۔ امی کہتی ہیں میں انہیں ہمیشہ ڈرا دیتی ہوں۔ اس لیے کچھ آواز کر کرے چلا کروں۔

ہی ہی ہی۔۔۔۔ پر مجھے ڈرانا اچھا لگتا ہے۔

اوہ وہ چوہا وہیں تھا۔ درخت کی جڑ میں، شاید وہ کچھ کتر رہا تھا۔ پر وہ اپنے بل سے باہر کیوں تھا۔

ایک دفعہ میں نے امی سے پوچھا تھا کہ جو سڑکوں پر رہتے ہیں وہ کون ہوتے ہیں؟

امی نے کہا تھا کہ انکے گھر اور اپنے نہیں ہوتے ،اس لیے یہ سڑکوں پر رہتے ہیں۔اور امی نے ہی کہا تھا کہ انہیں نہیں مارتے جنکے اپنے یا پیارے ہوں۔پر یہ چوہا تو اکیلا ہے۔

ایک نرم وجود،

ایک تیز دھار آلہ،

تھوڑی سی بے حسی،

کچھ دیر بعد وہاں صرف ایک مٹی کا ڈھیر تھا۔جس پر اب وہ R.I.P کرید نے میں مصروف تھی۔

جب اسے ڈھونڈتے اکبر صاحب ادھر آئے۔

"بیلا یہ کیا حرکت ہے؟"وہ غصے میں تھے۔

"میں نے تمہیں گارڈن میں رہنے کا کہا تھا۔تم یہاں کیا کر رہی ہو؟اور یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"

میں نے وہ چمکدار،نوکیلا سا کھلونا ابو کے سامنے کیا۔

پر ابو خوش نہیں ہوئے تھے۔انہوں نے میرے ہاتھ سے چھین کر اسے پھینکا اور ایک بازو سے پکڑ کر تیز تیز چلتے وہاں سے نکل گئے۔

وہ رُکتے تو میں اُنھیں دیکھاتی وہ چوہا۔۔۔وہ چوہا بہت پیارا تھا۔۔اور تکلیف میں تو اور بھی پیارا

"یہ لو بیلا تمہارے فرائز۔اُف کس قدر گرمی ہے آج تو پر مجال ہے جو مجھے چولہے سے آگے پیچھے ہونے دیں یہ باپ بیٹی۔"فرائز کی پلیٹ بیلا کے سامنے رکھ کر فاطمہ وہیں لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ گئیں۔ٹی وی پر انکا پسندیدہ ڈرامہ شروع ہو چکا تھا۔آج اتوار کا دن تھا سو اکبر صاحب بھی گھر پر تھے اور قریب ہی اخبار لیے صوفے پر بیٹھے تھے۔

'امی یہ سب رو کیوں رہے ہیں؟"وہاں ٹی وی پر ایک انڈین ڈرامے میں ہوتے ماتم کو دیکھ کر بیلا بولی۔

"انکے گھر ڈیتھ ہوئی ہے نا اسی لیے۔"

"پر امی یہ کاسنی کیوں رو رہی ہے۔کل جب ہم یہ ڈرامہ دیکھ رہے تھے تو اسی نے ہی تو مارا تھا اس آنٹی کو۔"ہمیشہ کی طرح فاطمہ بیلا کے سوالوں سے جھنجھلانے لگی تھی۔

"ارے بھئی اسے ہی تو ایکٹنگ بولتے ہیں۔وہ ایکٹنگ کر رہی ہے تاکہ کسی کو پتا نہ چلے کہ اس نے مارا ہے۔"

فاطمہ اور بیلا کی اس نہج کی گفتگو سن کر اکبر نے اخبار ذرا نیچے کیا تھا۔

"یہ سب اس سے ڈسکس کرنے والی چیزیں ہیں فاطمہ ؟ وہ بچی ہے اور تم ابھی سے اسے ڈراموں کے سیاستوں میں لگالو۔اسے کوئی کارٹون یا بچوں کے دیکھنے کے پروگرام لگا کر دو نا کہ یہ انڈین فضول ڈرامے۔" اکبر کی اس بات پر فاطمہ کا چہرہ سخت بگڑا تھا۔

"ہاں دن میں دو پل جو سکون سے بیٹھ جاؤں تو وہی آپکو زہر لگتا ہے۔" کہتی فاطمہ نے کارٹونز لگائے اور ریموٹ پٹیختی وہاں سے اٹھ گئی۔

اکبر نے اخبار لپیٹ کر ایک طرف رکھا۔

"عقل کی بات تو یہاں کسی کو سمجھ ہی نہیں آتی۔" اور عینک لپیٹ کر رکھتے وہاں سے اٹھ گئے۔

دونوں کے جانے کے کچھ دیر بعد تک تو بیلا ٹی وی اسکرین گھورتی رہی پھر آہستگی سے گود میں پڑی فرائز کی پلیٹ ایک طرف رکھی اور ریموٹ اٹھا کر واپس وہی چینل لگالیا۔

وہاں اب ماتم والے گھر میں پولیس بھی نظر آرہی تھی اور سب سے پوچھ گوچھ کر رہی تھی۔جب کاسنی کی باری آئی تو پولیس کے ایک دو سوال پوچھتے ہی وہ بے ہوش ہوگئی۔سب اسے لے کر ہسپتال دوڑے اور اسی طرح اسکی پولیس سے فلحال جان بچ گئی۔

فرائز کھاتی بیلا زیر لب خود بخود مسکرا رہی تھی۔اسے اچھا لگا تھا۔اسے ایکٹنگ اچھی لگی تھی۔

"اگر میں بلی کر مار کر روؤں گی تو امی کو لگے گا کہ مجھے دکھ ہے اور میں نے نہیں مارا۔۔۔

"ہی ہی۔۔۔۔مجھے ایکٹنگ پسند آئی۔۔۔"

اور یوں کبھی کبھی فاطمہ اور اکبر کے بہترین اور سخت نگرانی اور پرورش کے دعوے دھرے کے دھرے رہ جاتے تھے۔

....

کل پچھلے دو دن سے کلاس میں ایک نئی خبر پھیلی ہوئی تھی کہ کلاس کی سب سے برائٹ اسٹوڈنٹ علایا اسلام آباد شفٹ ہو رہی ہے۔یہ اسکا اسکول میں آخری ہفتہ ہوگا۔

بیلا کا دھیان آج صبح سے ہی الہام اور علایا میں اٹکا ہوا تھا۔آج ساری کلاس بریک ٹائم میں علایا کو فیئرویل پارٹی دینے والی تھی۔

اس نے کب سے سوچا ہوا تھا کہ وہ الہام اور علایا سے دوستی کرے گی اور اب یوں اچانک علایا جا رہی تھی۔اسے علایا اچھی لگتی تھی پر وہ کبھی بیلا سے سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتی تھی۔وہ تو صرف الہام تھی جو صبح سب بچوں کے ساتھ بیلا سے بھی سلام لیتی تھی۔

بریک ٹائم ساری کلاس علایا کے لیے ایک چھوٹی سی پارٹی ارینج کرنے کے لیے کلاس میں موجود تھی۔ درمیان میں کیک موجود تھا جو کہ الہام کے گھر سے آیا تھا اور آس پاس چاکلیٹس اور دوسری چیزیں موجود تھیں۔ ہلہ گلہ کرتیں وہ سب کھانے پینے میں مصروف تھیں۔ کچھ نے علایا کو تحائف بھی دیئے تھے۔ الہام نے علایا کو اسٹشنری کا پورا سیٹ گفٹ کیا تھا۔ اور علایا نے الہام کو فیئر ویل گفٹ کے طور پر ایک خوبصورت کا نیکلس دیا تھا۔ سلور چین میں ایک چھوٹا سا چاند لٹک رہا تھا۔

بیلا بھی وہیں سب میں بیٹھی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ آج وہ کچھ نیا ایکسپیر ئینس کر رہی تھی۔ کوئی اپنا جا رہا ہو تو دکھی ہوا جاتا ہے۔ تحائف دیئے جاتے ہیں۔ مطلب کسی اپنے کا چھوڑ جانا دکھ کا باعث ہوتا ہے۔

اور پھر ایک نیا سوال۔۔۔

"جب اسکا کوئی اپنا اسے چھوڑ کے جائے گا تو وہ کیسے بیہیو کرے گی۔

"اکبر آپ ایک پڑھے لکھے انسان لگتے ہیں۔ امید ہے آپ سب سمجھ رہے ہوں گے۔" ڈاکٹر ہمدانی، اکبر صاحب کو پورا ڈائگنانس پراسس سمجھا چکے تھے۔ اور سائیکو پاتھی پر بھی ڈسکس کر چکے تھے۔ بیلا باہر گارڈن میں تھی۔

پچھلے تین چار سیشن کے بعد ڈاکٹر ہمدانی نے اکبر صاحب کو سجسٹ کیا تھا کہ وہ بیلا کا ڈائیگنانس پراسس کروائیں اگر وہ سائیکو پیتھ ڈیٹیکٹ ہوتی ہے تو پھر اس کے لیے کیا کیا جائے۔ لیکن اکبر صاحب عجیب کشمکش میں انہیں دیکھ اور سن رہے تھے۔

"میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں پر چونکہ آپ نے کہا کہ ابھی آپ یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ اسکا یہ رویہ سائیکو پیتھی کی وجہ سے ہے یا ویسے ہی ایسی ہے۔ تو اسکا مطلب ہوا وہ سائیکو پیتھ نہیں ہے۔"

"وہ ہو بھی سکتی ہے۔" ڈاکٹر ہمدانی جانتے تھے کہ اکبر صاحب کو اتنی حجت کیوں ہو رہی ہے۔

"کیا ہم اس پر سوچنے کا وقت لے سکتے ہیں۔" اکبر صاحب نے کہا۔

"جی جی بلکل۔ ہم پیرنٹس کی اجازت کے بغیر پراسس اسٹارٹ بھی نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی وہ جس عمر میں ہے یہ ایرا انسانی دماغ کے کریٹیکلز ایرا (critical era) میں دوسرا ایرا ہے۔ جہاں اسکی پرسنیلٹی کی تشکیل پائی جاتی ہے۔ اور اس سب میں اسکا ماحول، ماں باپ اور اطراف بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔"

اکبر صاحب ایک دم سے اٹھ کھڑے ہوئے ڈاکٹر ہمدانی خاموش ہوئے۔ شاید ہمدانی صاحب کی باتیں غیر ضروری تھیں۔

''ٹھیک ہے پھر مجھے اجازت دیں۔''اکبر صاحب کہتے وہاں سے نکل گئے۔

ڈاکٹر ہمدانی نے عجیب نگاہوں سے انہیں جاتے دیکھا تھا۔ پھر ایک آہ بھرتے اگلے مریض کو آنے کو کہا۔

وہ جانتے تھے اکبر صاحب واپس آنے والے نہیں ہیں۔اکبر صاحب ایک اوسط دماغ رکھنے والے پاکستانی مرد تھے۔انکے خیال میں بگڑے بچے صرف مار دھاڑ سے ہی سدھر سکتے ہیں۔اسکے لیے علاج کی ضرورت نہیں ہوتی۔

''کیا کہا ڈاکٹر نے؟''فاطمہ رات کو کھانے کی میز پر اکبر صاجب سے مخاطب ہوئی۔

''کچھ نہیں۔ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ بس اسے تھوڑی توجہ کی ضرورت ہے۔اکیلی بہن ہے ناتو اکیلے پن میں ایسا بی ہیو کرتی ہے۔''

فاطمہ نے ایک آہ بھری۔

''اب اللہ کی مرضی اس نے اسے اور بہن بھائی نہیں دیئے۔''

اکبر غیر معمولی خاموشی سے کھانے میں مصروف تھے۔

''پتا نہیں اُسکے اسکول میں اتنے کچھ خاص دوست بھی نہیں ہیں۔میں جاؤں گی اسکے اسکول اور اسکی ٹیچر سے بات کروں گی کہ اس پر ذرا توجہ دیا کریں۔بچوں کے ساتھ بیٹھایا کریں تاکہ اسکا بھی تھوڑا دھیان بٹے۔''فاطمہ فکرمندی سے کہتی کھانے میں مصروف تھی۔

''اچھا ہے۔''اکبر صاحب نے فاطمہ کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

آج اکبر اور فاطمہ بیلا کو لے کر باہر گئے تھے۔فاطمہ کے اصرار پر کہ بیلا کو ہفتے میں ایک دفعہ گھمانے لے جانا چاہیے اس سے وہ بہتر محسوس کرے گی۔واپسی پر اس نے ایک خرگوش کا کاسٹیوم خرید لیا تھا۔فاطمہ اور اکبر نے منع بھی نہیں کیا تھا۔گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے اس نے وہ کاسٹیوم ٹرائے کیا۔

کاسٹیوم اسکے سائز سے قدرے بڑا تھا لیکن پھر بھی پیروں میں آتے کاسٹیوم پر اس نے سر پر خرگوش کا سر رکھا۔جس میں اسکا مکمل منہ ڈھک گیا تھا۔اب آئینے کے سامنے کھڑی وہ بلکل ویسی لگ رہی تھی جیسے خرگوش والا شخص وہ پارک میں دیکھ کر آئی تھی۔

وہ دن اور اسکے بعد سے اسے وہ کاسٹیوم اتنا پسند آیا کہ ہر وقت اسے پہنے رکھتی۔کاسٹیوم نہیں تو کم از کم خرگوش کا سر تو پہنے ہی رکھتی تھی۔

اکبر نے کچھ خاص توجہ نہیں دی مگر فاطمہ کو بہت جتن کرنے پڑتے جب وہ اسکول بھی وہ خرگوش کا سر پہن کر جانے کی ضد کرتی تھی۔آخر فاطمہ نے ایک دن تنگ آکر چپکے سے خرگوش کے چہرے سے ایک آنکھ نکال دی۔

"دیکھو بیلا یہ ایسے اچھا نہیں لگ رہا ایک کام کرو اسے رکھ دو۔ میں فرصت ملتے ہی اسکی آنکھ ٹانک دوں گی پھر تم اسے پہن لینا۔" پہلے پہل تو بیلا نے فوراً فاطمہ کی بات مان لی۔ لیکن پھر ایک دن خود ہی دوبارہ اسے نکال کر سر پر رکھ لیا۔

"امی کوئی بات نہیں میں ایک آنکھ کے ساتھ بھی ٹھیک ہوں۔" اور پھر وہی روز روز کی ضد شروع ہو گئی۔

باقی کا سٹیوم تو فاطمہ پہلے ہی پھینک چکی تھی پھر ایک دن غصے میں آ کر فاطمہ نے خرگوش کا سر بھی گھر کے پیچھے موجود کچرے کے ڈھیر میں پھینک دیا۔

اسکول سے واپسی پر سر نا ملنے پر بیلا ایک دم سے خاموش ہو گئی تھی۔ایک دن،دو دن، تین دن اور ہفتہ گزر گیا لیکن بیلا نے ایک لفظ تک نہیں بولا۔اور پھر آخر فاطمہ اور اکبر نے یہ بات نوٹس کر ہی لی۔

"بیلا بیٹا کوئی مسئلہ ہے کیا آپ اتنی چپ چپ کیوں ہو؟"

بیلا اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھی گھر کے پیچھے موجود کچرے کے ڈھیر کو دیکھ رہی تھی جب فاطمہ نے پھلوں کی پلیٹ اسکے قریب رکھتے ہوئے کہا۔

بیلا نے ایک نظر مڑ کر فاطمہ کو دیکھا۔اسکی نظر۔۔۔۔۔

وہ اس قدر عجیب تھی کہ فاطمہ کے جسم نے ایک جھرجھری لی تھی۔پھر کچھ دیر بعد بیلا کھڑکی سے اتری اور نیچے فاطمہ کے پاس صوفے پر بیٹھ گئی۔

"امی ایک بات پوچھوں؟" آخر پورے ہفتے کے بعد کے منہ سے الفاظ نکلے تھے۔

"ہاں میری جان بولو کیا بات ہے۔" اور فاطمہ نے سکھ کا سانس لیا۔

"میرے فیورٹ کارٹونز ہے نا وہ جو۔۔۔"

"ہاں ہاں مجھے پتا ہے، کیا ہوا انہیں۔" فاطمہ نرمی سے بولی۔

"اس میں جو مین کریکٹر ہے نا اسکا دوست مر گیا ہے اور وہ بہت اداس ہے۔ تو اب وہ کیا کرے۔"

"ہائے ئے۔۔۔۔۔ یہ تو بہت برا ہوا۔ کس نے مارا اسے۔"

بیلا پھر خاموش ہو گئی۔

اوہ تو بیلا اس دکھ میں اتنی خاموش تھی۔ فاطمہ نہیں جانتی تھی کہ بیلا کارٹونز کے کریکٹر کو اتنا سیریس لے لیتی ہے۔

"اچھا چلو چھوڑو جس نے بھی مارا۔ کوئی بات نہیں۔ اسے سزا ملے گی۔ اسکے ساتھ بھی ویسا ہی ہوگا جیسا اس نے اسکے ساتھ کیا۔ تم یہ سیب کھاؤ۔"

بیلا نے سیب اٹھایا اور پھر اسے کھاتی پاس پڑے ٹیب کو گود میں لے کر بیٹھ گئی اور اس پر کارٹونز لگا لیے۔"

فاطمہ کچھ سوچتی کھڑی ہوئی۔

"مجھے بیلا کے کارٹونز بدلنے چاہیں۔" اپنی عقل کے مطابق حل نکالتیں وہ بیلا کے کمرے سے باہر نکل آئیں۔ وہاں سیبوں کی بھری پلیٹ اور ایک چھلکوں اور چھری والی پلیٹ بیلا کے قریب ہی پڑی تھیں۔ سیب کھاتے کھاتے بیلا نے ایک نظر اٹھا کر فاطمہ کی پشت کو دیکھا تھا پھر مسکراتی واپس ٹیب پر جھک گئی۔

"بیلا میں ذرا باہر جا رہی ہوں گروسری کے لیے، تمہارے ابو آنے والے ہونگے۔ انکے آنے سے پہلے گھر کا دروازہ نا کھولنا۔"

بڑی سی چادر لیے ایک ہاتھ میں پاؤچ پکڑے فاطمہ نے بیلا کے کمرے میں جھانکا تھا جو کہ ہوم ورک کرنے میں مصروف تھی۔ شام کے پانچ بج رہے تھے۔

بیلا نے بغیر سر اٹھائے اثبات میں سر ہلایا اور اپنی توجہ برقرار رکھتے ہوم ورک میں مصروف رہی۔ فاطمہ نے بیلا کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا بند کیا اور گروسری کے لیے گھر سے نکل گئیں۔

فاطمہ کو گئے آدھا گھنٹا گزرا تھا جب بیلا اپنی جگہ سے اٹھی اور بھاگ کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے جا لگی جسکے پار کچرے کا ڈھیر تھا۔ انکا گھر تیسری منزل پر تھا سو کچرا کبھی اتنا بلائے جان نہیں بنا تھا۔

وہاں نیچے کھوجتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بیلا کو خرگوش کا سر دیکھائی دیا تھا۔ ایک آنکھ تو پہلے ہی غائب تھی لیکن اب ایک کان بھی پھٹ چکا تھا جس سے روئی باہر لٹک رہی تھی۔ شاید کتوں نے کچرے پر منہ مارتے ہوئے کھینچا تانی میں اسے پھاڑ دیا تھا۔ اور پھر اگلا پل ضائع کیے بغیر بیلا کھڑکی سے اتری اور باہر کی طرف دوڑ لگا دی۔ یہ بہترین موقع تھا۔

بغیر یہ سوچے کہ اگر فاطمہ نے وہ سر دوبارہ دیکھا تو بیلا کی پٹائی بھی ہو سکتی تھی، وہ اسے کچرے سے اٹھا لائی اور لا کر بیڈ کے نیچے چھپا لیا۔

رات کھانے کی میز پر وہ تینوں موجود تھے۔ فاطمہ گروسری کی کتھا اور مہنگائی کا رونا روتیں اکبر کی پلیٹ میں کھانا نکال رہی تھیں۔ جبکہ بیلا سامنے میز پر ٹیب اور گود میں میگی کا باؤل رکھے کارٹونز دیکھنے میں مصروف تھی۔

"اسے بند کرو بیلا۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" فاطمہ نے ایک جھٹکے سے ٹیب میز پر اوندھا کر دیا اور میگی کے باؤل کی طرف اشارہ کیا۔

"اونہوں ایسا کرتے ہیں۔ آرام سے سمجھاؤ اسے۔" اکبر نے خفگی سے فاطمہ کو ڈپٹا تھا۔

"آپکو کیا پتا بچے کیسے پالے جاتے ہیں۔ کبھی جو آپکو پالنے پڑیں تو پتا چلے۔ مجال ہے جو میری ایک بات مان جائے یہ۔" فاطمہ بڑبڑاتی اب اپنی پلیٹ میں نکال رہی تھیں۔

"اگر ٹیب کے علاوہ کچھ اور دیا ہوتا اس کے ہاتھ میں تو وہ بھی چوبیس گھنٹے اسے نا چپکی ہوتی۔" اکبر بھی جوابا بڑبڑائے تھے۔

اور بس فاطمہ کا پارہ یہیں آسمانوں کو چھونے لگا تھا۔ اس نے سامنے چمچوں کے ریک سے چھری نکال کے بیلا کے ہاتھ میں پکڑائی۔

"یہ لو۔ ٹیب رکھو یہ لو اور گلا کاٹ دو میرا۔ ٹھیک۔"

بیلا کو گو مگو سی دونوں کو دیکھے گئی۔

فاطمہ بھی ایک انسان تھی، وہ شاید ماں کا کردار ادا کرنے میں بری ثابت ہوئی تھی۔

"تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا۔" اکبر نے ملامت میں سر نفی میں ہلایا تھا۔ پھر اچانک فون رنگ ہونے پر وہاں سے اٹھ گئے اور کال سنتے باہر چل دیئے۔

اکبر بھی ایک انسان تھے، اور شاید وہ ایک باپ کا کردار ادا کرنے میں برے ثابت ہوئے تھے۔

فاطمہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی کھانے لگی۔

اور بیلا کے ہاتھ میں موجود چھری اسکے پہلو میں موجود تھوڑی سی خالی کرسی پر شفٹ ہو چکی تھی۔

"بس ایک سب کو میں ہی لاپرواہ لگتی ہوں۔" فاطمہ کی بڑبڑاہٹ بیلا صاف سن سکتی تھی۔ لیکن فی الحال وہ صرف اپنی میگی میں الجھی ہوئی تھی۔

بیلا بھی ایک انسان تھی، اور وہ ابھی اپنے ماحول میں اپنا کردار ڈھونڈ رہی تھی۔

رات کا کوئی آخری پہر تھا جب فاطمہ پیاس پر اٹھی تھیں۔ نیند سے بوجھل آنکھیں سے وہ پانی پینے کچن میں آئی۔ پانی پی کر وہ واپس کمرے کی طرف جا رہی تھیں جب بیلا کے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹھکی۔ وہاں آدھ کھلے دروازے سے روشنی باہر آ رہی تھی۔

فاطمہ کے ماتھے پر بل گہرے ہوئے تھے۔وہ آہستگی سے بیلا کے کمرے کا دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہوئی۔

"بیلا۔"فاطمہ ہلکا سا بڑبڑائی۔

بیڈ خالی تھا۔روشنی بیڈ کے دوسری طرف سے آرہی تھی۔

"تم ابھی تک ٹیب دیکھ رہی ہو؟"اب کہ فاطمہ غصے سے بولی تھی۔تیزی سے بیڈ کے دوسری طرف آتی وہ ایک دم کسی چیز سے پیر ٹکرانے پر منہ کے بل گری تھی۔

"آہ ہ ہ۔۔۔۔"کراہتی،اپنی کمر سہلاتی وہ سیدھی ہورہی تھی جب اچانک دروازہ کھٹاک سے بند ہوا تھا۔فاطمہ بجلی کی سی تیزی سے مڑی۔سامنے بند دروازے کے آگے وہ ہی تھی۔

پھٹے کان والے خرگوش کا سر پہنے ایک ہاتھ میں چھری تھی۔وہی چھری جو فاطمہ نے اپنا گلا کاٹنے کے لیے بیلا کو خود تھمائی تھی۔

"یہ کیا حرکت ہے بیلا؟"غصے اور خوف کی ملی جلی کپکپاتی سی آواز میں فاطمہ بولی تھی۔

اچانک بیلا کے سسکنے کی آواز آئی۔وہ رو رہی تھی۔

"امی مجھے ڈر لگ رہا تھا۔میرے بیڈ کے نیچے مانسٹر ہے۔"بیڈ کی طرف اشارہ کرتی وہ وہیں کھڑی ہچکیاں لیتی رو رہی تھی۔

"اف۔۔۔"فاطمہ نے ایک لمبا سانس خارج کیا۔

"تو تم اس چھری سے اس مانسٹر کے مارنے والی تھی۔اور یہ خرگوش کا سر کہاں سے واپس آیا ہمارے گھر۔"نرمی سے بولتیں فاطمہ اسکے قریب آئی۔حیرت لیکن متوازن لہجے میں کہتی۔

"لاؤ یہ چھری مجھے دو۔"فاطمہ نے ہاتھ آگے بڑھایا۔

خرگوش کے سر سے اٹھی کچرے کی بدبو سیدھی فاطمہ کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔

"اف یہ سر بھی دو۔گندا۔پھینکوں میں اسے۔"اب کے فاطمہ غصے سے بولی۔

لٹکے کان والا وہ خرگوش کا سر تیزی سے نفی میں ہلا تھا۔

"بیلا"فاطمہ غصے سے بولی،پھر ہاتھ بڑھا کر وہ سر بیلا کے سر پر سے اتارنا چاہا اور اگلے ہی پل۔۔۔۔

فاطمہ کی چیخ نکلنے سے پہلے ہی کہیں دب گئی تھی۔اسکے پہلو کے گرم گوشت میں کچھ سرد گھسا تھا۔سرد اور تیز دھار۔۔گوشت کو چیرتا ۔۔پل پھر کو کمرے میں خاموشی چھائی تھی۔گھڑی کی ایک ٹک پھر اگلی۔۔۔۔فاطمہ نے ابلتی آنکھوں سے نیچے دیکھا۔چھری مکمل اسکے پیٹ کی ایک طرف گھونپی ہوئی تھی اور چھری کا دستہ بیلا کے ہاتھ میں تھا۔

فاطمہ دو قدم پیچھے ہوئی۔ہاتھ چھری پر گیا۔لڑکھڑاتے قدموں سے وہ پیچھے کو چلتی ایک دم کھڑکی سے جا لگی۔چوپٹ کھلی کھڑکی سے آتے جھونکوں سے انکے کھلے بال انکے چہرے کو ڈھانپ رہے تھے۔خوف سے ابلتی آنکھوں سے فاطمہ بیلا کو دیکھ رہی تھی۔

"ا۔۔اک۔۔۔اک۔۔۔اکبر۔۔۔اکبر۔۔۔" گھٹی گھٹی آواز بمشکل کمرے کے بند دروازے سے ٹکرا کر واپس لوٹ رہی تھی۔

بیلا ہچکیوں سے روتی فاطمہ کے قریب آئی تھی۔

"امی آپکو بھی ڈر لگ رہا ہے؟"

"اکبر۔۔۔اکبر۔۔۔۔" چھری والی جگہ دونوں ہاتھوں سے پکڑے وہ مسلسل چلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"مجھے مزہ آ رہا ہے۔۔۔" بیلا کی روتی آواز ایک دم ہنسی اور کھکھلاہٹ میں بدل گئی۔

اسکا جسم حرکت نہیں کر پارہا تھا۔ مسلسل خون بہنے سے اسکی ٹانگیں سن پڑ رہی تھیں۔فاطمہ نے چھری کھینچی جس کے نکلتے ہی خون اور تیزی سے بہنے لگا۔چھری اسکے ہاتھ سے گر گئی۔ سر چکرانے لگا۔

بیلا کچھ اور آگے بڑھی اور فاطمہ کو وہیں کھڑکی سے باہر کو دھکیل دیا۔فاطمہ کو سنبھلنے کا موقع بھی نا ملا اور وہ وہاں تیسری منزل سے کچرے کے ڈھیر پر جا گری۔

رات کے آخری پہر دور کہیں بھونکتے کتوں کی آواز اب قدرے قریب آتی جا رہی تھی۔آدھا کچرے کے ڈھیر میں دھنسا فاطمہ کا وجود فی الحال کچھ اور سمجھنے سے قاصر تھا۔اسکے پہلو سے بھل بھل بہتہ خون کچرے کے ڈھیر کو بھی سرخ کرتا جا رہا تھا۔سر کے پچھلے حصے میں اٹھتی ٹھیس اسکے حواس مزید غائب کر رہی تھی۔زبردستی کھینچتی سانسوں میں نظر وہاں اس چوپٹ کھلی کھڑکی پر ہی موجود تھی۔پھٹے کان سے باہر لٹکتی روئی والا خرگوش کا سر اپنی ایک آنکھ سے بہت فرصت سے فاطمہ کو دیکھ رہا تھا۔

اب کے سانسوں نے مزید حرکت کرنے سے انکار کر دیا تھا، سینے میں اٹکی آخری سانس کو بمشکل باہر تک لانے کی کوشش میں فاطمہ کے تڑپتے وجود نے آسمان پر پھیلتی ہلکی ہلکی نیلاہٹ کو دیکھا تھا اور پھر وہاں اس خرگوش کے سر کے پیچھے سے نکلتا بڑا، گہرا، سیاہ سایہ اسکے وجود کو اوپر پھیلنے لگا۔پورا آسمان اور پھر آخری دھندلاتی نظر اور سینے میں اٹکا آخری سانس۔۔۔۔۔۔

"فاطمہ۔۔۔"

وہ اکبر تھے۔ابھی ابھی بیلا کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے تھے۔

"بیلا تمہاری امی۔۔۔۔۔"

اکبر کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ اندھیرے میں ڈوبے کمرے میں انہیں لگا انکا پیر کسی مائع پر پڑا تھا۔اکبر نے جھنجھلا کر لائٹس آن کیں۔

روشنی سے مانوس ہوتے ہی انکی آنکھوں نے اگلا جو منظر دیکھا وہ انکا دل دہلا دینے کو کافی تھا۔

دروازے سے کھڑکی تک جاتا خون کا ایک دریا تھا۔کھڑکی کی دیوار اور کھڑکی خون آلودہ تھی۔اور سامنے بیڈ کے ساتھ لگی بیٹھی بیلا ہونقوں کی طرح کبھی اکبر اور کبھی کھڑکی کو دیکھ رہی تھی۔

اکبر ڈگمگاتے سے قدموں کے ساتھ کھڑکی تک گئے اور ایک نظر نیچے جھانک کر دیکھا۔

ہلکی ہلکی پھیلتی روشنی میں وہاں کچرے پر ایک وجود ساکن پڑا تھا۔

"نہیں۔۔۔" اکبر بے یقینی کے عالم میں پورے بیلا کی طرف مڑے تھے۔

"تم۔۔۔۔ تم نے اپنی ماں کو مار دیا؟" وہ سکتے کی سی کیفیت میں بولے۔

"میں نے نہیں میرے دوست نے مارا ہے۔" بیلا نے قریب پڑے خرگوش کے سر کی طرف اشارہ کیا۔

"امی نے اسے کھڑکی سے پھینکا تھا۔اس نے امی کو پھینک دیا۔امی کہتیں ہیں جو جیسا کرتا ہے اسکے ساتھ ویسا ہی ہوتا ہے۔"

اکبر کے سینے میں ایک دم جیسے ایک درد کی لہر سے اٹھی۔دونوں مٹھیوں سے سینہ بھینچتے زمین پر بیٹھتے چلے گئے۔

"تم نے اپنی ماں کو مار دیا بیلا۔۔۔۔ تم۔۔۔ تم۔۔۔۔ سائیکو۔۔ تم نے اپنی ماں کو۔۔۔ تم۔۔"

موجودہ کہانی

(چپڑاسی کے بیٹے کے قتل والی رات)

گرلز پرائمری اسکول سے کچھ فاصلے پر موجود سرکاری کواٹرز میں سے ایک کواٹر میں ابھی بھی بلب جل رہا تھا۔ پیلے بلب کی روشنی کواٹر کی اکلوتی کھڑکی سے جھلکتی باہر پڑی برف کی دبیز تہہ پر پڑ رہی تھی۔

چوبیس پچیس سالہ وہ نوجوان مسلسل ریڈیو پر چینل آگے پیچھے کرتا، خبریں سننے کی کرشش کر رہا تھا پر فریکونسی ہے کہ سیٹ ہو کر ہی نہیں دے رہی تھی۔ وہ ریڈیو اٹھا کر کھڑکی کے قریب آیا۔ سرد ہوا کا جھونکا اسکے وجود سے ٹکڑایا۔ کواٹر کے ایک کونے میں پڑی انگیٹھی کافی حد تک کواٹر کو گرم رکھے ہوئے تھی۔

کھڑکی سے بلکل سر ٹکائے بیٹھا تھا کہ اچانک کھڑکی کے جنگلے پر کسی کا ہاتھ پڑا۔ وہ ڈر کر یک دم سے پیچھے ہوا۔

"مد۔۔۔۔دد۔۔۔۔مدد کرو۔" گھٹی سی آواز میں کوئی کھڑکی کا جنگلا پیٹ رہا تھا۔ پہلے پہل تو وہ نوجوان مارے خوف کے اپنے بستر میں گھسنے لگا۔ اس سنسان علاقے میں یوں باہر نکلنا ٹھیک نہیں تھا۔ کچھ دیر میں کھڑکی کے باہر خاموشی چھا گئی۔ مارے تجسس کے آخر وہ بستر سے نکلا اور کھڑکی سے باہر جھانکا۔ دور دور تک کسی بشر کا نام ونشان نہیں تھا۔

نا جانے کیا سوجھی کہ وہ دروازے کی طرف آیا۔ کنڈی کھول کو ذرا سا کھولا اور باہر جھانکا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اسکی ہڈیوں میں سرائیت کرنے لگے۔ وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ اس نے وہیں دروازے کے قریب پڑے بوسیدہ سے جو گرز پیروں میں اڑسے اور کپکپاتا دروازہ کھول کر باہر آیا۔

دونوں قدم باہر نکالے ہی تھے کہ کسی احساس کے تحت وہ کواٹر کے کونے کی طرف چلا آیا۔ وہاں کوئی تھا۔ جیسے کوئی فورا بھاگ کر گیا ہو۔

"ک۔۔۔ک۔۔۔ک۔۔۔کو۔۔۔کون۔۔۔۔کون ہے؟" کہتا وہ کواٹر کی پچھلی طرف آیا۔

تمام کواٹرز کی لائٹس بند تھیں۔ چاند کی چاندنی بھی نہیں تھی۔ بس اندازا اندھیرے میں ٹٹولتا ادھر ادھر نگاہ دوڑانے لگا۔

جب کوئی دیکھائی نا دیا تو واپس جانے کو پلٹا۔

یوں بر فباری میں وہ مزید باہر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔بھاگتا وہ کواٹر کے پچھلے حصے سے نکل کر سامنے کی طرف آیا جہاں دروازہ تھا۔

سردی سے کپکپاتا وہ دروازہ کھولنے لگا جب اسکے ہاتھ وہیں فریز ہو گئے۔

دروازے پر تالا پڑا تھا۔

اس نے سخت اچنبھے سے دروازے کی جانب دیکھا۔اب کے سردی سے زیادہ خوف اسکی ہڈیوں میں سرائیت کر رہا تھا۔وہ بوکھلاہٹ میں دروازہ پیٹنے لگا۔تالا کھینچنے لگا کہ کھول لے۔ساتھ ساتھ آس پاس بھی نظریں دوڑاتا جارہا تھا۔خوف سے اسکی حالت پتلی ہو رہی تھی۔اسی میں اس نے کواٹر کے پیچھے سے ایک سایہ نکلتا دیکھا۔سیاہ ہڈی میں ملبوس،ایک ہاتھ کچھ تھا۔جیسے کوئی کلہاڑا یا شاید کوئی اور اوزار۔۔۔۔۔

نوجوان کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔وہ دو قدم لڑکھڑاتا پیچھے کو جا گرا۔

"نہیں۔۔۔۔نہیں۔۔۔۔میں نے کچھ نہیں دیکھا۔مجھے کچھ نہیں پتا۔"وہ اب تجسس میں باہر آنے کو کوس رہا تھا۔

لیکن سیاہ لبادے میں ملبوس وہ شخص آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اسی کی طرف آرہا تھا۔وہ نوجوان یکدم اٹھا اور سڑک کی طرف دوڑ لگا دی۔اور پھر بنا دیکھے وہ اندھا دھند بھاگے گیا۔کواٹرز ختم ہونے پر پرائمری اسکول کی عمارت شروع ہوتی تھی۔اس نے مزید کچھ سوچے بغیر پرائمری اسکول کے گراؤنڈ کی دیوار پھلانگی اور اندر چلا گیا۔اسکی جیب میں دروازے کی چابی تھی وہ دروازہ کھول کر بھی جا سکتا تھا لیکن خوف اور بوکھلاہٹ میں اسے بس یہی سوجھا تھا۔ گراؤنڈ پار کر کے وہ کلاسز کی طرف آیا۔لمبی راہداری جسکے دونوں اطراف میں قطار میں کلاسز تھیں مکمل اندھیرے میں ڈوبی تھی۔

دل ہی دل میں آیت لکرسی پڑھتا وہ ایک کلاس میں جا گھسا اور سب سے آخری بینچ کے پیچھے چھپ گیا۔سخت سردی میں بھی اسکے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

کتنی ہی دیر تو خاموشی رہی پھر اچانک باہر راہداری میں سے کوئی آواز ابھری۔جیسے فرش پر کچھ گھسیٹا جارہا ہو۔عجیب دِل خراش سی آواز۔

آواز اِسی طرف آرہی تھی۔

خوف سے اسکے منہ سے ہچکی نکلی۔آواز قدرے بلند تھی اس نے فورا دونوں ہاتھوں سے منہ کو ڈھکا۔

وہ بینچوں کے نیچے سے کمرے میں داخل ہوتے شخص کے سیاہ بوٹس دیکھ سکتا تھا۔وہ اسی طرف آرہا تھا۔

نوجوان نے فوراوہاں سے جست لگائی اور کھڑکی سے پچھلی احاطے میں کود گیا۔

کھڑکی پھلانگتے ہوئے وہ بری طرح سے رپٹ کر گرا تھا، لڑکھڑاتا وہ جھاڑیوں میں جا گرا۔۔۔

پورا جسم دکھنے لگا تھا۔۔۔ قدم اٹھانا اور مزید دوڑنا دوبھر ہو گیا تھا۔۔۔ موت سر پر کھڑی تھی وہ جانتا تھا۔۔۔

"مدد۔۔۔ مدد۔۔ کوئی مدد کرو میری۔۔۔"

روتا وہ بمشکل چلایا تھا۔

سیاہ لبادے والا شخص اس کے سر پر کھڑا تھا۔ اس نوجوان کو اپنی سانس بند ہوتی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ سینے میں جیسے ایک دم کھچاؤ پڑا۔۔ گویا کسی نے اس کا دل پکڑ کر مٹھی میں بھینچ دیا ہو۔

تکلیف سے تڑپتے اگلے چند لمحوں بعد میں اسکا جسم ساکت ہو گیا۔

سیاہ لبادے والا شخص اس کے قریب بیٹھ گیا۔ سیاہ ہڈی سے اس کے باریک ہونٹ اور تھوڑی جھلک رہے تھے۔۔۔ وہاں مسکراہٹ تھی۔۔۔ ایک بڑی سی مسکراہٹ۔۔ جس کے پیچھے ننھے ننھے سفید دانت جھلک رہے تھے۔

پھر اس نے اپنی جیب سے ایک پاکٹ سائز چاقو نکالا اور قدرے احتیاط سے اس کی کلائی پر چاقو کی نوک سے کچھ الفاظ کریدنے لگا۔۔۔

"R.I.P"

اپنی کاروائی مکمل کر کے ایک نظر اس نوجوان کے سفید ہوتے چہرے پر ڈالی اور سیاہ گلوز سے ڈھکے ہاتھ سے اس کا چہرہ تھپتھپایا۔

"گُڈ بوائے۔۔"

وہاں خاموش کھڑی عمارت نے ایک زنانہ آواز صاف سنی تھی۔ اور لال اور سفید کی اِس کتھا میں ایک اور آواز کا اضافہ۔ ایک خنکتی سی خوبصورت آواز، ایک ماحول میں وحشت پیدا کرتی بے خوف سی آواز۔

"بیلا کو اچھا لگتا ہے جب لوگ اس سے ڈرتے ہیں۔" لہجے میں فخر اور خود پسندی عروج پر تھی۔

برف باری اپنے زوروں پر تھی۔۔۔

لاش کے سردی سے نیلے پڑتے جسم پر۔۔۔۔۔ برف کے نرم و ملائم سفید گالے آ کر اٹکنے لگے تھے۔

رات کی سیاہی، ایک اور کھیل ختم ہونے پر لاش کے گرد اکٹھی ہو کر رقص کرنے لگی تھی۔۔۔ وہاں کھڑی اسکول کی خاموش عمارت اس سب کی گواہ تھی۔۔۔ پر وہ بے زباں تھی۔

یہ بیلا کی دنیا تھی۔

لال اور سفید۔

سرد اور وحشی۔

COMSATویونیورسٹی،ایبٹ آباد کیمپس، گرلز ہاسٹل کی تیسری منزل پر قطار میں موجود کمروں میں ،آخری کمرے کا دروازہ پوری قوت سے دھڑا دھڑ بجایا جارہا تھا۔

کمرے میں موجود دونوں صنف نازک دم سادھے ایک دوسرے کی شکل دیکھنے میں مصروف تھیں۔

بلاشبہ دروازہ پیٹنے والی وارڈن ہی تھی۔پر پرائیوٹ انویسٹیگیٹر فل مون ابھی تک واپس نہیں لوٹی تھی۔اور ان دونوں کی جان بنی ہوئی تھی۔اگر آج وارڈن کو پتا چل گیا تو ان تینوں کی سسپنشن پکی تھی۔

اچانک کمرے کی کھڑکی سے رسی اندر پھینکی گئی۔فنزا نے جھپٹ کر رسی پکڑی اور اُسے کھڑکی کی اندرونی طرف دیوار میں لگے ایک کنڈے(جو کہ پردہ اٹکانے کو استعمال ہوتا ہے) سے باندھ دیا۔

"تو تم لڑکیاں دروازہ نہیں کھولو گی۔" وارڈان نے چلاتے ہوئے کہا۔

ردا نے روئی کی بالز بنائیں اور اپنے کانوں میں ٹھونس کر اپنے بستر میں گھس گئی۔فنزا نے بھی رسی باندھی اور روئی کانوں میں اڑس کر بستر میں گھس گئی۔

وارڈن اب آخری حربہ کے طور ماسٹر کی سے دروازہ کھول رہی تھی۔دروازہ کُھلتے ہی گھپ اندھیرا وارڈن کو منہ چڑا رہا تھا۔

"میں نے خود اسے پچھلا باغ پھلانگتے دیکھا ہے کہاں ہے وہ بندر۔آج تو تم لوگوں کو مجھ سے کوئی نہیں بچا سکتا۔" مسلسل غصے سے بولتی اب وہ دیوار کے بٹن ڈھونڈ رہی تھی۔بورڈ پر ہاتھ پڑتے ہی سارے بٹن آن ہو گئے۔کمرہ ایک دم روشنی میں نہا گیا۔

ایک پل کو سناٹا سا ہوا۔وارڈن نے دو بستروں میں جھانکا۔ردا اور فنزا کانوں میں روئی گھسائے بے ہوش پڑی تھیں۔پھر تیسرا بیڈ وہ خالی تھا۔

"پکڑ لیا۔" کہتی وارڈن کھڑکی کی طرف آئی۔اس سے پہلے کے وہ تیسرا بیڈ پار کرتی کھڑکی تک پہنچتی اسکے پاؤں بری طرح کسی چیز سے ٹکرائے۔وہ تقریبا گرتے گرتے بچیں۔

وہ حالہ تھی۔رضائی آدھی بستر پر،آدھی نیچے، تکیہ فرش میں اسکے پیروں کے پاس اور خود وہ آڑی ترچھی زمین پر پڑی سارے گدھے گھوڑے بیچ کر سونے میں مصروف تھی۔

وارڈن نے تفتیشی نگاہوں سے بند کھڑکی اور ان تینوں کو دیکھا۔ کانوں میں روئی ہونے کی وجہ سے وہ دروازہ سن نہیں پائیں۔ حالات تو یہی بتاتے تھے۔

وارڈن کمرہ جانچتی واپسی دروازے کی طرف چل دی۔

اور اس لمحے میں ہالہ نے جس بجلی کی تیزی سے مٹھی میں بھینچی روئی کانوں میں دی تھی، وہی جانتی تھی۔

وارڈن ایک دم پلٹی۔ اسے ہالہ کے کانوں میں روئی دیکھائی نہیں دی تھی۔

"آہا پکڑی گئی۔" تیزی سے کہتی وارڈن واپس آئی۔

پر یہ کیا۔ دونوں کانوں میں روئی آدھی اندر، آدھی باہر لٹک رہی تھی۔

وارڈن نے کھا جانے والی نظروں سے اس آڑی ترچھی ہالہ عرف بندر کو دیکھا تھا۔ پھر پیر پٹختی واپس چلی گئی۔

وارڈن کے دروازہ بند کر کے، دور جاتے قدموں کی آواز تھمی تھی کہ ایک بھاری بھرکم کتاب ہالہ کے اوپر پہنچی گئی تھی۔

"میں بتا رہی ہوں ہالہ، اگلی دفعہ میں خود جا کر وارڈن کو بتا کر آؤں گی تمہارے بارے میں۔" وہ فنزا تھی۔

ردا بھی اپنے بستر میں اٹھ بیٹھی تھی۔ پلش ٹوئز(plush toys) سے بھرے بیڈ کے درمیان بیٹھی وہ بھی زمین پر چت پڑی ہالہ کو ہی گھور رہی تھی۔

"اتنی ہمت ہے تم دونوں میں۔" وہ ڈھٹائی سے بولی۔

"میں ڈوبی تو تم دونوں کو بھی لے کر ہی ڈوبوں گی، فکر نہ کرو۔"

"تمہیں پتا ہے نا کہ صبح کتنا اہم ٹیسٹ ہے اور اوپر سے ہے بھی سر وقاص کا۔"

ہالہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"واٹ۔"

"نہیں تم کرو آوارہ گردیاں۔ کل ٹیسٹ میں بھی وہی لکھ کر آنا، جو جاسوسیاں کرتی پھر رہی ہو۔"

اور ہالہ کی شکل پر برستی مسکینیت، اگر جو کوئی اس وقت دیکھ لیتا تو بغیر ٹیسٹ دیے ہی پاس کر دیتا۔

ہالہ نے وہی کتاب جو تھوڑی دیر پہلے، اس پر نازل کی گئی تھی۔ اٹھائی اور کھول کر پڑھنے لگی۔

فنزا نے دوسری کتاب اس پر پھینکی۔

"اسکا نہیں۔ اس کا ٹیسٹ ہے۔" اور دو کتابیں مزید پھینکیں۔

"اور یہ رہی ریفرینس بکس۔"

"تم کتنی اچھی ہو فنزا۔" ہالہ نے آنسو بھری آنکھوں سے فنزا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

اگلا رجسٹر فنزا نے ہالہ کے منہ پر مارا تھا۔

"اور یہ رہے نوٹس۔" کہتی فنزا واپس بستر میں گھس گئی۔ ردا پہلے ہی لیٹ گی تھی۔

"اللہ تمہیں بہت اجر دے گا۔" مصنوعی بھیگی آواز میں ہالہ کتابیں اور نوٹس کھولنے لگی۔

"پر ٹاپک کیا تھا؟" اب تو بے چارگی عروج پر تھی۔ اب کی بار ردا نے ایک پلش ٹوئے اٹھا کر ہالہ کے سر پر مارا اور ساتھ ہی ایک ایک لفظ توڑ توڑ کے ٹاپک کا نام بتایا۔

"تم دونوں کنفرم جنتی ہو۔ مجھ سے لکھوا لو بھلے۔"

شکر گزار لہجے میں کہتی ہالہ اب دماغ پر زور ڈالتی لیکچر زیاد کرنے لگی۔

وہ تینوں کریمنولوجی میں بیچلرز کر رہی تھی۔ یہ انکا تیسرا سال تھا۔

ردا اور فنزا سے اسکی دوستی روم میٹ بننے کے بعد ہوئی تھی۔

وہ جو نیچے بیٹھے پڑھتے پڑھتے اونگھ رہی تھی۔ ایک دم سر سائڈ ٹیبل سے ٹکرانے پر کراہ کر سیدھی ہوئی۔

"آہ۔۔۔" تلملاتے ہوئے اس نے کتاب بند کی۔

پڑھنا مشکل تھا۔ بہانا بنانا آسان۔۔۔

سو کتاب بند کر کے وہ واپس فرش پر چت ہو گئی۔ دماغ میں تانے بانے بننے لگی۔

جرم اور مجرم کی دنیا سے اسے بچپن سے ہی لگاؤ تھا۔ اسکے ابو ریٹائرڈ پولیس آفیسر تھے۔ سو جرم اور مجرم یہ الفاظ وہ بچپن سے ہی سنتی آئی تھی۔

پرائیویٹ انوسٹیگیٹر بننا اسکا جنون تھا۔ شرلاک ہومز کو جتنا اس نے پڑھ رکھا تھا اتنا تو اپنے سبجیکٹ کو بھی نہیں پڑھا ہو گا۔ خوابوں میں تو وہ خود کو شرلاک ہومز سے انعام لیتا بھی دیکھ چکی تھی۔

“The Sherlockholmes junior”

بظاہر تو وہ پرائیویٹ انوسٹیگیٹر بننے کی بلکل اہل نہیں تھی۔ لیکن پھر بھی چھپ چھپ کر وہ اپنی اس خواہش کو تسکین کرتی رہتی تھی اور یہ بات صرف ردا اور فنزا جانتی تھیں۔ اور خود کو پرائیویٹ انوسٹیگیٹر فل مون کہہ کر جس قدر اندرونی سکون اسے ملتا تھا، صرف وہی جان سکتی تھی۔

"تم کہاں چل دی ہالہ؟"

وہ تینوں ابھی ابھی ٹیسٹ دے کر کلاس روم سے باہر آئی تھیں جب ہالہ نے ایک دم رُخ گراؤنڈ کی طرف کر لیا۔ فنزا نے پیچھے سے لگائی تھی۔

"تم لوگ جاؤ کل کے ٹیسٹ کی تیاری کرو میں، میں آتی ہوں ایک آدھ گھنٹے تک۔" عجلت میں کہتی وہ تقریباً وہاں سے فرار ہو چکی تھی۔

فنزا اور ردا کا رخ ڈورمز کی طرف تھا۔ وہ جانتی تھیں کہ وہ آدھی رات سے پہلے تو نہیں لوٹنے والی تھی۔

وہ صرف ایک ضرورت "نیند" ہی پوری کرنے ڈورم کی طرف آتی تھی۔ ورنہ اسکا بس چلے تو سارہ دن سڑکوں اور گلیوں میں ہی رہے۔

یونیورسٹی کے اندر تو گرمائش تھی لیکن باہر آتے ہی سخت سردی اسکی ہڈیوں میں اتری تھی۔ اس نے کمر کے گرد باندھی سیاہ جیکٹ اپنی اسکن کلر کی ہڈی کے اوپر پہنی اور بیگ سے مفلر نکال کر منہ اور کانوں کے گرد لپیٹ لیا۔ بیگ میں موجود کیمرا اور دوسری چیزیں چیک کیں پھر مطلوبہ منزل کی طرف چل دی۔

کچھ دیر بعد وہ ایبٹ آباد گرلز پرائمری اسکول کے قریب موجود، ملازموں کے لیے بنائے گئے کوارٹرز پر پہنچ گئی تھی۔

دراصل اسے کچھ دن قبل ایک کال ریسو ہوئی تھی۔ جو کہ یہاں گرلز پرائمری اسکول سے کچھ فاصلے پر موجود اسے ایک عمارت کے تعمیراتی عملے سے ایک شخص کی تھی۔ اسکے مطابق اسکا بھائی پچھلی راتوں سے غائب ہے اور وہ پولیس سے رابطہ نہیں کرنا چاہ رہا تھا کیونکہ وہ اور اسکا بنگالی بھائی، وہ غیر قانونی طرف پر یہاں پاکستان میں مقیم ہیں۔ سو وہ یہ مسئلہ پرائیوٹ انوسٹیگیٹر فل مون مطلب کہ ہالہ کے پاس لایا تھا۔

ہالہ خود کو کمپوز کرتی بلکل نارمل بی ہیو کرتی اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔ غائب شدہ شخص کے بھائی کے مطابق اسکا بھائی رات کے وقت اسکول کی طرف موجود ایک کھوکھے سے سگرٹ خریدنے گیا تھا اور پھر واپس نہیں لوٹا۔

کچھ دیر کی خواری کے بعد ہالہ کو وہاں موجود اکلوتا کھوکھا دکھائی دیا۔اس نے بڑے سے سن گلاسز اپنی ناک پر ٹکائے اور چہرے کے گرد اچھے سے شال لپیٹ لی(جو وہ بیگ میں رکھ کر لائی تھی) یوں کے اسکا تقریبا جسم بھی ڈھک چکا تھا۔

"چاچا یہاں پان ہو گا؟"الفاظ کو بھاری اور رعب دار بناتی وہ وہاں قریب پڑی کرسیوں کی طرف مڑی۔حلیہ سے وہ ساتھ موجود گورنمنٹ اسکول کی ٹیچرز جیسی ہی لگ رہی تھی۔

"جی میم جی۔۔۔۔کیسا پان لاؤں؟"

"ذرا زیادہ میٹھا اور ہاں ساتھ چائے کا ایک کپ بھی۔"آواز کا رعب برقرار تھا۔آواز کو بھاری رکھنے کی بھرپور کوشش کی جا رہی تھی۔

کچھ دیر میں کھوکھے کے مالک نے ایک چھوٹا سا کپ اور پان ہالہ کے سامنے رکھا۔ایک دفعہ تو سب کچھ بھول کر ہالہ نے ایک نظر اس کپ کو دیکھا تھا۔وہ جو ایک وقت میں تین بڑے چائے کے مگ پی جاتی تھی یہ تو صرف اسکا ایک گھونٹ تھا۔

"ستر روپے ہو گئے میم جی۔"

ہالہ نے سو کا نوٹ نکال کر اسکی جانب بڑھایا۔

"بقایا بھی رکھ لیجئے گا۔"

اور پھر اس دو گھونٹ چائے کو جس قدر ہو سکتا تھا،سست روئی سے پیتی وہ کھوکھے پر آتے جاتے گاہکوں کا معائنہ کر رہی تھی۔

"چاچا آپکے گاہک پکے ہوتے ہیں کیا؟"

گم شدہ شخص کے بھائی کے مطابق اسکا بھائی ہمیشہ ایک ہی کھوکھے سے سگرٹ لینے جاتا تھا۔

"ہاں جی میم۔۔۔۔یہاں قریب میں اور کوئی کھوکھا نہیں ہے نا۔"

"ہمممم۔۔۔۔۔"سست روئی سے پان کا بھرپور معائنہ بھی جاری تھا۔

"اچھا تو پچھلے دنوں سے آپکا کوئی پکا والا گاہک غیر حاضر تو نہیں؟"

آجی اتنے گاہکوں میں کچھ خاص یاد تو نہیں رہتا پر وہ بنگالی بچہ نہیں آیا۔وہ ہر رات سگرٹ لینے آتا ہے۔کتنا کہتا ہوں اسے کہ سگرٹ پینا چھوڑ دے یا تھوڑا کم کر دے پر اسکے کان پر جوں بھی نہیں رینگتی ہے۔"اپنی دھن میں کہتے چاچا مسلسل چائے میں ڈوبو چلا رہے تھے۔

"ہاں جی بس کیا کہیں آج کل کی نسل کو۔۔۔"گھٹنے پر گھٹنا چڑھاتی،شال مزید پھیلاتی وہ گویا ہوئی۔

"بس سگرٹ ہی پینے آتا تھا یا اور بھی کوئی کام کرتا تھا یہاں۔"ظاہرا سڑک پر گزرتی گاڑیاں دیکھتی وہ لاپرواہی سے بولی۔

چچا ذرا ہنسے تھے۔

"اور کیوں آئے گا بھلا۔اسکی منگیتر اس اسکول میں ملازمہ ہے۔رات وہ یہیں باقی ملازماوں کے ساتھ ایک کواٹر میں رہتی ہے۔بس اسے دیکھنے آتا تھا۔سگرٹ تو دوسرے نمبر پر تھی جی۔"

"ہم م م۔۔۔۔۔"چائے ختم ہونے کو تھی۔سو گھونٹ تھوڑے اور چھوٹے ہونے لگے۔

"پر جی ابھی کچھ دنوں سے یہاں اسکول میں بڑا برا واقع ہوا تھا۔لوگوں کا تو کہنا ہے کہ اسکول پر کوئی سخت قسم کا سایہ ہے۔وہ چپڑاسی ہے نا اسکول کا وہ مرا ملا اسکول کے پچھلے حصے میں۔کوئی خون یا مارنے کا نشان بھی نہیں۔ڈاکٹر صیب تو کہتے تھے کہ خوف سے مرا ہے بیچارا۔ہارٹ فیل ہو گیا،رات کے ٹیم مرا بیچارا۔"

"وہ رات کو وہاں کیا کر رہا تھا؟"ہالہ نے اس واقع کے بارے میں سنا ضرور تھا لیکن وہ اتنی تفصیل نہیں جانتی تھی۔سو ایک دم سے متجسس ہوئی۔

چپڑاسی بھی اسی رات مرا تھا جس رات سے وہ بنگالی غائب تھا۔ہالہ کا اچھنبا بڑھا تھا۔

کچھ سوچتے آخر اس نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھا۔پھر شال ٹھیک کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ پل بھر کو ٹھٹکی،اچانک سے پرے ایک سو اسی کے زاویہ پر گھومی۔۔۔۔۔کوئی تھا،اسے ایک عجیب موجودگی محسوس ہوئی تھی،وہ جو کوئی بھی تھا اسے ہی دیکھ رہا تھا۔۔پر ہالہ کو بغور دیکھنے پر بھی وہاں کوئی دیکھائی نا دیا۔

پھر خیالات جھٹکتی وہ سڑک کی طرف آ گئی۔اسکا رخ اسکول کے قریب موجود ملازمین کے کواٹرز کی طرف تھا۔

گیسٹ اسپیکر سیشن کچھ ہی دیر میں شروع ہونے والا تھا۔

آج ہالہ کی یونیورسٹی میں سائیکو پیتھی پر گیسٹ اسپیکر سیشن تھا۔وہ تینوں دوسری رو میں بیٹھی تھیں۔

ہال میں ابھی ابھی گیسٹ اسپیکر داخل ہوئے تھے۔فزا نے موبائل میں گھسی ہالہ اور ردا کو کہنی ماری اور جگایا۔

گیسٹ اسپیکر نشتوں کے آگے سے گزرے،اسٹیج پر چڑھ رہے تھے۔

"How handsome mannnn..."۔

فزا کی نظریں بھی ساتھ ساتھ ہی اسٹیج کی طرف جا رہی تھیں۔

ہالہ نے سر اٹھایا۔سامنے دیکھا۔

میرون ڈریس پینٹ کوٹ میں گردن میں مفلر لٹکایا ہوا تھا۔سیاہ چمکدار بال سلیقے سے جمے تھے۔

"اسلام و علیکم ایوری ون۔"

ہالہ جاگی۔

"آئی ایم آرش۔۔آرش ارمغان، پی ایچ ڈی ان کریمینولوجی۔"

اور پھر وہ اسپیکر اپنا تعارف مکمل کرنے لگا۔

"کھڑوس سا ہے۔" ہالہ نے منہ چڑھایا۔

"He is doctorate in criminology"

فنزا ابھی تک اسپیکر کے سحر سے باہر نہیں آئی تھی۔ہالہ نے ٹیڑھی آنکھوں سے فنزا کو گھورا۔

"ندیدی۔ہونہہ۔۔۔" پھر کہتی واپس اپنے فون پر مگن ہو گئی۔

"لیٹس اسٹارٹ اباؤٹ آوور ٹاپک۔فرسٹ آف آل، میں یہاں کسی کو کسی بھی بات پر متفق کرنے نہیں آیا اور نہ ہی کسی کے beliefs کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کروں گا۔ہاں بس کچھ فیکٹس ہیں جو آپ لوگوں سے شئیر کروں گا۔"

ہال میں صرف اسپیکر کی آواز گونج رہی تھی۔ہالہ نے فون سے واپس سر اٹھایا۔اسپیکر کی آواز عجیب انداز میں اسے اٹریکٹ کر رہی تھی۔

"سائیکوپاتھ!"

ٹاپک کا آغاز ہوا۔

"اگر میں کہوں یہاں اس وقت آپ لوگوں کے درمیان ایک سائیکوپیتھ موجود ہے تو آپکا ری ایکشن کیا ہو گا؟"

ہال میں خاموشی ہوئی پھر ایک ہاتھ بلند ہوا۔

"Sir I got goosebumps just by the word psychopath!"

وہ کوئی دبلا پتلا سا لڑکا تھا۔

آرش مسکرا دیا۔اور ہال میں لگی بڑی سی اسکرین پر ایک تصویر آن کی۔

"یہ کون ہے؟"

"جوکر!۔۔۔" تمام ہال ایک ساتھ بولا تھا۔وہاں سامنے مشہور ہالی ووڈ فلم جوکر کا مرکزی کردار موجود تھا۔

The mental one, the crazy one ۔"That's how you all saw the psychopaths
"۔and always behind the bars of jail

"کیونکہ آپ نے ہمیشہ سائیکو پیتھس کو یوں ہی دیکھا ہے، پاگل، کریزی اور جیل کی سلاخوں کے پیچھے۔"

(وہاں قیدیوں سے بھری جیل کے سامنے سے ڈاکٹر التمش فائلز اٹھائے گزر رہے تھے۔دس سالہ آرش بھی ان کے ساتھ تھا۔آج وہ ضد کر کے ساتھ چلا آیا تھا۔اور یہاں صرف جیل تھی، سلاخیں تھیں اور قیدی۔۔۔ان میں سے کچھ قیدیوں کو نکالا گیا اور ایک ایک کمرے میں الگ الگ بٹھا دیا گیا۔)

"پتا ہے اور زیادہ مزے کی بات کیا ہے؟ کہ ریسرچ اور اسٹڈی بھی ہمیشہ جیل کی سلاخوں کے پیچھے بیٹھے قیدیوں پر ہی کی گئی ہے۔"

(ڈاکٹر التمش اور آرش ایک کمرے میں آ گئے۔ڈاکٹر التمش نے فائلز کھولیں اور قلم کا ڈھکن ہٹایا پھر اس قیدی سے سوالات پوچھنے شروع کیے۔آرش خاموشی سے قریب کھڑا، قیدی کی ساکت آنکھیں دیکھ رہا تھا۔)

"لیکن اگر میں آپ کو یہ بتاؤں کہ سب سے کامیاب بزنس مینز، پولیس آفیسرز، ٹاپر اسٹوڈنٹس، کامیاب سرجنز، کامیاب وکیل۔ان سب میں بھی سائیکو پیتھ چھپے ہوتے ہیں تو کیا آپ میری بات کا یقین کریں گے؟"

ہال میں ایک دفعہ پھر خاموشی چھا گئی۔

"شکل سے تو یہ خود ہی سائیکو پیتھ لگ رہا ہے۔یار مجھے اتنی عجیب Creepy سے vibe آ رہی ہیں اس سے۔" ہالہ پھر بولی تھی۔

فنزا نے اس دفعہ زیادہ زور سے کہنی ماری۔

"تھوڑی دیر کے لیے اپنا ڈیٹکٹیو مائنڈ شٹ ڈاؤن کرو۔اور خاموشی سے لیکچر سنو۔"

"سائیکو پیتھس دو طرح کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جو صرف سائیکو پیتھک ٹریٹس(psychopathic traits)شو کرتے ہیں۔دوسرے وہ جو اصلی سائیکو پیتھ ہوتے ہیں۔اب وہ جو صرف سائیکو پیتھک ٹریٹس شو کرتے ہیں انکا علاج ممکن ہے۔لیکن ایک سو فیصد اصلی سائیکو پیتھ کا علاج ممکن نہیں۔وہ بہت بڑا Manipulator ہوتا ہے۔وہ اپنے سائیکاٹرسٹ تک کو Manipulate کر سکتا ہے۔اور جہاں تک سائیکو پیتھی کا تعلق جرم کرنے سے ہے تو یہ ایک مختلف بحث ہے۔جرم کی طرف آپکو آپکے اندر کی برائی لے کر جاتی ہے۔چاہے آپ سائیکو پیتھ ہوں یا ایک عام انسان۔ہاں فرق یہ ہے کہ ایک عام انسان جرم کر تو لیتا ہے لیکن وہ اپنے جرم کو چھپا نہیں پاتا، Manipulate نہیں کر پاتا اُسے افسوس ہو سکتا ہے، پچھتاوا، ندامت۔جب کہ ایک سائیکو پیتھ دھوکا بازی میں ماہر ہوتا ہے۔وہ آپکو، آپکی نظروں کے سامنے بہت آسانی سے چکمہ دے کر نکل جاتا ہے۔"

کہتا آرش خاموش ہوا تھا۔ہالہ جو کہ لیکچر میں قدرے مگن ہو چکی تھی، کسی ٹرانس سے جاگی۔ سر اٹھا کر دیکھا۔

وہاں سامنے اسٹیج پر کھڑا اسپیکر بوتل منہ کو لگائے پانی پی رہا تھا۔اور۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہالہ ٹھٹھکی، ٹیڑھی آنکھ کیے ایک طرف سے وہ ہالہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔

ہالہ کے جسم میں ایک جھر جھری سی دوڑی تھی۔ چہرہ واپس نیچے جھکایا۔

"کیا وہ مجھے جانتا ہے؟"

پھر کچھ سوچ کر سر اٹھایا۔ وہ ہالہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔ہالہ فوراً اٹھی۔

"تم کہاں چل دی؟" ردا نے فون سے سر اٹھایا۔

"وہ میری طبعیت کچھ ٹھیک محسوس نہیں ہو رہی۔ تم لوگ باقی کا لیکچر لو۔ میں جا رہی ہوں۔" کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ بس اپنا بیگ اٹھایا اور وہاں کے Exit دروازے کی طرف دوڑ لگادی۔

آرش نے بوتل منہ سے ہٹا کر ڈھکن بند کیا اور اس دوران میں اسکی نظر نے Exit دروازے سے نکلنے والی اس لڑکی کا پیچھا کیا، حتی کہ وہ نظروں سے غائب ہو گئی۔

ہالہ واپس لیکچر میں نہیں گئی تھی بلکہ کسی سوچ کے تحت یونی سے باہر آگئی۔اسکا دماغ منتشر تھا۔ عجیب سی فیلنگیز تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔اس اسپیکر کی نظروں کا سوچ سوچ کر اسکے رونگٹے کیوں کھڑے ہو رہے تھے۔وہ خود نہیں جانتی تھی۔ وہ سیدھی ہاسٹل میں آگئی اور کمرے میں جا کر لیٹ گئی۔اور پھر نا جانے کب اسکی آنکھ لگ گئی۔

شام کوئی پانچ، ساڑھے پانچ کا وقت تھا جب وہ ایک دم جاگی۔

"ہاں۔۔۔۔ ہاں وہ کیسے بھول گئی۔ایسا بھی تو ہو سکتا ہے، اس بنگالی کا بھائی کبھی اس عمارت سے نکلا ہی نا ہو۔"

نا جانے ایسا کیا خواب آیا تھا۔ جو وہ یوں اٹھ بیٹھی۔ فوراً اسنے اٹھ کے انہیں کپڑوں پر سوئیٹر پہنا، کوٹ پہنا۔ پاؤں میں جو گراز سے اور بیڈ کے کنارے سے مفلر اٹھا کر باہر کی طرف بھاگی۔ ہاسپٹل کی راہداری میں چلتے چلتے، بال اکٹھے کئے اور بازو میں پہنی پونی اُتار کر اُس میں جکڑے۔ اپنا ضروری سامان پر مشتمل بیگ بھی وہ اٹھا چکی تھی۔

اسے رات ہونے سے پہلے اس پرائمری اسکول کے قریب کھڑی اس زیر تعمیر عمارت میں پہنچنا تھا۔اسے لگا وہ بہت اہم حصہ بھول گئی تھی۔۔۔۔۔۔۔۔۔بہت اہم حصہ۔۔۔۔۔۔۔

پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر وہ اس زیر عمارت کے سامنے اوبر (Uber) سے اتری اور ڈرائیور کو پیسے دیتی عمارت کی طرف چل دی۔ دن ابھی بھی کھڑا تھا لیکن بس غروب ہونے کے قریب۔۔۔اس عمارت کی تعمیر کافی عرصے سے رکی ہوئی تھی۔ سو فی الحال وہاں کوئی نہیں تھا۔ بجری، پتھر، سیمنٹ کے ڈھیر پھلانگتی وہ عمارت کی بیسمنٹ میں آئی۔ اور وہاں ایک کونے میں بنی سیڑھیاں کی طرف گئی جو اوپر کی طرف جاتی تھیں۔

سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر وہ رکی تھی۔ ایک گہرا سانس لیا۔ سارا راستہ طے کر کے اب اسے یاد آیا کہ وہ اکیلی ہے۔ اسے سو کر اٹھتے ہی یاد آیا تھا کہ وہ بنگالی کا بھائی شاید یہیں قید ہو۔ اسی عمارت میں کسی نے اسے اغوا کر رکھا ہو یا آگے سوچنے سے پہلے اس نے پہلا قدم پہلی سیڑھی پر رکھ دیا۔ وہ فی الحال آگے نہیں سوچنا چاہتی تھی۔

اور یہیں وہ اپنے سو کالڈ، پرائیوٹ ڈیٹکٹو کیریر کی سب سے بڑی بیوقوفی کرنے چلی تھی۔

اس چودہ منزلہ عمارت کی دسویں منزل پر پہنچ کر اسکی ٹانگیں مزید چلنے سے انکار کر چکی تھیں۔ دور مغرب کی اذانیں شروع ہو چکی تھیں۔ دن جلد ہی رات میں ڈھلنے والا تھا۔

باقی منزلوں کی طرح دسویں منزل پر پہنچ کر اس پوری منزل گھوم کر دیکھی۔ وہاں کافی سارے کارٹن بکھرے پڑے تھے۔ ہالہ پاؤں سے کارٹن ہٹاتی اندھیرے میں ماحول ٹٹول رہی تھی۔ جب اسکا پاؤں کارٹن کی بجائے کسی سخت چیز سے ٹکرایا۔

ہالہ ٹھٹھکی۔ اسکی چھٹی حس سیکنڈ سے پہلے ایکٹو ہوئی تھی۔ اسکا پیر کسی چیز نہیں بلکہ جسم سے ٹکرایا تھا۔ ہالہ دو قدم پیچھے ہوئی، بڑبڑاہٹ میں بیگ سے ٹارچ نکالی۔ سامنے پڑے جسم پر ٹارچ پڑنے کی دیر تھی اور ہالہ کی چیخ بلند ہوئی۔

"اوہ شوٹ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔" اگلے ہی پل اس نے ہاتھ سے اپنا منہ دبایا۔

ٹارچ کی روشنی میں اسے سامنے پڑے وجود پر رینگتے کیڑے صاف دیکھائی دے رہے تھے۔ جسم جگہ جگہ سے گل چکا تھا۔۔۔۔ اور چہرہ۔۔۔۔۔

ہالہ کو لگا وہ ابھی قے کر دے گی۔

اسکے ماتھے پر کچھ کھدا تھا، شاید کوئی الفاظ تھے۔ اور آنکھوں پر پٹی بندھی تھی۔ اسکی ٹارچ چلنے بجھنے لگی۔ شاید اسکے سیل ختم ہو رہے تھے۔

ہالہ نے بڑبڑاہٹ میں اس پر ہاتھ مارا اور ٹارچ نیچے جا گری۔ ہالہ نے جھپٹ کر ٹارچ اٹھائی اور واپس اس جگہ پر ڈالی۔ اب کہ اس کی آنکھیں جہاں تھیں وہیں فریز ہو گئیں۔ اس گلتے وجود کی دوسری طرف دو بھورے بوٹس صاف دیکھائی دے رہے تھے۔ ہالہ کا دل

کسی رفتار سے دوڑنے لگا تھا۔ٹارچ کی روشنی آہستہ آہستہ سامنے کھڑے وجود پر اوپر کو سرکنے لگی۔بھورے بوٹس پر سیاہ جینز، سیاہ لیدر کی جیکٹ۔۔۔۔۔ہالہ کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔روشنی کا ہالہ اس شخص کے چہرے پر گیا جو کہ سیاہ پی کیپ کی تلے چھپا ہوا تھا۔

''کک۔۔۔۔کک۔۔۔۔۔کون۔۔۔۔کون ہو تم؟''ہالہ فرش پر بیٹھے بیٹھے ہی پیچھے کو ہوئی۔سیاہ پی کیپ والا سر ذرا اٹھا تھا۔چہرہ واضح ہوا۔

وہ نظریں۔۔۔۔۔۔وہ نظریں ابھی بھی بلکل ویسی ہی ہالہ پر گڑی تھیں۔

''کو کون ہو تم؟'ہالہ فرش پر بیٹھے بیٹھے ہی پیچھے کو ہوئی تھی۔سیاہ پی کیپ والا سر ذرا اٹھا۔چہرہ واضح ہوا۔

وہ نظریں۔۔۔۔۔۔وہ نظریں ابھی بھی ویسے ہی ہال پر گڑی تھیں۔

''آآ۔۔۔۔۔۔۔آرش سر آپ؟''ہالہ بمشکل بڑبڑائی۔

آرش نے ہاتھ میں پکڑی ٹارچ کی روشنی ہالہ کے چہرے پر ڈالی۔

ہالہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

''مم۔۔۔۔میں میں۔۔۔۔۔ہالہ۔۔۔''

آرش نے اپنی پاکٹ سے اپنا پولیس کارڈ نکالا اور ہالہ کے سامنے لہرایا۔

ہالہ کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

''ن ن۔۔۔۔نہیں نہیں آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔میں نے اسے نہیں مارا۔میں۔۔۔۔۔میں تو بس۔۔۔''ہالہ چپ ہوئی۔وہ اپنی ایل لیگل پرائیوٹ انوسٹیگیشن کے بارے میں نہیں بتا سکتی تھی۔

''میں جانتا ہوں۔''آرش کہتا نیچے بیٹھ گیا۔

اچانک عمارت کے قریب ایک جیپ رکنے کی آواز آئی تھی۔

''پولیس؟''ہالہ بولی۔بلکہ تقریبا چلائی۔

''ہمم مم۔۔۔۔۔''آرش اب لاش کا معائنہ کر رہا تھا۔

اگلے کچھ لمحوں میں آرش کی پوری ٹیم یہاں موجود تھی۔سرمد لاش کی تصویریں لینے لگا۔فارنسک ٹیم اپنا سامان رکھ رہی تھی۔

علایا اور ابراہیم بھی داخل ہوئے۔

ہالہ اس سب میں ہونکوں کی طرح ایک طرف کھڑی تھی۔

"ہالہ!" تقریباً چیختی آواز ہالہ کے کانوں میں ٹکرائی۔

وہ علایا تھی۔

اوکے ڈن۔۔۔۔۔ہالہ کا سو کالڈ پرائیوٹ انویسٹیگٹر کا کئریر برباد ہو چکا تھا۔ وہ کم از کم علایا کے ہاتھوں پکڑی جانا نہیں چاہتی تھی۔

"ہاں میں۔۔۔" کہتی ہالہ مڑی۔ وہ ڈری ہوئی تھی، پر یہ بات وہ مر کر بھی علایا کے سامنے ظاہر نہیں ہونے دے سکتی تھی

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" علایا کا لہجہ سخت تھا۔

"بلکہ ایک منٹ۔۔۔ایک منٹ ڈونٹ ٹیل می کہ تم پھر وہی پرائیوٹ انویسٹیگیشن۔۔۔۔۔" اور یہ بات پوری ہونے سے پہلے ہی ہالہ کا کان علایا کے ہاتھ میں تھا۔

"تم تو سب سے پہلے جا کر بیٹھو پولیس کار میں، تمہاری تو آج خیر نہیں۔" اور علایا نے دوسرے ہاتھ سے ہتھکڑی نکال کر ہالہ کے ہاتھوں میں ڈالی۔

"سعد اسے لے جا کر بٹھاؤ۔" علایا نے اسے ابھی ابھی داخل ہوتے سعد کی طرف دھکیلا۔

"واٹ ہمیں آخری سسپیکٹ مل گیا۔ اتنی آسانی سے۔" سعد گن نکالتا آگے آیا۔ ہالہ کو کہنی سے پکڑا۔

ہالہ نے جھٹکے سے کہنی چھڑوائی۔

"سسپیکٹ مائے فٹ۔ مجھے گاڑی بتاؤ کہاں ہے۔"

"پہلا مجرم دیکھا ہے جسے اتنی جلدی ہے جیل جانے کی۔"

ہالہ بنا جواب دیئے وہاں سے چل دی۔

علایا لاش کے قریب آئی۔ لاش سے اٹھتی بدبو اسکے نتھنوں سے ٹکرائی۔

"اوہ مائے گاڈ۔" ناک ڈھکتی وہ نیچے بیٹھی۔

آرش نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی جو کہ دستانے ہاتھوں پر چڑھاتی لاش کا معائنہ کرنے لگی تھی۔

"اس چپڑاسی کے بیٹے کی موت کے رات، اصل میں مجرم اِسے مارنے والا تھا، وہ لڑکا تو بس غلطی سے اس کھیل میں شامل ہوا اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا۔" آرش بولا تھا۔

علایا نے سر اٹھایا۔

"تمہیں کیسے معلوم ؟"

آرش نے اسکے چہرے پڑی بوسیدہ پٹی کی طرف اشارہ کیا جو کہ یقیناً آنکھیں پھوڑ کر باندھی گئی تھی۔

"یہ پٹی اس ملازم کی آنکھوں پر نہیں تھی۔"

"آہ ہ ہ ہ۔۔۔۔۔بات تو سہی ہے" علایا نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر ٹھٹھکی،

وہ آرش کی بات کی حمایت کر رہی تھی۔ فوراً منہ بند کیا۔ یہ تو وہ مر کر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ آرش کی حمایت۔۔۔۔۔

پھر وہ وہاں سے اٹھ گئی۔ آرش واپس چہرہ جھکاتا، وہی استہزائیہ مسکراہٹ مسکرایا تھا۔

"میں کچھ غلط نہیں کر رہی تھی۔ صرف اپنی جاب کر رہی تھی۔"

"اور کس نے آلاٹ کی ہے آپ محترمہ کو یہ جاب ؟" علایا بولی

وہ سب وہاں آفس میں اپنے اپنے کیبنز میں موجود تھے۔ اور علایا انویسٹیگیٹر ہالہ کی کلاس لے رہی تھی۔ ہالہ علایا کی دور کی کزن تھی اور وہ دونوں ہمیشہ سے ہی ایک دوسرے سے چڑتی تھیں۔

"اور اگر ابھی میں یہ بات تمہارے ابو کو بتا دوں تو، تمہیں کتنی دفعہ کہا ہے کہ یہ غیر قانونی ہے۔"

ہالہ نے جواباً صرف اسے گھورا تھا۔ پھر ایک دم بولی۔

"میرے پاس اس بنگالی کی ساری معلومات ہے۔"

"یو۔۔۔شٹ اپ۔۔۔۔ تم ابھی اٹھو اور واپس اپنے ڈورم جاؤ۔ تمہاری وارڈن کتنی غیر ذمہ دار ہے۔ اسے خبر ہی نہیں کہ ایک اسٹوڈنٹ آدھی رات کو غائب ہے۔"

"ہاہاہا۔۔۔۔ وہ بیچاری بہت بیوقوف ہے۔" ہالا نے صاف اپنی چالاکی کی تعریف کی۔

"شٹ اپ۔۔۔۔"

"پر میرے پاس بہت کام کی انفارمیشن ہے۔" ہالہ پھر بولی۔

اچانک آرش انٹروگیشن روم میں داخل ہوا۔

"ٹھیک ہے، تم بتا سکتی ہو کہ تمہارے پاس کیا معلومات ہے۔" کہتا وہ ابھی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

وہ ہالہ کو ایک دو دفعہ پہلے بھی اس اسکول اور کواٹرز کے آس پاس منڈلاتا دیکھ چکا تھا، لیکن پھر اسے سیمینار کے دوران بھی دیکھ کر اسے شاید ہالہ کے ارادے سمجھ آچکے تھے،

"ایک شرط ہے کہ یہ بات میرے ابو تک نہیں جائے گی۔"

"تم کتنی بے شرم ہو ہالہ۔۔۔" علایا پھر بولی تھی۔

"اوکے نہیں جائے گی۔" آرش نے بات ختم کی اور دونوں کہنیاں میز پر ٹکاتا ہاتھ کی انگلیاں جوڑیں اور پوری توجہ سے ہالہ کو دیکھنے لگا۔

"تو تم کیا جانتی ہو؟"

وہ دونوں ہی خاموش ہو گئی تھیں۔ ہالہ کو ایک دفعہ پھر وہ نظریں کچھ خاص بھائی نہیں تھیں۔ وہ اتنی سرد کیوں تھیں۔

"وہ شخص بنگالی ہے اور اپنے بھائی کے ساتھ غیر قانونی طور پر یہاں رہ رہا تھا۔ وہ دونوں بھائی ہی اس عمارت میں مزدور تھے۔ اس کے بھائی نے مجھے ہائیر کیا تھا۔ کیونکہ وہ کسی پولیس کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

"اور کس سلسلے میں "ہائیر" کیا تھا۔" آرش نے لفظ ہائیر پر زور دیا۔

"کہ اس کا بنگالی بھائی غائب ہے۔ اور میں اسکا پتا لگواؤں۔"

علایا بظاہر غصے میں پیچھے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی پر غیر ارادی طرف پر وہ آرش کی پشت پر نظریں ٹکائے بیٹھی تھی۔

"اگر آپ اسی Intensity سے میری کمر میں گھورتی رہیں گئیں تو میری کمر میں دو سوراخ ہو جائیں گے مس علایا۔"

اور علایا کے جیسے اتھو چھڑ گیا۔ وہ کھانستی سیدھی ہوئی۔

آرش نے قریب پڑی پانی کی بوتل کہنی سے علایا کی طرف کھسکا دی اور ہالہ سے سوالات جاری رکھے۔

"شرمندگی، آرش اور علایا۔" یہ اب ہمیشہ کے لیے ایک ساتھ ہی لکھ دیئے گے تھے۔

علایا بوتل اٹھاتی روم سے باہر چلی گئی۔

"اور تم آج اس عمارت میں کیوں آئی تھی؟" آرش نے لہجہ ذرا بدلا تھا۔ شاید ذرا نرم ہوا تھا۔

"مجھے شک ہوا کہ شاید وہ کبھی عمارت سے نکلا ہی نا ہو۔"

"صرف شک؟"

ہالہ گڑبڑائی۔ آرش کو دیکھا۔ آرش پھر بولا۔

"تم نے اسے دیکھا ہے رائٹ؟"

"دیکھا۔۔۔۔۔ن ن۔۔۔۔ نہیں تو۔۔۔۔۔میں نے تو کسی کو نہیں دیکھا۔" ہالہ بیٹھے بیٹھے بے آرام ہوئی تھی۔

آرش مسکرایا تھا۔ پھر فائل بند کرتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"ثابت ہو گیا کہ آپ مس علایا کی ہی رشتے دار ہیں۔"

آر فنیج

وہ ایبٹ آباد کا اکلوتا یتیم خانہ(Land Of Heaven) تھا۔اور اسکے بڑے سے گیٹ کے سامنے میں اتنی چھوٹی کیوں لگ رہی تھی۔

"ابو؟"۔۔۔۔۔۔

ابو نے تو اسی دن اپنا ذہنی توازن کھو دیا تھا جس دن میرے دوست (خرگوش) نے امی کو کھڑکی سے باہر پھینک دیا۔اور اب ابو پاگل خانے میں ہیں۔

"رشتہ دار؟۔۔۔۔۔وہ کیا ہوتے ہیں؟"

"میں نے اپنی زندگی میں کوئی رشتہ دار نہیں دیکھے۔ خیر مجھے دیکھنے بھی نہیں ہیں۔"

"مجھے یہ جگہ پسند آئی۔ یہاں بہت سارے بچے ہیں میری طرح۔ یہاں امی ابو نہیں ہیں۔ کوئی حکم چلانے والا نہیں ہے۔"

"ارے بیٹا آؤ تمہیں تمہارے کمرے میں لے جاؤں۔" وارڈن سوچوں میں ڈوبی بیلا کو مخاطب کرتے بولی۔

بیلا خاموشی سے انکے ساتھ چل دی۔ وہاں بچے تھے۔ چھوٹے، بڑے، لڑکے، لڑکیاں۔۔۔۔۔

بیلا بہت شوق سے انہیں جانچتی چلی جا رہی تھی۔ وارڈن نے بیلا کے سارے اصول بتائے۔اور اسکے کمرے میں چار ساتھیوں کے ساتھ چھوڑ دیا۔

"ہم لوگ پہلے پانچ لوگ تھے۔ پھر ہم میں سے ایک لڑکی اور اڈاپٹ کر لیا گیا۔" چیچک زدہ چہرے والی ایک لڑکی بولی۔

بیلا بہت تجسس نے انہیں دیکھ رہی تھی۔اس ماحول کو سمجھ رہی تھی۔

"تم یہاں کیسے آئی؟" چھوٹے قد والی بولی۔

بیلا نے کندھے اچکا دیئے۔

چھوٹی قد والی نے بیلا کے جواب کو اپنی بے عزتی سمجھتے ہوئے منہ بنایا اور وہ سب بیلا کو چھوڑ کر باہر کھیلنے چلی گئیں۔

بیلا کو آئے ابھی مشکل سے پانچ دن ہی ہوئے تھے جب یتیم خانے میں ایک جوڑا بچہ ایڈاپٹ کرنے کے لیے آیا تھا۔انکی ڈیمانڈ کے مطابق کچھ لڑکیوں آفس میں بلوائی گئیں تھیں۔جن میں بیلا بھی شامل تھی۔

"ناجانے وہ بچہ ایڈاپٹ کرنے آئے تھے یا خریدنے۔" بیلا نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔

ان بچیوں میں بیلا ایک طرف کھڑی تھی۔اسکے چہرے پر مستقل مسکراہٹ تھی اس جوڑے میں عورت کا نام فضیلہ اور مرد کا نام اصغر تھا۔فضیلہ مسکراتی بیلا کے قریب آئی۔

"بیٹا تمہارا نام کیا ہے؟"

"بیلا!"

"اوہ ہ ہ۔۔۔۔۔ دیکھو تو ذرا اپنا خوبصورت چہرہ اور اتنی خوبصورت آواز۔اصغر یہ بچی تو میرے دل کو لگ گئی ہے۔" فضیلہ بیلا کے گالوں کی چٹکی لیتے ہوئے بولی۔

"اس کی ماں ابھی ریسنٹلی پراسراری طور پر ماری گئی ہے اور اسکا باپ دماغی توازن کھو کر پاگل کھانے میں پڑا ہے۔ذرائع کا کہنا ہے کہ اس کے باپ نے اسکی ماں کو مار دیا اور خود دماغی توازن کھو بیٹھا۔

پرنسپل کی بات سن کر فضیلہ ایک دم سے سوگوار سی ہوگئی۔اور کسی ترس کھاتی نگاہوں سے بیلا کو دیکھا۔

"بیچاری معصوم بچی۔بس میں نے تو فیصلہ کرلیا ہمارے ساتھ یہ ہی جائے گی۔"

پرنسپل جواباً مسکرائیں۔

"جیسا آپ کو بہتر لگے مس فضیلہ۔بس آپکو کچھ کاغذی کاروائی نپٹانی ہوگی اور پھر آپ بیلا کو اپنے ساتھ لے کر جاسکتی ہیں۔"

اب کے وہ جوڑا پرنسپل سے باقی کی تفصیلات ڈسکس کر رہا تھا اور بیلا باقی لڑکیوں کے ساتھ واپس اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"تم؟۔۔۔۔" بیلا زیرلب بڑبڑائی تھی۔

وہ ایبٹ آباد کا اکلوتا بڑا یتیم خانہ تھا۔وہاں یوں ٹکرا جانا کچھ خاص اتفاق نہیں تھا۔

بیلا باقی بچوں کے ساتھ لان میں کھیل رہی تھی جب اسے وہ دکھائی دیا۔وہ لان کے آخری بینچ پر بیٹھا، گم سم سا بچوں کو بھاگتا دوڑتا دیکھ رہا تھا۔

وہ بھاگتی اس کی طرف جارہی تھی جب ٹھٹھکی، رکی۔

ابھی ابھی ایک شخص لان میں داخل ہوا تھا۔سب بچے اس شخص کی طرف لپکے تھے۔بیلا رک کر دیکھنے لگی وہ اس شخص سے قدرے فاصلے پر تھی۔

اچانک اس شخص کے پیچھے سے ایک بچی نکلی۔

"الہام؟" بیلا حیرت سے بڑبڑائی تھی۔پھر ایک دم مسکرائی۔

"کیا الہام مجھ سے ملنے آئی ہے؟" وہ خوشی اور حیرت سے اس کی طرف جانے لگی جب اس کے قدم فریز ہوئے۔

چاکلیٹس اور کینڈیز سے بھرا شاپر لیے الہام وہاں لان کے آخری بینچ کی طرف دوڑتی جا رہی تھی۔بیلا کی مسکراہٹ سمٹی وہ رخ بدل کر لان کے اطراف میں لگے درختوں کے پیچھے آگئی۔اور پھر خاموشی سے اس آخری بینچ کی طرف چل دی۔

وہاں بینچ کے قریب پہنچ کر بیلا رکی۔وہ اس وقت مکمل درخت کی آڑ میں تھی۔

الہام اس بچے کی دوسری طرف آکر بیٹھی اور چاکلیٹ کھول کر اسے دی۔جو وہ خاموشی سے کھول کر کھانے لگا۔الہام مسکرا دی۔

"کیا پڑھ رہے ہو؟"

بیلا کو الہام کی آواز سنائی دی۔شاید وہ اس بچے سے کچھ پوچھ رہی تھی۔

"آؤ ہم کھیلتے ہیں۔" جواب نا آنے پر الہام پھر بولی تھی۔اور پھر الہام اس بچے کو کھینچتی باقی بچوں کی طرف چل دی۔بیلا بھی درخت کے پیچھے سے نکل کر کچھ فاصلے پر انکے پیچھے آنے لگی۔

"آرش، آرش بیٹا آجاؤ ہاسپٹل کا وقت ہو گیا ہے۔" اچانک کوئی اس بچے کو پکارتا اسی طرف آرہا تھا۔

بیلا رکی۔

"آرش۔۔۔۔اوہ تو اسکا نام آرش ہے۔" وہ دل ہی دل میں بولی۔

اور پھر الہام سے کوئی الوداعی گفتگو کرتا وہ بچہ اس شخص کے ساتھ چل دیا۔الہام نے بھی اپنے ابو کی طرف دوڑ لگا دی۔

بیلا نے اسے آواز دینا چاہی تھی پر وہ کافی دور جا چکی تھی۔

بیلا نے رخ اپنے ڈورم کی طرف پھیر لیا اور پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی الہام سے الٹ سمت جانے لگی۔

"آرش۔۔۔۔۔۔۔۔آرش۔۔۔۔۔۔۔آرش۔۔۔۔۔۔" وہ نام یاد کرنے کی کوشش کو رہی تھی۔

بیلا

"لو یہ رہا تمہارا گھر آ گیا۔"

فضیلہ نے بیلا کا بیگ دروازے کے سامنے رکھا اور دورازے میں چابی لگانے لگیں۔ بیلا تجسس سے اطراف میں موجود چھوٹا سا لان اور اس میں لگے جھولے دیکھ رہی تھی۔

"یہاں اور بچے بھی رہتے ہیں؟" بیلا نے فضیلہ کا ڈوپٹہ پکڑ کر اسکو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں رہتے ہیں نا۔"

بیلا کا چہرہ ایک دم کھلا تھا۔

اصغر نے باقی سامان اُٹھایا اور پھر وہ سب گھر میں داخل ہو گئے۔ انکے اندر جانے کے بعد دروازہ بند ہوا تھا۔ ٹھک سے واپس لاک ہو گیا۔ اور ہاں دروازے کے باہر موجود لان پھر خاموش ہوا۔

ہاں وہاں بچے رہتے تھے۔۔۔۔

بہت سارے بچے۔۔۔۔

بہت معصوم بچے۔۔۔۔۔

بے قصور بچے۔۔۔۔۔

فضیلہ نے بیلا کو اسکا کمرہ دیکھایا۔ وہ گھر قدرے صاف تھا۔ لان، کچن، کوریڈور ہر جگہ جیسے ریت کا نام ونشان بھی نہیں تھا۔ بیلا اور فضیلہ کے پیچھے پیچھے اصغر بھی بیلا کا سامان لیے پہنچ گئے۔

کمرہ وسیع اور صاف ستھرا تھا۔ وہاں ایک بچے کی ضرورت کا ہر سامان موجود تھا۔ بیلا متجسس سی ہر ہر چیز کو چھو کر دیکھتی جاتی، ساتھ ساتھ ایک نظر ان دونوں پر بھی ڈالتی جاتی۔ وہ دونوں کندھے سے کندھا جوڑے دروازے میں کھڑے، مسکراتے بیلا کو دیکھ رہے تھے۔

"باقی بچے کہاں ہیں؟" بیلا کو جیسے دوبارہ یاد آیا۔

(وقت چھ ماہ پیچھے گیا۔ "باقی بچے کہاں ہیں۔" بڑے بڑے چشموں تلے موجود متجسس آنکھوں سے پوچھتی وہ دس سالہ اقراء تھی۔)

(وقت ایک سال پیچھے گیا۔ "باقی بچے کہاں ہیں۔" گہری رنگت پر موٹی سی ناک اور سیاہ گھنگریالے بالوں والا وہ بچہ انس پوچھ رہا تھا۔)

"وقت مزید کوئی ڈیڑھ سال پیچھے گیا۔" باقی بچے کہاں ہیں" سفید اور لال رنگت پر شہد سی آنکھیں لیے وہ بمشکل آٹھ سالہ انشراح پوچھ رہی تھی۔)

اور پھر وقت کے الٹے پہیے میں اس ایک سوال پر وہاں کوئی ان گنت چہرے تھے۔

"باقی بچے کہاں ہیں؟" اب کے چہرہ بیلا کا تھا۔

بیلا اکبر کا۔ سفید رنگت پر بھر بھرے سے گالوں اور گہری متبسس سیاہ آنکھوں والی بیلا اکبر۔

"وہ آجائیں گے جلد ہی۔۔۔۔بہت انتظار کر رہے تھے وہ بھی تم سے ملنے کا۔ آجائیں گے جلد ہی وہ بھی۔" فضیلہ کہتی بیلا کا سامان کھول کر الماری میں رکھنے لگیں۔

"ایک کام کرو تم ابھی سو جاؤ۔ شام کو ہم مارکیٹ جائیں گے تمہاری شاپنگ کرنے۔ تحفے بھی دلائیں گے اور گھمانے بھی لے کر جائیں گے۔ فضیلہ نے کہتے ہوئے اسکے گال پر چٹکی بھری تھی۔

بیلا جواباً کھلکھلا کر ہنس دی۔ اسے فضیلہ پسند آئی تھی۔ وہ فاطمہ سے زیادہ خیال رکھنے والی اور پیار رکنے والی تھیں۔

"آپ کو پتا ہے آپ میری امی سے زیادہ اچھی ہیں۔"

"میں جانتی ہوں۔" فضیلہ نے جواباً اسکی ننھی سی ناک دبائی۔

وہ گھر بلکل کوئی جنت جنت سا معلوم ہو رہا تھا۔ اور ہو بھی کیوں نا۔ وہاں بہت سارے بچے رہتے ہیں۔

ننھے ننھے بچے۔۔۔۔

بہت معصوم بچے۔۔۔۔

بے قصور بچے۔۔۔۔۔

"کھٹاک کھٹاک کھٹاک۔۔۔۔۔"

فضیلہ کچن میں کھڑی کٹنگ بورڈ پر سبزی کاٹنے میں مصروف تھیں جب گھر میں ادھر ادھر گھومتی پھرتی بیلا کچن میں آپہنچی۔

"کیا ہوا؟ گھر پسند نہیں آیا۔" فضیلہ مصروف سے انداز میں بولیں۔

"نہیں بہت اچھا ہے۔اس آر فینج سے تو بہت اچھا ہے۔مجھے اچھا لگا۔"

فضیلہ مسکرادیں۔

بیلا متوجہ سے فضیلہ کے ہاتھ میں چلتی چھری دیکھ رہی تھی۔

"کیا تمھیں کہانیاں پسند ہیں؟"فضیلہ نے بیلا کا ارتکاز توڑا تھا۔

"ہم م م م۔۔۔۔۔"بیلہ نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔

"تو کیا میں تمھیں ایک کہانی سناؤں۔"

فضیلہ اب کٹی سبزیاں ہانڈی میں ڈال رہی تھیں۔

بیلا نے پھر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

پرانی یونانی کتھائیں۔۔۔۔۔

اور ان کتھاؤں میں سے ایک کتھا تھی لامیا(Lamia) کی۔

فضیلہ کسی سریلی آواز کے ساتھ گویا ہوئی تھیں۔

"وہ کون تھی مام؟"وہ اب فضیلہ کو مام ہی بلاتی تھی۔

"وہ ایک بہت خوبصورت عورت تھی۔بہت رحم دل، ہر کسی کا خیال رکھنے والی ایک عام انسان۔"

"بلکل آپ کی طرح۔"بیلا کھلکھلائی تھی۔

فضیلہ بھی جواباً ہنس دیں۔

"پتا ہے بیلا پرانی کتھاؤں میں ایک مزے کی بات کیا ہوتی ہے کہ وہ ہوتی ہیں۔کیوں، کیسے، کتنی سچ، کتنی جھوٹ۔۔۔۔کسی کو پرواہ نہیں، پر وہ ہر دور میں ہوتی ہیں۔"

"لامیا بھی ہے؟"بیلا نے تجسس سے پوچھا۔

فضیلہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"پھر وہ بلکل آپ جیسی دکھتی ہو گی۔"

اب کے فضیلہ کھل کر مسکرائی تھی۔

"اور پھر پتا ہے ایک دن کیا ہوا؟"فضیلہ نے کہانی جاری رکھی۔

"ایک دن ایک یونانی دیوتا(Zeus)زیوس کو لامیا پسند آگئی۔"

"اور پھر اس نے لامیا سے شادی کرلی ہو گی۔" بیلا نے فورا بات کاٹی۔

"تمہیں کیسے پتا؟"

"باربی مویز میں بھی یہی ہوتا ہے۔ شہزادے کو ایک عام لڑکی پسند آجاتی ہے اور وہ اس سے شادی کرلیتا ہے۔"

فضیلہ ہنس دیں۔

"ہاں بلکل ایسا ہی ہوا پھر ان کی شادی ہوگئی اور پھر ان کے بہت سارے بچے ہوئے۔۔۔۔ لیکن۔۔۔"

فضیلہ سسپنس پھیلاتی رکی۔

بیلا ہما تن گوش ہوئی۔

"زیوس کی ایک بیوی تھی۔ ہیرا(Hera)۔اور اسے یہ بات پسند نہیں آئی تھی۔اسے لامیا اور اس کے بچے پسند نہیں تھے۔ سو ایک دن اس نے حسد اور غصے میں لامیا کے سارے بچے مار ڈالے۔"

"کیا لامیا کے کوئی اپنے نہیں تھے؟"

فضیلہ نے نفی میں سر ہلایا۔

"تبھی۔" بیلا نے جھٹ سے بات مکمل کی۔

اچانک فضیلہ ہانڈی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

"بہت چالاک ہو تم بیلا۔ کہاں سے سیکھی ہیں تم نے یہ باتیں؟"

"میری امی نے بتائی تھیں۔ وہ کہتی تھیں جن کے اپنے نہیں ہوتے انہیں مار سکتے ہیں۔"

فضیلہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اوہ آئی سی۔۔۔ اچھا خیر ابھی کہانی یہیں روکتے ہیں کھانے کا وقت ہے تمہارے ڈیڈ آنے والے ہونگے۔ چلو کھانا لگاتے ہیں۔"

بیلا پرجوش سی اٹھ کھڑی ہوئی اور کچن میں ادھر ادھر چیزیں دیکھنے لگی۔

فضیلہ نے بھاگتی پھرتی بیلا کو دیکھا تھا۔ پھر ایک گہری مسکراہٹ کے ساتھ واپس ہانڈی کی طرف متوجہ ہوئیں۔

آج چھٹی کا دن تھا۔اصغر کام پر نہیں گئے تھے۔ صبح سے ہی گھر میں بہت خاموشی تھی۔آسمان مکمل سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔بارش کسی بھی آن میں شروع ہو سکتی تھی۔بیلا گھر کے پچھلے لان میں لگے جھولے پر بیٹھی تھی۔چہرہ مکمل اوپر کو اٹھائے بادلوں کی حرکت دیکھتی لیکن دماغ کچھ اور سوچ رہا تھا۔اس نے کافی عرصے سے اپنا من پسندیدہ کھیل نہیں کھیلا تھا۔یہاں اس گھر میں کوئی تھا ہی نہیں نا کوئی جانور، نا کوئی پرندہ۔۔۔اور بچے۔۔۔۔پتا نہیں وہ بچے کہاں ہیں جن کا مام نے ذکر کیا تھا۔

اور یہ سب سوچ سوچ کر اسے چڑسی ہو رہی تھی۔یوں جیسے اسکی زندگی ایک دم سے فضول ہو گئی تھی۔کوئی فن نہیں، کوئی (violence) نہیں، کوئی Abuse نہیں۔

اچانک ایک انجانے سے شور پر وہ جاگی۔جھولے پر سیدھی ہو کر بیٹھی۔سامنے لان کے کونے میں اصغر اور فضیلہ مل کر کچھ کھدائی کا کام کر رہے تھے۔بیلا جھولے سے اتری اور بھاگ کر انکی طرف آئی۔

"یہ کیا ہے؟" لہجہ متجسس تھا۔

"یہاں آج رات ایک نیا پودا لگے گا۔اس کی تیاری ہو رہی ہے۔"فضیلہ نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

"کس چیز کا پودا؟"

"بہت خاص چیز کا پودا۔اور پتا ہے اسے تمہارے نام لگائیں گے۔

بیلا کا پودا۔۔۔۔"

اچانک بادل گرجے تھے۔تینوں نے یک دم سر اٹھائے آسمان کی طرف دیکھا۔بیلا ہنسی تھی۔

"آج کا دن بہت اچھا ہے۔"

چہکتے ہوئے کہا گیا۔

"یہ کیا ہے؟" لہجہ متجسس تھا۔

"یہاں آج رات ایک نیا پودا لگے گا۔اس کی تیاری ہو رہی ہے۔"فضیلہ نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

"کس چیز کا پودا؟"

"بہت خاص چیز کا پودا۔اور پتا ہے اسے تمہارے نام لگائیں گے۔

بیلا کا پودا۔۔۔۔"

اچانک بادل گرجے تھے۔تینوں نے یک دم سر اٹھائے آسمان کی طرف دیکھا۔بیلا ہنسی تھی۔

"آج کا دن بہت اچھا ہے۔"

چہکتے ہوئے کہا گیا۔

"کیا ہم اپنی اُس دن والی کہانی مکمل کریں؟"فضیلہ ہاتھ جھاڑتی کھڑی ہوئیں۔

"ہاں اپنے مجھے وہ کہانی پوری نہیں سُنائی تھی۔۔۔لامیا کے بچے مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے؟"

"آو اندر چلتے ہیں، باقی کا کام تمہارے ڈیڈ دیکھ لیں گے۔"فضیلہ بیلا کا ہاتھ پکڑے اندر کی طرف چل دی۔

"لامیا کے سب بچے مرنے کے بعد وہ بہت دُکھی ہوئی۔"

بیلا سامنے کچن کی سلیب پر بیٹھی تھی۔فضیلہ کہانی سُناتی دوسری طرف چہرہ کیے، کچھ کرنے میں مصروف تھیں۔۔کیا؟۔۔بیلا کو بھی یہی تجسس ہو رہا تھا، سو گردن اُٹھاتی وہ جھانکنا چاہ رہی تھی جب اچانک سے فضیلہ مڑی۔

بیلا واپس نیچے ہو کہ بیٹھ گئی۔

"اور پھر اُس میں غُصے اور نفرت کی آگ اِتنی بڑھ گئی کہ اُسنے بدلہ لینے کا سوچا۔"

فضیلہ کے ہاتھ میں ایک عام کچن کا چاقو تھا۔لیکن معمول میں استعمال ہونے والے چاقو سے تھوڑا بڑا۔

"اوہ! تو پھر کیا کیا اُس نے؟"

فضیلہ نے قریب شیلف سے ایک کٹنگ بورڈ اُٹھایا اور شیلف پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی بیلا کی گود میں رکھ دیا۔

"اور پھر اچانک سے بچے غائب ہونے لگے۔وہ راتوں کو سوتے تھے اور صبح بستروں سے غائب ہوتے تھے۔"

فضیلہ نے بیلا کا ایک ہاتھ پکڑا اور کٹنگ بورڈ پر رکھ دیا۔اچانک باہر ایک دفعہ پھر بجلی کوندی تھی۔ایک دم کو سب بہت روشن ہوا تھا۔اور اُس روشنی میں بیلا نے اپنے سامنے ایک لامیا کھڑی دیکھی تھی اور فضیلہ نے ایک شیطانی سا مُسکراتا چہرا۔لمحہ کی بات تھی اور ماحول واپس مدھم ہوا۔اور پھر ایک زوردار گرج گونجی تھی، گویا آسمان پھٹ گیا ہو۔

فضیلہ نے چاقو بیلا کے ہاتھ کی پُشت پر نرمی سے رکھا۔اور پھر آہستگی سے چہرا اُٹھا کر بیلا کی طرف دیکھا۔

(وقت چھ ماہ پیچھے گیا۔ فضیلہ نے چاقو اقراء کے ہاتھ کی پُشت پر نرمی سے رکھا۔ اور پھر آہستگی سے چہرا اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔ بڑے بڑے چشموں تلے موجود متوحش آنکھیں، خوف سے فضیلہ کو دیکھ رہی تھیں۔)

(وقت ایک سال پیچھے گیا۔ فضیلہ نے چاقو انس کے ہاتھ کی پُشت پر نرمی سے رکھا۔ اور پھر آہستگی سے چہرا اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔ گہری رنگت پر موٹی سی ناک اور سیاہ گھنگریالے بالوں والا وہ بچہ خوف سے سسکتا فضیلہ کو دیکھ رہا تھا۔)

(وقت مزید کوئی ڈیڑھ سال پیچھے گیا۔ فضیلہ نے چاقو انشرح کے ہاتھ کی پُشت پر نرمی سے رکھا۔ اور پھر آہستگی سے چہرا اُٹھا کر اُس کی طرف دیکھا۔ سفید اور لال رنگت پر شہد سی آنکھیں لیے وہ بمشکل آٹھ سالہ انشراح خوف سے اُونچی اُونچی روتی فضیلہ کو دیکھ رہی تھی۔)

اور پھر وقت کے الٹے پہیے میں اس خوفناک گرج پر کوئی ان گنت چہرے تھے۔

فضیلہ نے چاقو بیلا کے ہاتھ کی پُشت پر نرمی سے رکھا۔ اور پھر آہستگی سے چہرا اُٹھا کر بیلا کی طرف دیکھا۔

سفید رنگت پر بھرے بھرے سے گالوں اور گہری متجسس سیاہ آنکھوں والی بیلا اکبر، چہرے پر ایک بڑی سی مسکراہٹ سجائے فضیلہ کو دیکھ رہی تھی۔

ایک گہری، شیطانی مسکراہٹ۔

بارش ابھی بھی پورے زور و شور سے برس رہی تھی۔ وہاں فضیلہ اور اصغر کے گھر کے باہر بہت شور تھا۔ سائرن کا شور، پولیس کے ہارن اور لوگوں کی چہ مگوئیاں۔۔۔

وہاں گھر کے پچھلے لان کی کھدائی کر کے الٹ پلٹ کر دیا گیا تھا۔ ٹیمیں اپنی اپنی کاروائیوں میں مصروف تھیں۔ وہیں باہر آر فینج کی وین بھی کھڑی تھی۔ اگر وہاں اندر جایا جائے تو گھر کے کچن میں دو خون آلود تھا۔

اور اگر کچھ اور پیچھے جایا جائے تو لان کا منظر مزید دل دہلا دینے والا تھا۔

وہ بہت سارے بچے تھے۔۔۔۔

خاموش بچے۔۔۔۔

کھوئے بچے۔۔۔۔

فضیلہ نے چاقو بیلا کے ہاتھ کی پُشت پر نرمی سے رکھا۔اور پھر آہستگی سے چہرا اُٹھا کر بیلا کی طرف دیکھا۔

سفید رنگت پر بھرے بھرے سے گالوں اور گہری متجسس سیاہ آنکھوں والی بیلا اکبر، چہرے پر ایک بڑی سی مسکراہٹ سجائے فضیلہ کو دیکھ رہی تھی۔

ایک گہری، شیطانی مسکراہٹ۔فضیلہ کے ماتھے پے زرا کو تیور آئے تھے۔

"تمہیں لامیا سے خوف نہیں آرہا؟"

بیلا نے نفی میں سر ہلایا۔"نہیں کیونکہ لامیا اینڈ پہ مر جائے گی۔"

"تم سے کس نے کہا؟"

فضیلہ کی گرفت چاقو پہ زرا ڈھیلی ہوئی تھی۔بیلا ہنسی"مجھے کہانیوں میں ردوبدل کرنا پسند ہے، میں اپنی امی کو بھی ہمیشہ باتیں ردوبدل کر کے سُناتی تھی۔"کہتی اگلے ہی لمحے میں بیلا نے فضیلہ کے ہاتھ میں پکڑا چاقو پوری قوت سے گُھما کے، فضیلہ کے پیٹ میں گھونپ دیا۔

"فضیلہ۔"اصغر جو کہ ابھی ابھی کچن میں داخل ہوا تھا، یہ منظر دیکھ کر چلایا۔

بیلا نے چاقو فوراواپس کھینچا، فضیلہ اپنا پیٹ پکڑے پیچھے کو لڑکھڑائی تھی۔اور پھر سنک کے قریب جا گری۔

"تم *****"اصغر گالی نکالتا بیلا کے سر پر پہنچا، بیلا نے قریب پڑے چمچوں کے ریک سے ایک کانٹا نکالا، چاقو، اصغر اُس سے چھین چُکا تھا۔اِس سے پہلے کے وہ سیدھا بیلا کے سینے میں چاقو اُتارتا، بیلا نے ہاتھ میں پکڑا کانٹا، بلاتردد، اصغر کی آنکھ میں گھُسیڑ دیا۔

اصغر بلبلایا تھا، چاقو اُسکے ہاتھ سے نیچے جا گرا۔ بیلا نے شیلف سے نیچے چھلانگ لگائی اور چاقو زمین سے اُٹھالیا۔اصغر ایک آنکھ پہ ہاتھ رکھے، بیلا کی طرف لپکا تھا۔بیلا چونکے قد میں چھوٹی تھی، سو اصغر کی گرفت میں آنے سے پہلے، چاقو، اصغر کے پیٹ میں سرایت کر گیا۔

بارش ابھی بھی پورے زوروشور سے برس رہی تھی۔وہاں فضیلہ اور اصغر کے گھر کے باہر بہت شور تھا۔سائرن کا شور، پولیس کے ہارن اور لوگوں کی چہ مگوئیاں---

خبر پھیلی تھی کے اس گھر میں رہنے والا جوڑا، سیریل کلر تھا۔

وہاں گھر کے پچھلے لان کی کھدائی کر کے الٹ پلٹ کر دیا گیا تھا۔ ٹیمیں اپنی اپنی کاروائیوں میں مصروف تھیں۔ وہیں باہر آر فینیج کی وین بھی کھڑی تھی۔ جس میں آر فینیج کی پریزیڈنٹ، بیلا کو سینے سے لگائے بیٹھی تھیں۔ وہ مسلسل روئے چلے جا رہی تھی اور پریزیڈنٹ اسے خاموش کروا رہی تھیں۔

اگر وہاں اندر جایا جائے تو گھر کے کچن میں دو خون آلودہ وجود زمین پر ساکت پڑے تھے۔ ایک فضیلہ نامی عورت اور ایک اصغر نامی مرد۔۔۔۔۔

اور اگر کچھ اور پیچھے جایا جائے تو لان کا منظر مزید دل دہلا دینے والا تھا۔

لان کی کھُدائی کے دوران سات سے آٹھ بچوں کی لاشیں برآمد ہو چکی تھیں۔ ہر بچے کی لاش کے ساتھ ایک چھوٹی سی گھگڑی تھی جس میں اِن بچوں کے ہاتھ اور اُنگلیاں کاٹ کاٹ کر بھری گئی تھیں۔ اندازہ تھا کے اُن سب بچوں کو زندہ دفنایا گیا تھا۔

"معلوم ہوتا تھا کہ یہ لامیا کی کتھا، کافی عرصے سے چل رہی تھی۔"

بیلا وین کی کھڑی سے باہر زور و شور سے ہوتی بارش دیکھ رہی تھی۔

"لیکن بیلا نے اِس کتھا میں اپنی پسند کی ردوبدل کر دی تھی۔"

اب وہ مطمئن تھی۔

موجودہ کہانی

چونکہ دن اب مارچ کے مہینے میں داخل ہو رہے تھے۔ سو برف باری کا زور قدرے کم تھا۔اب ماحول مکمل سفید نہیں تھا۔آسمان پر نیلاہٹ دیکھائی دے جاتی تھی اور زمین پر کہیں کہیں سبزہ جھلکتا تھا۔

آرش اپنے ایبٹ آباد والے اپارٹمنٹ میں تھا جو کہ پولیس اسٹیشن سے قریب تھا۔ صبح کے سات بج رہے تھے۔کافی کا بھاپ اڑاتا مگ، لیپ ٹاپ کے قریب میز پر رکھا گیا۔یہ اسکا بیڈ روم تھا۔اور خود وہ میز کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔قریب پڑی کچھ فائلز کھولی گئیں جو کہ وہLand from Heaven سے لے کر آیا تھا۔وہی ارفینیج جس میں اس نے اپنی زندگی کے کچھ بے معنی سے سال گزارے تھے۔اور انہیں چند سالوں میں کچھ ٹوٹی پھوٹی مگر اہم یادیں ہیں جو وہ یاد نہیں کر پا رہا تھا۔ گویا بورڈ پر سے کچھ پزل کے ٹکڑے غائب ہوں۔

ایک فائل کھول کا پہلا صفحہ پلٹا گیا۔وہ ایک فارم تھا۔اوپری طرف ایک کونے پر ایک بچی کی تصویر تھی۔ بارہ سالہ بچی،عام سے چہرے پر ذہانت اور بلا کی سنجیدگی، پھر فارم کے آغاز پر بچی کا نام کندہ تھا۔

"Ilham sabzwari"

آرش نے ایک گہرا سانس خارج کیا وہ اپنے ماں باپ کے ایکسیڈنٹ میں ہوئی ڈیتھ کے بعد آرفینیج آئی تھی۔قریب ہی الہام کے داخلے کی تاریخ درج تھی۔آرش متوجہ ہوا۔وہ آرش کے ارفینیج چھوڑنے کے بعد وہاں آئی تھی۔

لیکن آرش کی موجودگی میں وہ اپنے ابو کے ساتھ آتی تھی۔آرش کو کچھ کچھ یاد تھا۔وہ مزید فارم پر موجود تفصیلات پڑھنے لگا اور پھر لفظ جیسے گھومنے لگے۔ایک دائرے میں ساتھ وقت بھی گھڑی کی متوازی سمت۔

"بیئے آرش دیکھو میں کیا لائی ہوں۔"نو سالہ الہام اسکریبل(Scrabble) بورڈ لیے پلے گراونڈ کی گھاس پر بیٹھے آرش کے قریب دھم سے بیٹھی تھی۔آرش جو کہ کسی کتاب میں مصروف تھا ایک دم جاگا۔

"یہ کیا ہے؟"کتاب ایک طرف رکھتا وہ تجسس سے بولا تھا۔

"یہ اسکریبل ہے۔" کہتی الہام ایک ڈبی سے کچھ بورڈ کے اوپر انڈیلنے لگی۔ وہ لکڑی کے چھوٹے چھوٹے چکور ٹکڑے تھے جن پر A to Z alphabets لکھے تھے۔

"اس کھیل میں ہم حروف جوڑ کر انکا لفظ بناتے ہیں۔ جیسے کہ یہ بنا Cat الہام نے تین ٹکڑے ایک قطار میں رکھے پھر آرش کو لفظ بنا کر دیکھایا۔

آرش نے قریب پڑے دو حروف اور اٹھائے اور A کے اوپر نیچے رکھ کر Fat بنا دیا۔

الہام چہکتے ہوئے تالیاں بجانے لگی۔

"دیکھا آسان ہے نا۔ چلو کھیلتے ہیں اس سے پہلے کہ ابو مجھے واپس چلنے کا بولیں۔" اور پھر قریب اوندھی پڑی کتاب اوندھی ہی پڑی رہ گئی اور وہ دونوں اسکریبل کھیلتے رہے۔

دائرے میں گھومتے الفاظ رکے۔ واپس اپنی اپنی قطار میں کاغذ پر لیٹ گئے۔ آرش جاگا۔ قریب پڑا مگ اٹھایا جس سے بھاپ اٹھنا بند ہو چکی تھی۔

کپ ہونٹوں کو لگایا جب اسے احساس ہوا کہ وہ مسکرا رہا تھا۔ اور پھر ایک گھونٹ بھر کر مگ میں پڑے اس مائع کو دیکھتا ذرا اور گہرائی سے مسکرایا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس کی آنکھوں کے باہری طرف لکیریں پڑتی تھیں۔ اور ایسے موقعے کم ہی آتے تھے جب وہ اتنا گہرا مسکرائے کہ اسکی آنکھوں کے گرد لکیریں پڑیں۔

صفحے پلٹا وہ باقی کی فائل چیک کرنے لگا۔ پندرہ سال بعد الہام آر فینیج چھوڑ چکی تھی لیکن وہاں کوئی ایڈ پٹنگ ہسٹری نہیں تھی۔ کیا وہ اکیلی ہی آر فینیج چھوڑ کے چلی گئی۔

آرش کو ذرا تفشیش سی ہوئی پھر اچانک سے وہ لیپ ٹاپ کی طرف متوجہ ہوا جہاں ایڈووکیٹ الہام سبزواری کی معلومات کھلی پڑی تھیں۔ کس طرح وہ اپنے لا کے تعلیمی دور میں بہترین کارکردگی دیکھاتی رہی ہے اور کس طرح آج وہ ایک بہترین وکیل کی خدمات پیش کر رہی ہے۔ وہاں اسکی مختلف تصویریں، رپورٹس اور دوسری معلومات تھیں۔ پھر وہ آخر میں یہیں ایبٹ آباد آکر، ایبٹ آباد کورٹ ہاؤس سے منسلک ہو گئی۔ اسکا آفس بھی یہیں تھا۔ ایبٹ آباد میں۔

اور یہ سب پڑتے ہوئے آرش مسکرا نہیں رہا تھا۔ وہ بلکل ساکت سا چہرہ لیے گھونٹ گھونٹ کافی حلق میں اتار رہا تھا۔

اچانک کمرے میں پھیلی روشنی مدھم پڑی۔ آرش نے بیڈ روم کی کھڑکی کی جانب دیکھا۔ باہر کے ماحول میں بھی روشنی مدھم پڑ رہی تھی۔ شاید آسمان سرمئی بادلوں میں گھر رہا تھا۔

آرش نے لیپ ٹاپ کی لڈ گرائی اور اٹھ کھڑا ہوا۔آج دن میں برف باری کے چانسز تھے۔اور وہ وقت پر اسٹیشن پہنچنا چاہتا تھا۔سو جانے کی تیاری کرنے لگا۔

اس کے میز کے سامنے سے ہٹنے پر، کھڑکی سے آتے ہوا کے جھونکے، میز پر کھلی پڑی فائلز کے ساتھ چھیڑ خانی کرنے لگے۔فائل کا پہلا صفحہ پھڑ پھڑانے لگااور پھر ہوا کو دوش پر صفحے خود بخود پلٹنے لگے۔ حتی کہ آخری صفحہ پلٹااور فائل بند ہو گئی۔

پندرہ سالہ الہام کی فائل بند ہو چکی تھی۔

"تم علایا جی کی کزن ہو۔اس لیے تمیز سے بات کر رہا ہوں۔ تمہارے لیے بہتر ہو گا کہ تم یہاں سے کٹ لو۔یہ پولیس اسٹیشن ہے بچوں کا پلے گراونڈ نہیں۔"

وہاں ایبٹ آباد کے اس اکلوتے پولیس اسٹیشن کی عمارت کے انٹری گیٹ کے سامنے کھڑا اسعد سامنے بضد کھڑی ہالہ کو دبک رہا تھا۔

"بچہ کسے بولا؟۔۔۔۔ ہونہہ۔۔۔۔۔ تم جانتے نہیں ہو میں کیا چیز ہوں اور ہٹو میں آرش سر سے ملنے آئی ہوں۔مجھے ان سے کچھ ضروری کام ہے۔"

"سر آرش ابھی یہاں نہیں ہیں۔"سعد نے سینے پر ہاتھ باندھتے ہوئے کہا۔

جہاں باقی کریکٹر، وہیں ہالہ کا قد جو کہ سعد کے سامنے قدرے چھوٹا تھا، ثابت کرتا تھا کہ وہ علایا کے خاندان سے ہی ہے۔

"علایا تو ہے نا؟"ہالہ سخت چڑی تھی۔

"انہوں نے ہی کہا ہے کہ میں تمہیں شرافت سے واپس جانے کا بولوں۔اور چونکہ میں خود ایک پولیس والا ہوں تو مجھے ضرورت نہیں کہ میں تمہیں دھکے دے کر نکالنے کے لیے ایک گارڈ بلواؤں۔"سعد نے فرضی کالر جھاڑا تھا۔

"اوہ ویٹ۔۔۔۔"اچانک سعد اٹینڈ ہوا۔

""""سر آرش آگئے۔"اس نے دور سے پیدل آتے آرش کی طرف اشارہ کیا۔اتنے میں آرش وہاں انکے قریب سے ہوتا انٹری گیٹ کی طرف بڑھ گیا۔

"سر۔۔۔۔۔ سر۔۔۔۔۔"ہالہ آرش کے پیچھے دوڑی تھی۔

آرش رکا۔چہرہ ذرا موڑا۔

"سر مجھے آپکو کچھ بتانا ہے۔پلیز کیا مجھے تھوڑا سا وقت مل سکتا ہے؟"۔۔۔۔پلیز۔۔۔۔"دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے، ہاتھ جوڑے، چہرہ ممکنہ معصوم بنایا گیا تھا۔

آرش نے ایک بیزار، سوالیہ نظر سامنے کھڑے سعد پر ڈالی جس نے جواباً کندھے اچکا دیئے۔پھر واپس ہالہ کی طرف آیا۔

"ایسا کیا خاص ہے؟سرد لہجے میں کہا گیا۔

"آپ نے پوچھا تھا کہ میں نے اسے دیکھا ہے کہ نہیں۔ہاں میں نے دیکھا ہے۔"

"تو؟"

ہالہ کو اس غیر متوقع "تو" پر جھٹکا لگا تھا۔

"تو آپ کو پوچھنا نہیں چاہیے کہ وہ کون تھا؟"

"میں پہلے سے ہی جانتا ہوں۔"کہتا آرش مڑا تھا۔پھر رکا۔

وہاں اس کی پشت پر زارو قطار رونے کی آواز تھی۔وہ بھرپور حیرت سے پورا ہالہ کی طرف مڑا۔وہ جو ہچکیوں میں آنکھوں پر بازو رکھے بچوں کی طرح اونچی اونچی رو رہی تھی۔پھر گویا ہوئی۔

"میں یہ بتانے نہیں آئی تھی۔مجھے تو کچھ اور کام تھا۔"کہتی وہ مزید اونچی رونے لگی۔

"مجھے کیریر کنسلٹنگ چاہیے تھی۔میں نے سوچا آپ کے ساتھ ڈیل کروں گی۔آپ کو اسکا حلیہ بتاؤں گی اور بدلے میں آپ میری کونسلنگ کریں گے۔"اب کہ چپ ہوتی وہ اور زارو قطار رونے لگی۔

آرش نے آنکھیں موندتے ہوئے، مٹھی بھینچی تھی۔

یہ پاکستان تھا اور سامنے ایک عورت کھڑی تھی۔ورنہ وہ ایک تھپڑ تو رسید کر ہی چکا ہوتا۔پھر ایک گہرا سانس خارج کیا اور سعد کو اسے اندر لانے کا کہتا خود اینٹری گیٹ عبور کر گیا۔

"رو لیا؟"سعد اس کے سر پر کھڑا چلایا تھا۔

"ہاں۔"ہالہ بازو سے ناک رگڑتی بولی تھی۔

"اب چلیں اندر؟"غصے کے ساتھ حیرت واضح تھی۔

ہالہ نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر خود ہی اندر کی طرف دوڑ لگا دی۔

"ڈرامہ۔"سعد بڑبڑاتا پیچھے آیا تھا۔

وہ دنوں وہاں آرش کے کیبن میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔

"ہاں تو کیا پوچھنا ہے آپ کو مس ہالہ ؟"

"سر مجھے بھی یہاں کام کرنا ہے ایزاے ڈیٹکٹو جیسے آپ لوگ کرتے ہیں لائک آپ کے ٹیم ممبر۔"

"آپ کو لگا کہ یوں آپ روئیں گئیں اور آپ کو ٹیم میں شامل کر لیا جائے گا۔آپ کریمنولوجی کی اسٹوڈنٹ ہیں۔کیا آپ کو مکمل پروٹوکول نہیں پتا؟"

"مجھے پتا ہے۔مجھے پتا ہے کہ ابھی ڈگری مکمل کرنی ہے۔جس کا میرا آخری سال ہے۔پھر انٹرویو ،پھر ٹرینگ ،پھر پریکٹس۔۔۔۔۔۔پھر ایک آفیشل ڈیکٹو۔"ہالہ کہہ کر خاموش ہوئی۔

آرش جواباً اسے دیکھ رہا تھا گویا پوچھ رہا ہو کہ جب سب پتا ہے تو پھر کیا وجہ ہے اس حرکت کی؟

"پر میں ٹیلنٹڈ ہوں۔میں اس سارے پراسس کے ساتھ ساتھ آپ کی ٹیم میں Volunteer کام کرنا چاہتی ہوں۔"

ہوہ۔۔سوئی وہیں اڑی تھی۔

آرش نے جواباً بس ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"ٹھیک ہے۔"کہتا آرش کھڑا ہوا۔

"واقعی!تو کیا کرنا ہو گا مجھے؟"ہالہ ایک دم چہکی تھی۔

"Can you believe ٹام دو دن سے غائب ہے۔ناجانے اس نے کچھ کھایا بھی ہو گا یا نہیں۔کہاں سویا ہو گا۔۔۔یا شاید۔۔۔۔۔شاید زندہ۔۔۔"اور بات مکمل کرنے سے پہلے وہ عورت پھر اونچی اونچی رونے لگی۔

پولیس وردی میں ملبوس،پولیس اسٹیشن کے انٹری گیٹ سے داخل ہوتے ہی ایک وسیع ہال تھا یہاں شکایات درج کرانے اور FIR وغیرہ کٹوانے کے ڈیسک تھے۔انہیں میں سے ایک ڈیسک پر بیٹھی ہالہ کبھی مسکرا کے سر اثبات میں ہلاتی، کبھی سامنے پڑے کمپیوٹر پر اس عورت کی شکایت درج کرتی۔

ہوہ تو اسے یہ کام ملا تھا کہ وہ سی ایس ایس اور ٹرینگ پوری ہونے کے ساتھ ساتھ والنٹیر Volunteer پولین آفیسر کی خدمات انجام دے سکتی ہو۔اور ایزاے VIP(Volunteer in police) اسے شکایات درج کرنے کے ایریا میں ایک ڈیسک کی ڈیوٹی ملی تھی۔

اس دن تو رونے کا ڈرامہ کیا تھا، آج وہ سچ میں رونا چاہتی تھی۔

"کچھ بھی کریں میرا ٹام ڈھونڈ کر لائیں۔"

لیکن فی الحال وہ مسکینت چہرے پر سجائے کی بورڈ پر کھٹاک کھٹاک انگلیاں چلا رہی تھی۔

"آپ کے کتے کی شناخت؟"

وہ روتی عورت ایک دم سے جیسے شاک میں آئی۔ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور اگلے ہی لمحے ہالہ کے بال مٹھیوں میں جکڑ لیے۔

"کتا؟ واٹ ڈو یو مین بائے کتا۔ وہ ٹام ہے۔ پتا ہے کتنی اعلی نسل کا ہے وہ، کتنا معصوم اور خوبصورت۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی اسے کتا کہنے کی۔"

"سوری۔۔۔۔سورر۔۔۔۔" ہالہ درد سے بلبلائی تھی۔

"ٹام۔۔۔۔ٹام۔۔۔۔کیا آپ اپنے ٹام کی شناخت بتا سکتی ہیں؟" ہالہ نے تکلیف سے کراہتے بمشکل کہا تھا۔

"ہاں۔" عورت کی پکڑ ڈھیلی ہوئی۔ پھر وہ واپس بیٹھ گئی۔

"لکھو۔۔ سفید رنگ، گلے میں لال پٹا جس میں سرنے کا سکہ لٹک رہا ہے۔ اس پہ نام لکھا ہے۔" اور پھر وہ عورت باقی تفصیلات بتانے لگی۔

بال جہاں عورت نے جھنجھوڑے تھے وہیں ہوا میں سر پر کھڑے تھے۔ لال چہرہ اور جلدی جلدی اثبات میں سر ہلاتی ہالہ تفصیلات درج کرنے لگی۔

عورت کچھ دیر میں جا چکی تھی۔ اور ہالہ اب گم سم بیٹھی تھی۔

"بلکل آپ کا نام ٹام ہے۔ کتا تو میں ہوں۔ وہ بھی پاگل کتا جسے پولیس میں آنے کی پڑی تھی۔"

اچانک ہالہ کو وہاں دور ہال میں کھڑا کوئی دیکھائی دیا تھا۔ ہاتھ میں چائے کا مگ پکڑے، وہ بمشکل ہنسی دبائے سعد تھا اور ہالہ کی ساری درگت ہوتی دیکھ چکا تھا۔

"گڈ ڈے ہالہ۔۔۔۔" پھر چائے کا ایک مگ ہوا میں لہراتا وہیں سے چلا گیا۔

ہالہ کا جبڑا تنا تھا۔ چہرے کے زاویے بگڑے۔ علایا اور ابراہیم کے بعد وہ تیسری شخص تھی جسے آرش اس وقت سخت زہر لگا تھا۔

وہ سب بورڈ کے سامنے موجود تھے۔ سامنے بورڈ پر ابراہیم کیس اسکیچنگ (کیس سے متعلق معلومات کو تصویری، لفظی شکلوں میں بیان کرنا) کر رہا تھا۔ سرمد آرش کسی فائل پر ڈسکس کر رہے تھے اور علایا بورڈ کے قریب ہی کرسی پر بیٹھی مسلسل شروع سے آخر تک سب دیکھ رہی تھی۔

"آخر ایسا کیا پیچیدہ ہے اس کیس میں؟ سب تو صاف ہے، واضح ہے۔ تو پھر ہمیں مجرم کا کوئی سراغ کیوں نہیں مل رہا۔ ہر دفعہ لڑکی کے آخر میں کوئسچن مارک کیوں آرہا ہے؟" علایا جھلائی تھی۔

تبھی سعد چائے کے مگ لے کر داخل ہوا۔ ایک مگ ابراہیم کو تھمایا اور دوسرا لے کر قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"سعد ایویڈنس کی کیا اپڈیٹ ہے؟ کیا تم نے انہیں ارینج کیا؟" آرش فائل سے نظر اٹھائے بغیر گویا ہوا۔

ان کا ایویڈنس روم کا انچارج کسی وجہ سے نکال دیا گیا تھا۔ اور اب سعد کو Temporary طور پر یہ ڈیوٹی ملی تھی۔

"ہاں تقریباً۔" سعد کھڑا ہو چکا تھا۔ کام تو اس نے تقریباً تک بھی نہیں کیا تھا کیونکہ وہ بھول چکا تھا۔ پھر فوراً وہاں سے نکلتا بنا۔

علایا نے ایک نظر آرش پر ڈالی۔ وہ زیر لب مسکرایا تھا۔

"ہونہہ سب پتا ہوتا ہے اسے۔"

اسکی سوچ تھی۔ کیا آرش سن چکا تھا۔ کیونکہ اگلے ہی لمحے آرش نے چہرہ اٹھایا اور علایا کو دیکھا تھا۔

"ہاں اب یہ دماغ بھی پڑھ لیتا ہے۔" علایا نے سوچتے ہوئے گھورا تھا۔

آرش نے جواباً اثبات میں سر ہلایا تھا۔

علایا ایک دم گڑبڑائی تھی۔ گود میں پڑی فائل ایک طرف گر پڑی۔ آرش واپس سرمد کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہاں گھی سیدھی انگلی سے نہیں نکلے گا۔" ابراہیم اچانک مڑتا بولا تھا۔

سب یک دم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"مزید سراغ مدد نہیں دے رہے۔ ہمیں نیکسٹ پلین پر جانا ہوگا۔"

"پلیز ڈونٹ سے۔۔۔۔۔" علایا ابھی بول ہی رہی تھی کہ

"اسٹنگ آپریشن (Sting operation)۔" آرش نے ابراہیم کی بات مکمل کی۔

Sting operation عام الفاظ میں ایک رسکی (Risky) کھیل ہوتا ہے جو کہ پولیس لیگلی طور پر کھیلتی ہے۔ ایک Trap جس میں مجرم کو جرم کرنے کا موقع دیا جاتا ہے اور پھر اسے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا جاتا ہے۔۔

"یو نو لاسٹ ٹائم کیا ہوا تھا مسٹر آرش؟" علایا سنجیدہ ہوئی تھی۔

"ہم مقتول کو نہیں بچا پائے تھے۔ جس کی ساری ذمہ داری ہمارے Ex-team leader نے اپنے سر لے لی تھی اور انکی سسپنشن ہو گئی تھی۔اور اس سے بھی بڑھ کر کہ اس برے نتیجے میں آپ یہاں موجود ہیں۔"

"تو آپ مانتی ہیں کہ میں یہاں پہ "لیڈر" ہوں۔" آرش نے لفظ لیڈر پر زور دیا تھا۔

"بد قسمتی سے۔" علایا نے چہرہ پھیر لیا۔

"پرفیکٹ۔ سو ایز اے ٹیم لیڈر، آئی آرڈر کہ ہم Sting operation کی طرف جائیں گے۔" آرش کہتا کھڑا ہوا۔

اسی اثنا میں سعد داخل ہوا تھا۔ شاید وہ داخل ہوتے ہوئے Sting operation کا نام سن چکا تھا۔

"پر میں اس دفعہ قربانی کا بکرا نہیں بنوں گا۔ میں بتا رہا ہوں۔ پچھلی دفعہ تو قسمت سے بچ گیا۔"

یقیناً پچھلے sting operation میں سعد نے کوئی بہت Critical کردار ادا کیا تھا۔

"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟" آرش نے اس کے ہاتھ سے ایک ایویڈنس بیگ پکڑا تھا۔

"ہاں میں یہی دیکھانے لایا تھا۔ مجھے نہیں پتا یہ ایویڈنس میں کب لایا گیا لیکن مجھے پکا یقین ہے کہ یہ فارنسک کے لیے نہیں بھیجا گیا ہو گا۔ کیونکہ فارنسک رپورٹس میں اسکا کوئی ذکر نہیں ہے۔"

علایا بھی اسی طرف آئی۔

"یہ کیا ہے؟"

وہاں آرش کے ہاتھ میں پکڑے اس ٹرانس پیرنٹ پیکٹ میں ننھا سا کچھ جھلک رہا تھا۔اس سے پہلے کہ علایا وہ پیکٹ آرش کے ہاتھ سے پکڑتی، آرش نے فوراً اسے پیچھے کر لیا۔

"تم یہیں رہو سعد۔ میں ایویڈنس روم میں جا رہا ہوں۔ باقی کی چیکنگ میں خود کر لوں گا۔" اور پھر وہ کہتا رکا نہیں تھا بلکہ فوراً وہاں سے نکل گیا۔

"اور یہ کہاں کا ایویڈنس ہے؟" علایا نے بھنویں اچکائیں۔

"وہیں اس زیر عمارت میں جو بنگالی مرا ملا تھا، اسکا۔"

ابراہیم وہاں اس تمام منظر کے بیک گراؤنڈ میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ وہاں اسکے ماتھے پر کچھ بل تھے۔اور۔۔اسکے ہاتھ۔۔۔۔اسکی ہتھیلیوں میں پسینہ کیوں تھا؟

اس چھوٹے سے پیکٹ میں موجود، وہ انگوٹھی آرش کے ہاتھ میں تھی۔

"تو آپ مانتی ہیں کہ میں لیڈر ہوں۔"

علایا اپنے گھر کی طرف واپسی کے راستے پر پیدل جا رہی تھی تو ساتھ ساتھ آرش کے جملے بگاڑ بگاڑ کر بول رہی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔لیڈر مانتی ہے میری جوتی۔"

وہ اپارٹمنٹ کے دروازے پر پہنچ چکی تھی۔ جینز کی جیب سے چابی نکالی، دروازے میں لگائی۔ اس سے پہلے کہ چابی گھمائی جاتی، دروازہ خود ہی کھل گیا۔ سیکنڈ سے بھی پہلے علایا کا ہاتھ جیکٹ کے نیچے کمر پر بندھی پسٹل پر گیا تھا۔ دروازہ ہوا اور سامنے سے الہام باہر آئی۔

"اوہ علایا آ گئی تم۔۔۔۔ یار کب سے ویٹ کر رہی تھی۔ مجھے کہیں جانا تھا، میں نے تمہیں بتایا تھا کہ جلدی آنا۔"

علایا کے اعصاب واپس ڈھیلے پڑے۔

"اوہ ہاں میں تو بھول ہی گئی تھی۔ خیر تم جاؤ میں جا رہی ہوں اندر۔" کہتی علایا ایک طرف سے اندر کو ہوئی اور دروازہ بند کیا۔ الہام ہنس دی۔

"جلد باز نہ ہو تو۔"

سادے سے سفید اور بھورے کرتے اور کیپری میں ملبوس، چہرے کے گرد بھورا اسکارف ڈھیلا سا لپیٹ رکھا تھا۔ اور اوپر بڑا سا سفید کوٹ۔ ایک ہاتھ میں موجود گھر کی چابیاں اور دوسرے ہاتھ میں ایک شاپنگ بیگ تھا۔ اور اسکی تہہ میں نفاست سے تہہ کیا ہوا ایک عدد مفلر۔

الہام دروازے سے ہٹی اور سڑک پر آ گئی۔ اب کہ اس کا رخ پولیس اسٹیشن کی طرف تھا۔

آرش ابھی ایویڈینس روم سے واپس اپنے آفس کی طرف آیا تھا۔ سب جا چکے ہونگے، وہ جانتا تھا۔ وہ آخری ایویڈنس فی الحال وہ ریکارڈ میں شامل کیے بغیر ہی ساتھ لے آیا تھا۔

وہ انگوٹھی۔۔۔وہ، وہ انگوٹھی، پہلے بھی کہیں دیکھ چکا تھا۔۔۔پر کہاں؟

آفس کا گلاس ڈور دھکیلتا ابھی وہ اندر داخل ہی ہوا تھا کہ ٹھٹھکا، وہاں ایک طرف پڑے صوفے پر بیٹھی الہام ہاتھ میں پکڑے فون پر مصروف سی بیٹھی تھی۔ دروازہ کھلتے ہی چونکی پھر اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"اوہائے آرش۔۔۔۔میں یہ مفلر لوٹانے آئی تھی۔" مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا گیا تھا۔

کچھ لمحے آرش وہیں دروازے میں کھڑا رہا تھا۔

ایک فلیش بیک، اسے اچانک یاد آیا تھا کہ اس نے وہ انگوٹھی کہاں دیکھ رکھی تھی۔

الہام کو دیکھتا رہا۔ وہاں آرش کی آنکھوں میں اس وقت کیا تھا؟ اگر کوئی بھی انسان دیکھا سکتا تو صاف بتا سکتا تھا۔

وہاں خدشات تھے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خوفناک خدشات۔۔۔۔۔"

"تم اسے رکھ سکتی ہو۔" خیالات جھٹکتا وہ اپنے کیبن کی طرف بڑھا۔ الہام کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ وہ سرد اور گرم رویوں میں اتنی جلدی انٹر چینج کیسے کر لیتا تھا۔

وہ اپنے کیبنمیں کچھ تلاش کر رہا تھا۔ الہام اسکا شیشے کی دیوار سے جھلکتا سر دیکھ سکتی تھی۔

(وہاں کیبن باقاعدہ کمرے نہیں تھے۔ بس ایک بڑے سے ہال میں گلاس والز لگا کر چھوٹے چھوٹے کیبنز بنائے گے تھے۔)

"آرش کیا تمہیں مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے؟"

نا جانے کیا سوچ کر وہ بولی تھی۔ آرش کی حرکات بھی تھمی تھیں۔ پھر وہ ایک فائل اٹھاتا باہر آیا اور وہاں فائل الہام کے سامنے میز پر رکھی۔

"یہ کیا ہے؟" الہام نے جھک کر فائل اٹھائی۔

آرش ہاتھ باندھے الہام کے مقابل کھڑا تھا۔ اسے فائل پڑھتا دیکھ رہا تھا۔ الہام کے تاثرات ذرا کھینچے تھے۔ فائل سے چہرہ اٹھا کر آرش کو دیکھا۔

"تم مجھ پہ بیک گراؤنڈ چیک کر رہے ہو؟ پوچھ سکتی ہوں کیوں؟"

"ایک انویسٹیگیٹر سے تم اور کیا ایکسپیکٹ کر رہی ہو، میں جاننا چاہتا ہوں کہ ان تین سالوں میں کیا ہوا تھا۔" بغیر لگی لپٹی کے کہا گیا۔

وہ الہام کے آرفینیج میں گزارے تین سالوں کی بات کر رہا تھا۔

(آج وہ پھر Land from heaven کے بڑے سے گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ وہاں گیٹ کو دیکھتے ہوئے وہ مسکرائی تھی۔ ایک بڑی گہری مسکراہٹ۔۔۔۔۔

"آؤ بیلا یہاں کیوں کھڑی ہو۔" انسٹرکٹر نے اسے اندر چلنے کا کہا اور انسٹرکٹر کی سربراہی میں گیٹ پار کر گئی۔

وہی لان، وہی راہداریاں اور پھر وہی کمرے۔اس کے ڈورم میں پہنچ کر انسٹرکٹر اسے چھوڑ کر جا چکی تھی۔بیلا نے دروازے کا ناب گھمایا اور اندر چلی گئی۔اندر گنتی کی چند لڑکیاں اپنے اپنے بیڈز پر تھیں۔دو برتھ خالی تھے۔ایک تو بیلا کا اور دوسرا۔۔۔۔وہاں سامنے کمرے کی اکلوتی، پلے گراؤنڈ میں کھلتی کھڑکی میں ایک اسکی ہم عمر سی ہی بچی بیٹھی تھی۔بیلا اس کے قریب آئی۔اسکے ساتھ کھڑکی میں چڑھ کر بیٹھ گئی۔)

الہام نے فائل بند کی۔ایک گہرا سانس خارج کیا اور فائل واپس میز پر رکھ دی۔

"یہاں ان تین سالوں کے بارے میں کوئی نہیں جانتا، اور میں ان پر بات بھی نہیں کرنا چاہتی۔" لہجے میں دکھ تھا۔شاید وہ آرش سے یہ expect نہیں کر رہی تھی۔

آرش نے فائل واپس اٹھائی۔آخری صفحات میں کچھ تصویریں موجود تھیں۔وہ ایک گروپ فوٹو تھی۔الہام اور باقی تمام لڑکیوں کے ساتھ ایک گھنے سے درخت کے نیچے۔پھر آرش نے فوٹو الہام کی جانب گھمائی۔یوں کے فوٹو درمیانی انگلی اور انگوٹھے کے درمیان پکڑی تھی اور شہادت کی انگلی، درخت کی جڑوں کے قریب ایک مٹی کی چھوٹی سے ڈھیری کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔وہاں ڈھیری پر مدھم سا R.I.P کرید اگیا تھا۔

الہام فوٹو دیکھے گئی۔وہاں ایک سپاٹ (Spot) جو وہ اسے دیکھانا چاہتا تھا۔اسکا چہرہ سفید ہوا تھا۔سانسوں کی رفتار میں تیزی آئی تھی۔آنکھیں ایک دم بھر آئیں۔

(اس لڑکی نے چہرہ ذرا بیلا کی طرف گھمایا۔

"الہام۔۔۔" اگلے ہی پل بیلا خوشی سے چلائی تھی۔

الہام خاموشی سے اسے دیکھے گئی پھر وہ مدھم سا مسکرا دی۔

"ہائے بیلا۔۔۔کیسی ہو؟" کہتی وہ کھڑکی سے اتر گئی۔

"تم یہاں کیوں ہو؟"

بیلا بھی اسکے پیچھے پیچھے اتری تھی۔الہام تیسرے نمبر کی برتھ پر پہنچنے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔یقیناً وہ ابھی بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔بیلا بھی اسکے پیچھے پیچھے سیڑھیاں چڑھنے لگی تھی۔جب الہام نے اپنی برتھ پر پہنچ کر پردہ کھینچ دیا۔)

یہی ایک وجہ ہے۔" الہام نے بھیگے لہجے میں سر اٹھایا۔

"یہی ایک وجہ ہے یہ میں ان تین سالوں کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی آرش۔"

آرش نے فوٹو واپس اپنی طرف موڑلی۔ وہاں تصویر میں ایک طرف کھڑی تیرہ سالہ الہام مسکرا رہی تھی۔ آرش نے ایک نظر اسے دیکھا پھر ایک نظر سامنے کھڑی الہام کو دیکھا۔ وہ ان دونوں چہروں میں کچھ کامن تلاشنا چاہ رہا تھا۔

آرش نے فائل اٹھائی اور تصویر واپس لگاتا اپنے کیبن کی طرف چل دیا۔

"جانتی ہو مجھے اچانک سے ایک پچھتاوا ہونے لگا ہے۔" وہاں کیبن سے آواز آئی۔

الہام خود کو کمپوز کر چکی تھی۔

"مجھے وہ آرفینیج چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے تھا۔" کہتا وہ اپنا کوٹ اور مفلر اٹھاتا کیبن کی لائٹس آف کر کے باہر آیا تھا۔

پھر الہام کے سامنے آکھڑا ہوا۔ یوں کہ مفلر گلے میں لٹکا اور کوٹ ایک بازو پر۔

"مجھے لگتا ہے کہ میں نے کچھ بہت قیمتی کھو دیا ہے۔" اسکا لہجہ سرد تھا۔

الہام کو لگا اس کے وجود میں کچھ سرائیت کر گیا ہے۔ وہ اپنے گردن کے بال کھڑے ہوتے صاف محسوس کر سکتی تھی۔

"اور میں نہیں چاہتا تھا کہ اگر کسی دن میرے خدشات صیح ثابت ہو گئے تو میں اگلی سانس بھی لے پاؤں گا یا نہیں۔"

(بیلا وہیں رکی، ذرا منہ بسورا اور واپس نیچے اتر آئی۔

"تم جانتی ہو اسے؟" نیچے والی برتھ سے ایک لڑکی نے جھانکتے ہوئے بیلا سے پوچھا تھا۔

"ہاں ہم دونوں ایک اسکول میں پڑھتے تھے۔" بیلا نے اشتاق سے کہا۔

"تو وہ تم سے بات کیوں نہیں کر رہی؟"

جواباً بیلا نے ایک نظر اوپری تیسری برتھ پر ڈالی پر واپس اس لڑکی کو دیکھتے ہوئے کندھے اچکا دیئے۔)

الہام کے گال پر کچھ پھسلا تھا۔ کچھ نرم گرم سا اور پھسلتا شفاف شیشے کی سطح سے جا ٹکرایا۔

"گڈ نائٹ الہام اینڈ ٹیک کیئر۔" کہتا وہ مڑ گیا تھا۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتا آفس کا دروازہ پار کر گیا۔

وہ وہیں کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

"تمہیں وہاں ہونا چاہیے تھا آرش۔ وہ تین سال۔۔۔۔ کاش تم وہاں ہوتے۔"

رات الہام کب واپس آئی۔ علایا نہیں جانتی تھی۔ لیکن آج صبح جب علایا اپنے کمرے سے باہر آئی تو الہام کے کمرے کا دروازہ ابھی تک بند تھا۔ علایا کو تشویش ہوئی تھی۔ سر پر موجود گھونسلے کو سمیٹ کر پونی میں لپیٹی وہ الہام کے کمرے کی طرف آئی اور آہستگی سے دروازے کا ناب گھمایا۔

''الہام تم ابھی تک اٹھی۔۔۔۔۔۔'' بولتے بولتے وہ رکی۔

تاریک کمرے میں ایک طرف موجود اسٹڈی ٹیبل پر مدھم سی ٹیبل لیمپ کی روشنی پھیلی تھی اور الہام وہیں میز پر سر رکھے سو رہی تھی ۔علایا نے کمرے کی لائٹس آن کیں۔ اسٹڈی ٹیبل کے قریب گئی۔ یہاں الہام کے بازو کے نیچے ایک ڈائری کھلی پڑی تھی۔ اس سے پہلے کہ علایا ڈائری کے کھلے پنے پر نظر ڈالتی۔ اچانک اسکے ہاتھ میں پکڑا سیل بج اٹھا۔ الہام بھی بڑبڑاتی جاگی تھی۔

''اوہ میں۔۔۔۔۔'' الہام نے اپنے دکھتے گال کو چھوا اور سویا ہوا بازو سیدھا کیا جس میں اب چونٹیاں دوڑنے لگی تھیں۔

''تم یہاں کیوں سو رہی ہو؟'' علایا نے کہتے فون دیکھا۔ احمت صاحب کی کال تھی۔

''پتا نہیں بس شاید آنکھ لگ گئی۔۔۔۔۔''

علایا متوجہ نہیں تھی۔ الہام نے جھٹ سے ڈائری بند کی اور دراز میں گرادی۔

''اچھا خیر ابو کی کال ہے۔ آجاؤ ناشتہ بناؤ یار مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔'' علایا فون کان کو لگاتی باہر کی طرف چل دی۔

الہام بوکھلائی سی کھڑی ہوئی تھی۔ وہ اتنی لاپرواہ نہیں ہے کہ یوں کہیں بھی سو جائے۔ ناجانے یہاں کیسے سو گئی۔

سوچتی بال جوڑے میں لپیٹی وہ باہر آئی تھی۔

احمت صاحب سے بات کر کے علایا کچن میں ڈائنگ ٹیبل پر موجود تھی۔ احمت صاجب نے اسے ابھی اسلام آباد آنے کا کہا تھا۔ ناجانے یوں اچانک کیا ہو گیا تھا۔ علایا نے پانی پیتے ہوئے ایک نگاہ سامنے سست روئی سے ناشتہ بناتی الہام پر ڈالی۔

''الہام کے پاس ایک ڈائری ہے جو وہ نارملی چھپا کر رکھتی ہے۔'' علایا اسکی پشت کو گھورتی سوچ رہی تھی۔

''آرش کے پاس بھی ایک ڈائری ہے۔ جسے میرے ہاتھ میں دیکھ کر اسکی جان نکل گئی تھی۔''

''ڈیڈ بھی ہمیشہ اپنے ساتھ ایک ڈائری رکھتے ہیں۔''

''آخر یہ سب کے پاس ڈائریز کیوں ہوتی ہیں؟ میرے پاس تو نہیں ہے۔''

''کیوں؟ میرے پاس ڈائری کیوں نہیں ہے؟'' اب کہ علایا کسی گہری سوچ میں ڈوبی الہام کو دیکھ رہی تھی۔ کہ الہام نے پلیٹ اسکے سامنے رکھی۔ علایا ایک دم جاگی۔

"کہاں گم ہو؟"الہام کرسی کھینچ کر اسکے متوازی میز کی دوسری طرف بیٹھ گئی۔

"تمہیں پتا ہے الہام ذہین لوگ، عام لوگوں سے مختلف کیسے ہوتے ہیں؟"علایا ایک دم سیدھی ہوتی بولی۔

یقیناً کوئی بہت دانائی کی بات بتائی جانے لگے تھی۔

"کیسے؟"الہام ہما تن گوش ہوئی۔

"ذہین لوگ ڈائریز نہیں رکھتے۔"اثبات میں سر ہلاتی علایا بولی تھی۔ گویا اسے خود بھی یہ بات ابھی بولتے ہوئے ہی سمجھ آئی ہو۔

پھر کہتی اپنے ناشتے کی طرف متوجہ ہوئی۔

دنیا کی اکلوتی ذہین عورت "علایا احمت گلزار"

"آں۔۔۔ہاں۔۔۔ہاں بلکل۔"الہام نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔ پھر نا سمجھی سا مسکراتی پانی پینے لگی تھی۔

"ارے ہاں علایا۔۔۔ کیا ذہین اور غیر ذہین لوگوں کے پانی پینے کے انداز میں کوئی فرق ہوتا ہے؟"

علایا نے سر اٹھایا۔ ایک بیزار سی نظر الہام پر ڈالی۔

"کیا ہو گیا ہے الہام پانی ایک طرح سے ہی پیا جاتا۔۔۔"کہتے کہتے وہ رکی۔۔۔ بھنویں سکڑیں۔

"ویٹ۔۔۔ویٹ۔۔۔ویٹ ہاں ہو سکتا ہے کہ مختلف ہو۔ مجھے سوچنے دو۔ اصل میں، میں آج کل فلسفی کے لیکچرز سن رہی ہوں تو میں ہو چیز پر غور کرنے لگی ہوں۔"

"ہاں ضرور۔۔۔ سوچو اور مجھے بھی بتانا۔"بمشکل اپنی ہنسی دباتی الہام چہرہ جھکا گئی تھی۔

علایا تو صبح ناشتہ کرتے ہی اسلام آباد کے لیے نکل گئی تھی۔ دن اپنے زوال کی طرف تھا۔ کوئی ساڑھے تین کا وقت تھا۔ جب الہام کورٹ روم کی راہداری سے ہوتی باہر کی طرف آرہی تھی۔ آسمان آج مکمل صاف تھا۔ لیکن ماحول میں ذرا خنکی ضرور تھی۔ راہداری سے باہر نکلتے ہی ہوا کا ایک جھونکا الہام کے چہرے سے ٹکرایا تھا۔ اسکارف سے جھلکتی لٹیں اب چہرے پر رقص کرنے لگی تھیں۔ کاٹن کے سرمئی لباس پر سیاہ سا بڑا ساBlazer پہن رکھا تھا۔ ایک بازو میں پرس لٹکا تھا اور فائلز، دوسرے ہاتھ میں فون کی اسکرین اسکرول کرتی وہ اب سڑک کے کنارے چلنے لگی تھی۔

"الہام۔"اچانک پشت سے آتی آواز پر وہ رکی۔ چہرہ اٹھا کر ذرا پیچھے کو دیکھا۔

وہ ابراہیم تھا۔ تقریباً دوڑنے کے انداز میں چلتا وہ اسی طرف آرہا تھا۔ الہام کی بھنویں سکڑیں۔ اتنے میں وہ الہام کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"خیریت ہے ابراہیم تم یہاں۔" کہتی وہ فون پرس میں گرا چکی تھی۔

"معاف کیجئیے گا لیکن مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

الہام پہلے تو تذبذب سے اسے دیکھے گئی۔

"تم تم بتادیتے میں وہاں اسٹیشن ہی آجاتی۔"

"نہیں دراصل مجھے اکیلے میں بات کرنی ہے۔"

"اوہ۔۔۔آئی سی۔۔۔"

"یہاں قریب ہی ایک فیملی ریسٹورانٹ ہے اگر آپ بہتر سمجھیں تو ہم وہاں چلیں۔"

"آہ۔۔ہم م م م۔۔۔۔۔شیور چلو۔"

الہام نے ہوا میں جھولتی لٹیں اسکارف کے اندر کیں اور ابراہیم کی ہمراہی میں ریسٹورانٹ کی طرف چل دی۔

"ناجانے ڈیڈ کو کو ایک دم کیا سوجھی جو صبح صبح ہی بلالیا۔" اوبر میں بیٹھی فون کی اسکرین پر انگلیاں چلاتی بڑبڑا رہی تھی۔

اوبر ڈرائیور وقتاً فوقتاً، علایا کی بڑبڑاہٹ پر چہرہ ذرا اٹھا کر بیک ویو مرر میں دیکھ لیتا تھا۔

کوئی گھنٹے کی مسافت طے کر کے وہ احمت صاحب کے بنگلے کے سامنے کھڑی تھی۔اوبر جاچکی تھی۔دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے خود کو ذرا کمپوز کیا پھر بیل پر ہاتھ رکھا۔

"علایا؟"

انٹر کام پر فوراً احمت صاحب کی آواز ابھری۔

"جی علایا۔" علایا نے کوفت سے کہا۔اور پھر اگلے چند لمحوں میں آٹو میٹک ڈور کھلتا چلا گیا۔علایا عجلت میں داخل ہوئی اور دروازہ بند کر کرے، لان پار کرتی، گھر کی طرف آئی۔لاؤنج کا دروازہ پار کیا۔

"ہوا کیا ڈیڈ۔۔۔۔اتنی صبح کیا ایمرجنسی ہوئی۔" کہتی وہ اندر ہی آرہی تھی جب وہی دروازے کے قریب ٹھٹھکی۔

وہاں لاؤنج میں پڑے صوفے ،ایک پر احمت صاحب براجمان تھے۔یوں کہ انکا چہرہ علایا کی طرف تھا اور دوسرے صوفے پر کوئی اور براجمان تھا۔یوں کہ اسکی پشت علایا کی طرف تھی۔

علایا کو ذرا بریک لگی۔شاید وہ کوئی عورت تھی نفیس سی اسکن چادر میں۔

علایا کی آواز پر اس وجود میں حرکت ہوئی تھی۔ اگلے ہی پل چہرہ موڑا گیا۔

"علایا۔"

علایا کے کھنچے اعصاب ڈھیلے پڑے تھے۔

چہرے پر کئی سائے آئے اور گئے تھے۔

"کیسی ہو علایا بیٹا؟" وہ عورت اب کھڑی ہو چکی تھی۔ مکمل علایا کی طرف چہرہ کیے۔ ہاتھ پھیلائے علایا کے آگے آنے کا اشارہ کیا تھا۔

علایا نے ایک بے بس نگاہ احمت صاحب پہ ڈالی۔ دوسری اس عورت پہ اور پھر یکدم مسکرا دی۔

"میں ٹھیک ہوں مام۔ آپ سنائیں کیسے آنا ہوا؟" چہکتے سے انداز میں کہتی وہ آگے آئی اور ان سے گلے ملی۔

چھبیس ستائیس سالہ علایا جب گلے مل کر پیچھے ہوئی تو وہ ایک بارہ دس سالہ بچی تھی۔ منظر مختلف تھا۔ ماحول قدرے پیچھے جا چکا تھا۔ ماحول میں کچھ پیلاہٹ تھی۔ کچھ ناسٹجلیا۔

"مام میں اور ابو اسلام آباد جا رہے ہیں اوکے۔" بچی چہکتی سی کہہ رہی تھی۔ آنکھوں پر چشمہ لگائے، کندھوں پر گلابی بیگ ڈال رکھا تھا۔

"آپ کب آئیں گئیں؟" جاتے جاتے وہ بچی واپس مڑی اور سوال کیا۔

"میں آجاؤں گی علایا تم جاؤ۔" عورت نے سرد لہجے میں کہا تھا۔ اکتاہٹ سے۔

"کافی بڑی ہو گئی ہو اور سمجھدار بھی۔" ناسٹجلیا ٹوٹا تھا۔

وہ عورت واپس بیٹھ گئی۔ علایا بھی دو قدم پیچھے ہوئی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔

"جی کافی بڑی ہو گئی ہوں اور مضبوط بھی۔" کہتی وہ پنی پولیس آئی ڈی، گن اور ہتھکڑیاں نکال کو میز پر رکھنے لگی۔ اسکا ارادہ یہاں سے واپس ڈیوٹی پر جانے کا تھا، سو وہ اپنے ڈیوٹی کے حلیے میں ہی یہاں چلی آئی تھی،

عورت کی مسکراہٹ ذرا سمٹی تھی۔

"تم پولیس میں ہو؟"

"جی۔" علایا مسکراتی صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتی سیدھی ہوئی۔

"آپ سنائیں، آپ کے انگلینڈ والے بچے اور شوہر کیسے ہیں؟"

"الحمدللہ سب ٹھیک، پاکستان آنا ہوا تو سوچا تم سے ملتی جاؤں۔"

"جی بہت بہتر سوچا۔"

احمت صاحب وہاں سے اٹھ چکے تھے۔

علایا مسلسل چہرے پر ایک بڑی سی مسکراہٹ سجائے اس عورت کی جانب رخ کیے بیٹھی رہی۔
وہ انسانوں سے رکھے رنج بھول جاتی تھی، لیکن سامنے موجود اس عورت کو اس نے مکمل طور پر انسان قبول نہیں کیا تھا، وہ ابھی بھی ، کہیں اندر اسکی ماں ہی تھی۔۔۔۔اور وہ نہیں جانتی تھی کے ماں سے رکھا رنج کیسے بھلایا جاتا ہے۔

"ہاں بولو ابراہیم تمہیں کیا کہنا تھا؟"
ویٹر دو جوس کے گلاس ان کے سامنے رکھ کر جا چکا تھا۔
"آپ وہاں تھیں اس رات۔"
ابراہیم نے خاموشی کو عجیب جملے پر توڑا تھا۔
پر اس کا لہجہ۔۔۔۔۔۔اس کا لہجہ ماتم زدہ سا کیوں تھا۔۔۔پر خوف سا۔۔۔
"کس رات؟۔۔۔۔۔اور کہاں؟۔۔۔۔۔میں سمجھی نہیں۔" الہام نے گلاس سے ایک سپ لیتے ہوئے اچھنبے سے اسے دیکھا۔
(ابراہیم سب کے جانے کے بعد عجلت میں ایویڈینس روم آیا تھا۔وہ ایک ایویڈینس جو سعد کو ملا تھا وہ ابراھیم نے جان بوجھ کر فارنسک نہیں بھجوایا تھا۔ایویڈینس روم کے انچارج کو تو اُس نے جیسے تیسے چُپ کروا دیا تھا، لیکن سعد وہ ایویڈینس دیکھتے ہی اُٹھالایا تھا۔اور وہ اسپاٹ پر ہی پکڑا جاتا اگر آرش وہ پیکٹ نہ پکڑ لیتا۔
"میں جانتا تم نے یہ کیوں کیا لیکن تمہیں ایٹ لیسٹ اپنے قانون سے جُڑے ہونے کا ہی کچھ خیال کرنا چاہیے۔"
وہ آرش تھا۔ابراہیم کو لگا تھا کے وہ بھی جا چکا ہے۔پر وہ وہیں روم میں ایک طرف بیٹھا تھا۔
آرش کو دیکھتے ہی ابراہیم کا چہرہ سخت بگڑا تھا۔
آرش نے وہ پیکٹ ابراہیم کے چہرے کے سامنے لہرایا۔)
"آپ کے سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی میں اکثر ایک انگوٹھی ہوتی ہے۔سلور رنگ پر سیاہ نگینہ لیے باریک سی انگوٹھی۔"
"ہاں ہوتی ہے۔"
"تو وہ کہاں ہے؟"

الہام کے تیور ذرا بگڑے تھے۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو ابراہیم، کھل کر کہو۔"

ابراہیم نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

("اسی وجہ سے۔" ابراہیم نے وہ پیکٹ آرش کے ہاتھ سے جھپٹنا چاہا۔
"مجھے پتا تھا آپ بلا کچھ سوچے سمجھے الہام کو اس کیس میں گھسیٹیں گے)

"آخری جائے وقوع پر باقی شواہدات میں مجھے وہ انگوٹھی بھی ملی تھی۔"

"واٹ؟" الہام اچھنبے سے بولی۔

اس سے پہلے کہ ابراہیم مزید کچھ کہتا۔۔۔

الہام پوری قوت سے چلائی تھی۔اور اگلے ہی لمحے میں ابراہیم کے سر سے کچھ بہت بھاری ٹکرایا تھا۔کچھ بہت سخت، وہ کراہتا کرسی سے ایک طرف گرا تھا۔

الہام اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ گھبراتی، چلاتی وہ مدد کے لیے پکار رہی تھی۔

زمین پر پڑے ابراہیم کی بصارت اب دھندلا رہی تھی۔ بند ہوتی آنکھوں کے ساتھ اس نے وہ آخری منظر دیکھا تھا۔الہام اس کے قریب زمین پر بیٹھی تھی۔اور اسکا نام پکار رہی تھی۔اور وہاں الہام کے پشت پر کچھ فاصلے پر ایک ہیولہ کھڑا تھا۔جامد ساکت۔۔۔۔

وہ آگے کیوں نہیں آرہا تھا۔وہ ابراہیم کی مدد کے لیے آگے کیوں نہیں آرہا تھا۔

علایا ابھی ابھی ہسپتال کے سامنے اوبر سے اتری تھی۔ دن تو اب ڈھلنے کے قریب تھا۔وہاں اسلام آباد سے وہ سرمد کی کال پر فوراً نکل آئی تھی۔ ہسپتال میں داخل ہوتے ہی وہ سیدھی ریسپشن کی طرف گئی۔ متعلقہ روم نمبر پوچھا۔

ابراہیم ICU میں تھا۔علایا بتائے گئے روم نمبر کی طرف آئی تھی۔وہاں ICU کے باہر ہی راہداری میں سرمد، سعد، الہام اور آرش موجود تھے۔ان پر نظر پڑتے ہی علایا کی چال ذرا مدھم ہوئی۔ چہرے پر زمانے بھر کی پژمردگی سی تھی۔ جیسے تھکن ہو، اداسی ہو۔ چلتی وہ الہام کے ساتھ ویٹنگ بینچ پر بیٹھ گئی۔

"ہاں اب تفصیل سے بتاؤ کیا ہوا ابراہیم کو۔" کہتی وہ الہام کے ہاتھ سے پانی کی بوتل لے چکی تھی اور اب اس کا ڈھکن ہٹا رہی تھی۔

"وہ مجھ سے کچھ ضروری بات کرنے آیا تھا۔اور پھر اچانک اس پر حملہ ہو گیا۔"

پانی کی بوتل منہ کو لگائے علایا ٹھٹھکی۔ بوتل نیچے کی۔

"واٹ۔ ایسے کیسے ایک پولیس آفیسر پر حملہ۔۔۔۔ اور ویٹ تم سے کون سی ضروری بات کرنی تھی اسے؟"

"آئی ڈونٹ نو علایا، فی الحال وہ ہوش میں آجائے مجھے اس کی بہت فکر ہو رہی ہے۔" علایا نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سر اٹھایا تھا۔ سرمد اور سعدان کے متوازی سامنے کی طرف کے ویٹنگ چیئرز پر بیٹھے تھے۔ جبکہ آرش۔۔۔۔

وہ ہاتھ سینے پر باندھے الہام کی دوسری طرف دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ آرش کی طرف دیکھتے ہی علایا چونکی تھی۔ وہ علایا کو ہی دیکھ رہا تھا۔

علایا نے فوراً چہرہ پھیرا۔ آرش نظریں نہیں پھیرے گا وہ جانتی تھی۔ وہ ایسا ہی تھا۔ یک ٹک اگلے کے دماغ میں گھستا دیکھے جانے والا۔

اچانک ICU کا دروازہ کھلا۔ ڈاکٹرز باہر آئے۔

آرش اپنا آئی ڈی کارڈ دیکھاتا سامنے آیا۔

"ان کی حالت اب بہتر ہے لیکن اگلے چوبیس گھنٹوں میں ان کا ہوش میں آنا ضروری ہے۔ ورنہ ہمیں خدشہ ہے کہ وہ کوما میں جا سکتے ہیں۔"

الہام بے چین سے اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔

"کیا میں انہیں دیکھ سکتی ہوں؟"

"جی پلیز پر کسی قسم کے Physical کانٹیکٹ سے پرہیز کیجیئے گا اور کوشش کریں کہ ایک وقت میں ایک ہی شخص اندر جائے۔"

"شیور۔" آرش نے کہا تھا۔

الہام ICU کی طرف گئی۔ آرش کچھ کہنے والا تھا، لیکن پھر خاموش رہا۔

سرمد اور سعد اب ڈاکٹر کی ساتھ ساتھ چلتے اب راہداری کی دوسری طرف چل دیئے۔

علایا جہاں کھڑی تھی وہیں دو قدم پیچھے ہٹی بیٹھ گئی۔ ایک ہاتھ گردن پر رکھے، گردن کو کندھے تک لے جاتے ہوئے مڑوڑ دیا۔

"ابراہیم کے جاگتے ہی اس کا بیان لینا ہوگا۔ اور الہام کو بھی مکمل انٹروگیشن سے گزرنا ہو گا۔" آرش کارڈ جیب میں اڑستا بولا تھا۔ علایا نے چہرہ اٹھایا اور پر تکان سی گویا ہوئی۔

"پہلے ڈیڈ۔۔۔۔ اب الہام۔۔۔۔ پھر کون۔۔۔۔ میں؟" لہجہ دھیما تھا۔ پر وہی ٹیپیکل بیوقوفانہ باتیں، جو کہ علایا سے ایکسپیکٹڈ تھیں

آرش کے ماتھے پر بل ابھرے تھے۔

"آپ نے ہر بات کو پرسنلی لینے کی ڈگری لے رکھی ہے کیا؟ یہ جرم اور مجرم کی دنیا ہے۔ یہاں ہر شخص قصوروار ہے۔ حتیٰ کہ وہ بے قصور ثابت نا ہو جائے۔ اور بلکل، چاہے وہ احمت صاحب ہوں، الہام ہو یا آپ، مس علایا۔"

علایا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"جی صحیح کہا اپنے انسپکٹر آرش۔"

آرش ٹھٹکا۔

وہ وہاں صحیح سے موجود ہی نہیں تھی۔ دل و دماغ میں کچھ اور چل رہا تھا۔ آرش کی طرف پشت کیے وہ راہداری کی دوسری طرف جانے لگی۔ باہر اندھیرا اتر رہا تھا۔ اور اندر ہسپتال میں بتیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔

"علایا! کیسی ہو بیٹا۔" الفاظ کی گونج ختم نہیں ہو پا رہی تھی

وہ چلتے چلتے ڈگمگائی تھی۔

آرش نے بغور دیکھا تھا۔

اچانک دوسری طرف سے سعد راہداری میں داخل ہوا تھا۔

"علایا جی آپ کہاں جا رہی ہیں؟" جاتی علایا کو دیکھ کر ٹھٹھکا۔

"میں اسٹیشن جا رہی ہوں۔ تم ابراہیم کے متعلق مجھے اپڈیٹ دیتے رہنا۔ اور الہام سے کہنا وہ گھر چلی جائے۔ یہاں ابراہیم کے پاس رکنے کا مت سوچے۔" کہتی وہ رکی نہیں تھی۔ فوراً راہداری مڑ گئی۔

"انہوں نے کہا وہ اسٹیشن جا رہی ہیں۔"

آرش کو علایا کو جاتا دیکھتے سعد بولا تھا۔ آرش جا گا۔

الہام ICU سے باہر آئی۔

"او الہام جی آپ چلی جائیں میں یہاں ابراہیم کے پاس رک جاتا ہوں۔" سعد کہتا آگے بڑھا تھا۔ الہام اثبات میں سر ہلاتی ایک طرف ہوئی۔ سعد ICU کا دروازہ پار کر گیا۔

"ہمیں تمہارا بیان لینا ہو گا۔" آرش الہام کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

"شیور۔" الہام مدھم سی بولی۔ شاید وہ دن والے واقع سے ابھی تک ڈری ہوئی تھی۔ پھر سر اٹھا کر گویا ہوئی۔

"آئی ہوپ ابراہیم کو ہوش آجائے گا۔"

آرش یک ٹک سا اسے دیکھے گیا تھا۔

"کیا مجھے دیکھتے ہی تمہارا پچھتاوا مزید بڑھتا ہے آرش؟" وہاں الہام کی آنکھوں میں ۔۔۔۔۔۔۔وہاں سوال نہیں تھا۔۔۔۔وہاں کچھ تھا۔

آرش نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

الہام کے اعصاب ڈھیلے پڑے تھے۔وہاں آنکھوں میں جو بھی تھا بجھ چکا تھا۔

آرش مڑتا وہاں سے چل دیا۔اسی سمت یہاں سے ابھی کچھ دیر پہلے علایا گئی تھی۔الہام نے ایک گہرا سانس خارج کیا تھا۔لیکن آرش کی پشت کی طرف نہیں دیکھا۔اس نے آج آرش کو جاتے نہیں دیکھا تھا۔

آر فنیج

"کسی کو مس کر رہی ہو؟"

وہ بیلا تھی۔ پلے گراؤنڈ کے ایک کونے میں درخت کے نیچے بیٹھی الہام کے سر پر پہنچ کر بولی جو کہ اپنی گود میں رکھی ڈائری پر کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔

اچانک یوں بیلا کی آمد پر ڈائری بند کر دی اور اپنے گھٹنے کے نیچے رکھ دی۔

"کسی کو مس کر رہی ہو؟" بیلا پھر بولی تھی۔اور وہیں الہام کے قریب بیٹھ گئی۔

"امی ابو کو۔۔۔۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔۔" وہ رکی تھی۔

"اور؟"

"اور آرش کو۔"

"وہ آرش۔۔۔۔۔۔جس سے تم ملنے آتی تھی؟"

الہام نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ہاں وہ تو شاید چلا گیا۔ کوئی بات نہیں تم میرے ساتھ کھیل لو۔ میری بھی ابھی کوئی دوست نہیں ہیں۔"

الہام مسکرا دی۔ پھر ڈائری اٹھاتی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور اثبات میں سر ہلاتی بیلا کے پیچھے پیچھے چل دی۔

موجودہ کہانی

آفس کی چھت سے لٹکتا وہ اکلوتا مدھم سا بلب چل رہا تھا۔

تمام کیبنز کی لائٹس آف تھیں، سوائے تیسرے کیبن کے۔ وہ علایا کا کیبن تھا۔ تقریبا اندھیرے میں ڈوبے آفس ہال میں وہاں اس تیسرے کیبن کی شیشے کی دیواروں سے روشنی باہر جھانک رہے تھی۔

وہ میز پر کہنیاں ٹکائے سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی۔ گہرے گہرے سانس لیتی یوں کہ آفس کے ہال کی خاموشی میں اس کی سانس کا ردھم صاف سنائی دے رہا تھا۔

اچانک آفس ہال کا دروازہ کھلا، کوئی اندر آیا تھا۔

علایا جوں کی توں بیٹھی رہی۔ کرسی پر وہ یوں بیٹھی تھی کہ جوتے نیچے فرش پر تھے اور وہ سمٹی سی ٹانگیں اکٹھی کیے کرسی پر پاؤں رکھے بیٹھی تھی۔

اچانک علایا کے سامنے ایک مگ رکھا گیا۔ علایا چونکی۔

"اوہ سعد۔۔۔ کیا خبر ہے؟ ابراہیم کو ہوش آیا۔" کہتے چہرہ اٹھایا، وہ بلکل کسی قسم کا کام یاڈسکشن کے موڈ میں نہیں تھی، لیکن ڈیوٹی ڈیوٹی تھی، اور پھر وہ مزید آرش کی سلاواتیں سننے کے موڈ میں تو ہرگز نہیں تھی۔

علایا نے چہرہ اٹھایا اور پھر وہ اگلے پل ٹھٹکی۔

وہ آرش تھا۔

علایا نے چہرہ واپس جھکا لیا۔

"یقینا تمہیں پوچھنا ہوگا کہ میں بغیر رپورٹ کیے صبح سے کہاں غائب تھی۔ مجھے ارجنٹ کہیں جانا پڑا تھا سو میں رپورٹ نہیں کر سکی۔ امید ہے اب اتنی سی بات پہ میرے لیے سزائے موت جاری نہیں ہو جائے گی۔"

وہ سامنے میز پر رکھا کپ ایک پل کو بھول گئی تھی۔

"میں جانتا ہوں آپ احمت صاحب کی طرف گئیں تھیں۔"

علایا نے آرش کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"الہام نے انفارم کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ آپ ایسی اہم باتیں بتانا بھول جاتی ہیں مس علایا۔"

"ہمم گریٹ۔۔۔۔" وہ اکتائی سی بولی۔ آرش کے لیے لہجے میں اکتاہٹ اتنی ہی تھی پر آج لہجہ مدھم اور تھکا ہوا تھا۔

اچانک ایک اور مگ میز پر رکھا گیا۔ علایا چونکی۔ وہ بھی کرسی کھینچتا وہیں بیٹھ گیا تھا۔ علایا ایک دم غیر آرامدہ ہوئی۔

بیٹھ کر وہ کیبن کا جائزہ لینے لگا۔ جس کی دیواروں پر مختلف سٹکی نوٹس، میز پر بکھری پڑی فائلیں، درازوں سے باہر جھانکتے کاغذات اور پھر اس کی نظر علایا کی پیروں پر رکی۔ اس کے ماتھے پر ذرا بل ابھرے تھے۔ وہاں ایک پیر میں سیاہ ساکس تھی اور دوسرے میں بھی سیاہ ساکس ہی تھی لیکن انگلیوں کی طرف سفید نشان تھے یقینا کوئی اور ڈیزائین تھا۔

باقی آفس تو اپنی جگہ لیکن یہ مختلف جرابیں اس کے مزاج پر ایک دم سے گراں گزری تھیں۔

علایاذرابوکھلائی تھی۔سامنے میز پر رکھے مگ دیکھے۔ایک کا ہینڈل بلکل علایا کی طرف تھا اور دوسرے کا آرش کی سیدھ میں۔گویا ناپ کر 90 ڈگری کے اینگل پر رکھے گئے ہوں۔اور یہ علایا کے مزاج پر گراں گزرا تھا۔اس نے فوراً اپنی طرف کے مگ کا رخ ذرا گھما دیا۔اور پھر اگلے ہی لمحے علایا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"آپ صرف چھونے کی بجائے اسے پی بھی سکتی ہیں، زہر نہیں ہے اس میں۔"

چاروناچار علایا نے مگ اپنی جانب کھسکایا۔

"میں نہیں جانتا کہ آپ کے دماغ میں ابھی کیا چل رہا ہے؟ آپ مینٹلی اپنے حال میں موجود نہیں ہیں پر Still مجھے آپ سے کچھ سوالات کرنے ہیں مس علایا۔"

آہ تو وہ اتنا تو سمجھ سکتا تھا، کہ سامنے والا اچھے موڈ میں نہیں ہے، گریٹ۔۔

"آپ کو پتا ہے جب کوئی دماغی طور پر اپ سیٹ ہو تو کیا کیا جاتا ہے۔" علایا نے مگ واپس رکھا۔

آرش جواباً خاموش رہا۔ سوالیہ خاموشی۔

"اسے تھوڑی دیر تنہا چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے دماغی طوفان سے نپٹ سکے۔ پر خیر آپ میں ایسی انسانی خوبیاں کہاں انسپکٹر صاحب۔پوچھیے کیا پوچھنا ہے۔"

آرش نے اپنا مگ اٹھایا۔اور ٹانگ پر ٹانگ رکھتا سیدھا ہوا۔علایا ٹھٹھکی۔

(تو وہ واقعی ہی نہیں جانے والا تھا۔اف کس قدر بے حس انسان ہے یہ۔)

"آپ کا اور الہام کا بچپن کہاں تک ساتھ گزرا ہے۔"

"جب تک میں اسلام آباد نہیں چلی گئی تھی۔تب تک ہم ایک ہی اسکول میں پڑھتے تھے۔"

"اور آپ اسلام آباد کیوں گئیں؟"

"میرے پیرنٹس کی Divorce ہو گئی تھی۔" کہتے کہتے لہجہ مدھم ہوا تھا۔

"میں ڈیڈ کے ساتھ اسلام آباد آ گئی اور مام کے گھر والوں نے ان کی شادی کسی اور سے کر دی سو وہ جرمنی چلی گئیں۔اسلام آباد جانے کے بعد میں دوبارہ الہام سے نہیں ملی تھی۔ حتیٰ کہ میری پوسٹنگ ایبٹ آباد ہو گئی۔اور ہم دوبارہ سے مل گئے۔شاید وہ کبھی ایبٹ آباد چھوڑ کر ہی نہیں گئی تھی۔"

"آپ یقین رکھتی ہیں کہ آپ جس انسان کو برسوں پہلے چھوڑ کر گئی تھیں۔آج دوبارہ ملنے پر وہ وہی انسان ہو گا؟"

"بائے داوئے تم سب کو "تم" بلاتے ہو تو مجھے خصوصی طور پر "آپ" کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ عجیب Creepy فیلنگ آتی ہے مجھے اس "آپ" سے۔۔۔۔اور جہاں تک بات ہے الہام کی۔" علایا نے آخری گھونٹ بھرا اور مگ میز پر رکھا۔

"الہام ایک معصوم، پر اعتبار، خوبصورت اور ذہین عورت ہے۔" کہتی علایا نے پیر نیچے کیے۔ وہ جانتی تھی، آرش گھما پھرا کر سہی لیکن علایا کو کیا تصویر دیکھانا چاہ رہا ہے۔ پاؤں میں جوتے اڑسے اور کھڑی ہوئی۔ میز پر سے اپنا والٹ اور کارڈ اٹھا کے جیکٹ کی جیب میں اڑسا۔

"وہ آج بھی ویسی ہی ہے جیسی تب تھی۔"

میز پر سے خالی مگ اٹھایا اور کیبن سے نکلنے لگی جب۔۔۔۔۔

"اور تم؟"

بھاری آواز اسکے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے تھے۔ وہ رکی۔ آرش کی جانب مڑی۔

وہ سامنے پینسل باکس میں لگے پوئنٹرز کو سیدھا کر رہا تھا۔ علایا کی نظر اس کے ہاتھ پر گئی۔ مردانہ، تراشیدہ ہاتھ ایک نفاست سے ان پوئنٹرز کو سیٹ کر رہے تھے۔ علایا کو لگا ابھی اس نے کچھ بھاری نگلا تھا۔ کچھ اتنا بڑا کہ لمحے بھر کو سانس لینا بھی ذرا مشکل ہوا تھا۔

"میں بھی ویسی ہی ہوں۔" وہ نا سمجھی سے بولی تھی۔

آرش کھڑا ہوا۔ علایا کے بلکل مقابل۔ یوں کے نظروں کی سیدھ میں علایا کو صرف اس کا سینہ دیکھائی دے رہا تھا۔ جس پر کاٹن کی ہلکی بھوری شرٹ تھی۔ وہ Causal کپڑوں میں بھی زیادہ تر ڈریس سوٹ ہی پہنتا تھا۔ آرش نے غیر محسوس انداز میں اس کے ہاتھ سے مگ پکڑا۔

"میں نے انسان کے بدلنے کی بات نہیں کی۔"

علایا دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔

"نا الہام کی نا تمہاری۔"

"میں نے حقیقت کی بات کی تھی۔ حقیقت کے بدلنے کی۔"

اور علایا کو لگا اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی تھی۔ وہ آپ پر ہی ٹھیک تھا۔ مس علایا ہی بہتر تھا۔ تم اور تمہاری۔۔۔۔اسے لگا وہ بہت قریب سے بول رہا تھا۔ بہت غیر آرام دہ۔

"اب آپ کو گھر جانا چاہیے مس علایا۔"

علایانے فوراچہرہ اٹھایا۔آنکھیں خوف و حیرت سے پھیل گئی تھیں۔کیااس نے ابھی میرادماغ پڑھ لیاجو فوراتم سے آپ پر واپس آگیا۔

علایا کیبن کے دروازے کی طرف آئی تھی۔

"اس کیبن سے نکلنے اور گھر کے دروازے سے داخل ہونے تک آپ کی حقیقت بدل چکی ہوگی مس علایا۔مجھے نہیں پتاآپ کو کیوں لگا کہ جس شخص کو برسوں پہلے آپ چھوڑ کر گئی تھیں۔اس نام اور جسم میں آپ کو وہی شخص واپس ملے گا۔"

کیاوہ کوئی جادو گر ہے، کیاوہ اسے کوئی شراپ دے رہا ہے

"اور وہ لمحہ جس میں آپ کو یہ بات realize ہوتی ہے۔اسے دھوکا کہتے ہیں۔" کہتاوہ علایا کے قریب سے کیبن کے دروازے سے نکلاتھااور آفس کے دوسرے کونے میں بنے کچن کی طرف چل دیاجو کہ اندھیرے میں ڈوبا تھا۔

علایارکی نہیں تھی۔فوراآفس سے نکل گئی۔

آرش دونوں کپ لیے،آفس کے سنک کی طرف گیاتھا۔وہ جانتا تھا،وہ کیا کرنے میں کامیاب ہوچکا ہے۔

حقیقت کیا ہے؟

ایک سچ،

یا جھوٹ

کسی یونانی کی سوچی گئی تخلیق

کسی کا یقین،

کسی کا گمان

کسی کہانی ساز کی کہانی

یا کسی کے تخیل کی حقیقی شکل

پر ایک بات ثابت ہے

حقیقت سب ہے

اور حقیقت کچھ بھی نہیں۔

\------------------

وہ جگہ مکمل سفید تھی، نا کوئی شے، نا فرد، بس وہ تھی... انجان سی اطراف میں نظریں دوڑاتی۔ سیدھ میں چلی جارہی تھی۔ اور پھر اچانک... اچانک اُسے کچھ سُنائی دیا تھا۔ جیسے سسکی ہو۔ وہ مڑی وہاں دور دور تک کچھ بھی نہیں تھا۔

"کون ہے؟"

وہ بولی...۔ آواز، ایک وقت میں کئی آوازوں میں بدل کر پلٹی تھی۔

اچانک منظر بدلہ۔ اب کے وہاں سفید کمرہ نہیں، بلکے اُسکا، انویسٹیگیشن ڈیپارٹمنٹ تھا، روشنی مدھم تھی۔ وہ آہستگی سے ایک طرف بنے کیبن کی طرف گئی، جہاں سے روشنی آرہی تھی۔ اور پھر ایک اور سسکی گونجی۔۔

"آرش!" وہ کہتی کیبن میں داخل ہوئی۔ وہاں ایک بڑا مردانہ وجود، میز پر سر رکھے سسک رہا تھا، جسم ہچکیوں کے ساتھ جھٹکے کھا رہا تھا۔

"کیا ہوا آرش؟"

اُسنے اسکے بال ذرا چھوئے تھے۔

"میں نے اُنہیں نہیں مارا۔" بھیگا سا جواب آیا تھا۔

اُسے لگا اُسکا دل بھینچ رہا تھا... جیسے کچھ اُسکے سینے پر دباؤ ڈال رہا ہو، وہ سانس نہیں لے پا رہی تھی۔ اور پھر اسے محسوس ہوا وہ رو رہی تھی۔

اُسکے پاس کوئی جواب نہیں تھا، وہ بس یوں ہی کھڑی اُس وجود کو دیکھتی رہی۔

اچانک اُسے بہت کھینچ کے سانس لینا پڑا تھا اور... اور وہ جاگ گئی۔

صبح کے آٹھ بج رہے تھے اور علایا، اندھیرے میں ڈوبے کمرے کے وسط میں پڑے بیڈ پر بیٹھی تیز تیز سانس لے رہی تھی۔ اُسکے گال تر تھے، اور گلا خشک، اور پھر ایک دم وہ بھی رونے لگی۔

وہ ابھی ابھی ایک lucid dream سے واپس آئی۔ وہ اُن بالوں کی نرمی ابھی بھی اپنے ہاتھوں پر محسوس کر سکتی تھی اور وہ آواز... سب بہت real تھا۔

اسکا دل ابھی تک دکھ رہا تھا۔

وہ اُنچی اُنچی رونے لگی۔

جیسے کوئی اٹکا غُبار تھا جواب بہنے لگا۔

"کسی ہے میری بیٹی ؟"

"تم پولیس میں ہو"

"ہاں علایا تم جاؤ میں آجاوں گی"

"میں نے اُنہیں نہیں مارا۔"

"اور تم ؟"

"میں نے انسان کے بدلنے کی بات نہیں کی۔"

"ناالہام کی نا تمہاری۔"

"میں نے حقیقت کی بات کی تھی۔ حقیقت کے بدلنے کی۔"

وہ اور اونچی رورہی تھی ...۔ حتی کے اُسکے سر میں ٹیسیں اُٹھانے لگیں اور سانس مشکل ہونے لگا۔

وہ ایک دم بیڈ سے اُتری۔

فیلحال اُسے شدت سے ایک ہی خواہش ہورہی تھی۔

اُسے آرش کو دیکھنا تھا۔

کیوں ؟

۔

۔

اگر حقیقت ہمارے عقائد ہیں۔

تو بس اتنی سی دیر لگتی ہے حقیقت بدلنے میں۔

اور اگر حقیقت ہمارے محسوسات ہیں۔

تو اتنی سی دیر لگتی ہے جذبات کے بدلنے میں

..............۔

وہاں انٹیروگیشن روم کے وسط میں پڑی میز کے عین اوپر، جلتا بلب پورے کمرے کو روشن کرنے کے لیے کافی تھا۔

میز کی ایک طرف دو کرسیاں تھیں اور دوسری طرف ایک۔اُس ایک کرسی پر الہام بیٹھی تھی۔دونوں ہاتھ میز پر تھے،یوں کے اُنگلیاں ایک دوسرے میں جکڑی تھیں۔چہرہ سپاٹ تھا،پر منتظر سا۔انٹیر وگیشن روم کا دروازہ کھلا،آرش اندر داخل ہوا،الہام ذرا سیدھی ہوئی۔

("اسی وجہ سے!"اِبراھیم نے آرش کے ہاتھ سے پیکٹ جھپٹنا چاہاتھا۔

"مجھے پتاتھاآپ بلاکچھ سوچے سمجھے الہام کواِس کیس میں گھسیٹیں گے"

"توتمہیں لگتاہے،میں بس منتظر ہوں کے مجھے الہام کو کسی ناکسی طرح اس کیس میں گھسیٹنے کاموقع ملے؟"

ابراھیم خاموش ہوگیا،وہ آرش کی بات کامکمل مطلب سمجھ نہیں پایاتھا۔)

آرش نے فائل اپنے سامنے میز پر رکھی اور ایک اندر باہر جھلکتالفافہ الہام کے سامنے رکھا۔

وہ بہت کامیابی سے الہام کواس کیس سے جوڑ چکا تھا۔

الہام نے ہاتھ بڑھا کر لفافہ اُٹھایااور کھول کے اندر موجود وہ چھوٹی سی انگوٹھی نکالی۔پھر یکدم گویاہوئی۔

"ہم یہاں اِبراھیم کے کیس کے سلسلے میں ہیں نا،تو یہ انگوٹھی کہاں سے آگئی؟"

"بلکل،میں بات وہیں سے شروع کر رہاہوں جہاں ابراھیم پوری نہیں کرپایا۔"آرش سکوت سے بولا تھا۔

("ٹھیک ہے،"آرش نے پیکٹ کھینچ لیا،"تم اپنی الہام جی کو بچانا چاہتے ہو۔تو یہ بھی کر کے دیکھ لو،تمہارے پاس ایک دِن ہے۔لیکن۔۔"آرش پیکٹ،ایک طرف رکھنے لگا۔پھرابراھیم کی طرف مڑتا گویاہوا۔

"لیکن ہم اِسے لیگلی کریں گے۔"

ابراھیم کے ماتھے پہ ذراکوبل آئے تھے۔

"اسٹنگ آپریشن کامشورہ تم نے ہی دیاتھانا۔توبس ہم۔۔۔۔۔۔"آرش کی بات بیچ میں تھی کہ

"میں نے اسٹنگ آپریشن،الہام پہ کرنے کانہیں کہاتھا۔اصلی مجرم پہ کہاتھا۔اورآپکو کیوں لگاکے الہام مجرم ہے؟"

"تمہیں کیوں لگاکہ الہام مجرم نہیں ہے؟"

ابراھیم کو جیسے چُپ لگی تھی۔)

علایا ابھی ابھی آفس میں داخل ہوئی تھی۔سعد اور ہالہ وہاں انٹیر وگیشن روم کے باہر کمپیوٹر کی اسکرین کے سامنے موجود تھے۔ علایا نے اُسکے سر پر پہنچ کر ایک چپت رسید کی تھی۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔"

"آ عیشششش۔۔"ہالہ مڑی۔۔"انٹیروگیشن سیکھ رہی ہوں۔ سر آرش نے کہا تھا میں والنٹیر کام کے ساتھ، ایسی چیزوں کا مشاہدہ بھی کر سکتی ہوں۔"

علایا نے کھا جانے والی نظروں سے اُسے دیکھا تھا، پھر ذرا پرے کو دھکیلتی کمپیوٹر کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"وہ الہام جی ہیں" سعد بولا تھا۔

"ہاں جانتی ہوں۔"

سب نے حیرت سے مڑ کر علایا کی جانب دیکھا۔ آج وہ غصہ کیوں نہیں کر رہی۔

"سرمد کہاں ہے؟"

"وہ ہسپتال گیا ہے، ابراھیم کا پتہ کرنے۔"

"کیا خبر ہے؟"

"پتا نہیں ابھی تک سرمد کا فون نہیں آیا۔"

("تمہیں کیوں لگا کہ الہام مجرم نہیں ہے؟ صرف جرم کرنے والا مجرم نہیں ہوتا، ایک مجرم کو جاننے اور اُسکے جرم کا راز رکھنے والا بھی مجرم ہوتا ہے۔"

ابراھیم کو جیسے چُپ لگی تھی۔)

اچانک سعد کا فون بجنے لگا۔

"یہ انگوٹھی، تمہاری ہے؟" آرش نے حتمی سا سوال کیا تھا۔ الہام گو مگو سی اُسے دیکھے گئی۔

"اوہ سرمد کی کال ہے۔" سعد نے اسکرین دیکھی، علایا نے اشارے سے اُسے کال، اسپیکر پر لگانے کا کہا۔ سعد نے کال آن کی اور اسپیکر پر لگا کر میز پر رکھ دی۔

"ہاں سرمد کیا حالت ہے ابراھیم کی؟" علایا کے کان فون کی طرف تھے لیکن نظریں اسکرین کے پار بیٹھی الہام کے چہرے پر گڑی تھیں۔

("یا تو یہ انگوٹھی الہام کی ہے یا پھر نہیں۔ یا تو وہ کہیں قصوروار ہے یا پھر نہیں۔ تم ثابت کرو گے کے الہام بے قصور ہے۔ یا پھر" کہتے ہوئے آرش کے ماتھے پہ بل پڑے تھے۔ ابراھیم کی ریڑھ کی ہڈی میں جیسے کوئی سنسنی سی دوڑی تھی۔)

"ابراھیم ہسپتال سے غائب ہے۔"

ایک بم پھٹا تھا۔

("یا پھر وہ الہام جس سے تمہیں محبت ہے اُسے تم آخری بار دیکھو گے۔")

"واٹ" علایا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔ سعد اتنی دیر میں انٹیروگیشن روم میں داخل ہو چُکا تھا۔

"ابراھیم ہسپتال سے غائب ہے۔" وہ آرش کے سر پہ پہنچ کر بولا۔

("اور پھر شاید تُم بہتر فیصلہ کر پاؤ، لیکن شاید تب تک بہت دیر ہو چکی ہو۔ اس آپریشن میں اہم کردار تم خود ہی ادا کرو گے، اور سچ بھی تم خود اپنی نگاہوں سے دیکھو گے۔ چونکہ تم اس آپریشن میں بہت کریٹیکل رول پلے کر رہے ہو سو اگر الہام قصوروار ٹھہری تو تمہاری جان کو خطرہ ہو سکتا ہے۔ پر فکر مت کرو، الہام اتنی آسانی سے میری نظروں سے غائب نہیں ہو سکتی"

آرش نے الہام کی سلامتی کی گیرنٹی ابراھیم کو دے دی تھی۔ پر ابراھیم اپنی جان کی گیرنٹی لینا بھول گیا تھا۔)

فیصلہ ہو گیا۔۔۔ آرش اپنے جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔

وہ الہام کی ہی انگوٹھی تھی۔

الہام نے اپنے قدموں میں پڑا پرس اُٹھایا اور میز پہ رکھ کے اُس میں کچھ تلاشنے لگی۔ الہام نے پرس سے کچھ نکالا جو کہ اُسکی مٹھی میں تھا۔

آرش نے ہتھکڑیاں نکالی تھیں

"تمہیں ابھی اور اسی وقت اریسٹ کیا۔۔۔۔"

علایا بھی ابھی ابھی روم میں داخل ہوئی۔

الہام نے اوندھی مُٹھی میز پر کھولی، اور وہاں ہاتھ میں موجود چیز میز پر منتقل کر دی۔

("اور اگر الہام قصور وار نہ ٹھہریں تو؟۔۔۔ ابراھیم کا لہجا تکلیف دہ تھا۔)

آرش نے ذرا حیرت سے میز پہ پڑی وہ چیز دیکھی تھی۔

وہ الہام کی انگوٹھی تھی جسکا، نگینہ غائب تھا۔

"میری آنگوٹھی کا نگینہ، کچھ دنوں پہلے نکل کے کہیں گر گیا تھا، نیا نگینہ لگوانے کا وقت ہی نہیں ملا، سو یہ یوں ہی میرے پرس میں پڑی تھی۔" کہتے کہتے الہام کا لہجہ ذرا کرخت ہوا تھا۔

آرش کی آنکھیں پھیلی ہوئی تھیں، ہاتھ ساکت تھے، گویا ابھی ابھی کسی نے ایک سرد تمانچہ رسید کیا ہو۔

("اور اگر الہام قصوروار نہ ٹھہریں تو؟۔۔۔ابراھیم کا لہجا تکلیف دہ تھا۔آرش مسکرایا۔اُسے یقین تھا ایسا نہیں ہوگا۔

"تو تم صحیح سلامت یہاں موجود ہوگے۔")

الہام نے آرش کو دیکھا تھا۔آرش ابھی بھی کہیں اٹکا ہوا تھا۔

"ت۔۔ت۔۔تم تم یہاں ہو۔۔۔بے قصور

تو۔۔۔تو ابراھیم۔۔؟

شٹ۔۔۔"

آرش کے یوں ڈگمگاتے لہجے پر سب نے ایک ساتھ آرش کی جانب دیکھا تھا۔

اُس نے بھی صرف ناسمجھی میں ایک نگاہ سب پر دوڑائی،اسکے ماتھے کے بل گہرے ہوئے تھے،

گردن کی رگیں تنی،وہ مکمل الہام کی جانب مڑا اور غصے میں دونوں ہاتھوں کے مکے بنا کر میز پر مارے تھے،ایک قہر آلود نگاہ الہام پر ڈالی۔

"وہ تیسرا کون ہے؟"آرش اور الہام کی لاکڈ آنکھیں۔پاس موجود ہر شخص صرف اتنا بتا سکتا تھا کہ آرش کچھ جانتا ہے جو سب نہیں جانتے۔۔اور وہ جو آرش جانتا ہے۔۔۔الہام اپنی آنکھوں میں جھلکنے نہیں دے رہی۔

پھر اثبات میں سر ہلایا۔مسکراتے ہوئے دانت پیسے تھے۔

"اگر ابراھیم کو کچھ ہوا۔۔۔۔۔۔"آرش کی بات ابھی بیچ میں تھی۔

"تو اس سب کے ذمہ دار تم ہوگے آرش۔۔۔"الہام نے بات مکمل کی۔وہ غلط نہیں تھی۔اس نے آرش کو منع کیا تھا،آرش کو الہام سے جڑے ماضی کے راز ان دونوں کے بیچ سے نکلنے نہیں دینے چاہئے تھے۔

پچھلی رات

وہاں ہسپتال کے وارڈ میں نائٹ بلب جل رہا تھا۔کمرے کے وسط میں پڑے بیڈ پر چت لیٹا،ابراھیم چھت کو گھور رہا تھا۔اُسے رات کو سب کے جانے کے بعد ہوش آگیا تھا،لیکن آرش کی ڈاکٹر کو خاص تاکید تھی کہ صرف آرش کو ہی انفارم کیا جائے،اچانک اُسکے کمرے کا دروازہ کھلا۔ابراھیم نے فوراً سے چہرہ گھمایا تھا،وہ آرش تھا۔

"کیاالہام کو پتاہے کہ مجھے ہوش آگیا؟ کیا انھوں نے میرا پوچھا؟"

آرش خاموشی سے اُسکے سر کا زخم چیک کرنے لگا، وہ وار اور ہتھیار کا اندازہ کرنا چاہ رہا تھا۔

"کیا وہاں آس پاس کوئی گلدان موجود تھا، جب تم ریسٹورانٹ کے پرائیوٹ سٹنگ ایریا میں داخل ہوئے؟"

ابراھیم نے دانت بھینچے تھے۔ آرش نے کرسی کھینچی اور بیڈ کے قریب بیٹھ گیا۔

"مجھے صحیح سے یاد نہیں مگر ہاں شاید وہاں ایک طرف بنے ایکویریم کے ساتھ، زمین پر گملے پڑے تھے۔"

"کیا الہام نے قبول کیا کہ یہ اسکی انگوٹھی ہے؟"

"موقع ہی نہیں مل پایا۔"

"موقع آنے نہیں دیا گیا۔"

آرش نے کہتے ہوئے قریب اسٹول سے اے سی کا ریموٹ اُٹھایا اور اے سی کی کولنگ ڈاون کی۔

ابراھیم کے ضبط آرش جتنا اچھا نہیں تھا۔

"میں ڈسچارج کب ہونگا؟"

"صبح"

"اور میرے آنے سے پہلے آپ الہام سے کسی قسم کی پوچھ گوچھ نہیں کریں گے۔"

"کیا میں تمہاری بات کا تابع ہوں؟" آرش نے ایک اکتائے سے لہجے میں کہا۔

"پھر مجھے ابھی، ڈسچارج ہونا ہے۔" ابراھیم اپنے اُپر سے چادر اُتارتا، اُٹھنے لگا۔

آرش اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔ اور شہادت کی اُنگلی سے ابراھیم کے ماتھے پر دباو ڈالتے ہوئے اُسے واپس دھکیلا۔

"مجھے بیوقوف انسانوں کی یہی ایک عادت پسند نہیں، وہ بہت جلد باز ہوتے ہیں۔"

ابراھیم کراہتا واپس لیٹا تھا۔ پھر اُس نے آرش کو جاتے دیکھا، نظروں ہی نظروں میں اُسکی پشت پر ایک لات رسید کر چُکا تھا۔

آرش کے نکلتے ہی ایک نرس اندر داخل ہوئی تھی۔ ابراھیم خود کو کمپوز کرتا واپس لیٹ چُکا تھا۔

نرس نے اُسکی ڈرپ چیک کی، وہاں اسکے سرہانے لگی مشینوں سے ریڈنگ نوٹ کرتی، ہاتھ میں پکڑی فائل میں لکھی۔ پھر فائل ایک طرف رکھ کے انجیکشن بھرنے لگی۔

"کیا آپکو کسی چیز کی ضرورت ہے سر؟"

ابراھیم کے بیڈ سے ذرا فاصلے پہ کھڑی وہ گویا ہوئی تھی۔

ابراھیم نے ریلیکسڈ بند آنکھیں ایک دم کھولی تھیں۔ جیسے اچانک کچھ یاد آیا ہو، چھت کو گھورتے ہوئے آنکھیں، ایک سے دو بار جھپکیں۔

نرس اایک ہاتھ میں پکڑاا انجیکشن اُسکے ہاتھ کی پشت پہ لگے کینولا میں لگانے لگی۔ابراھیم نے کچھ سوچنے کے انداز میں چہرہ مکمل گھما کے نرس کی طرف دیکھا۔اُسکی نظر نرس کے انجیکشن لگاتے ہاتھ پر گئی۔اور پھر اگلی اُسکے چہرے پر۔

وہ قدم۔۔اُسے وہ قدم یاد آئے تھے جو اُس نے وہاں بے ہوش ہونے سے پہلے دیکھے تھے، وہ چہرہ، وہ چہرہ مانوس سا کیوں لگ رہا تھا، جیسے اس نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھ رکھا ہو۔۔۔نرس اُسکے انجیکشن لگا چکی تھی۔

"ت۔۔ت۔۔تم۔۔"

اُسکا سر چکرانے لگا تھا۔دھندلاتی آنکھوں سے اُس نرس کو ایک اور انجیکشن بھرتے دیکھا تھا۔

آرش کچھ لمحوں کے توسط سے چہرہ جھٹکتا سیدھا ہوا تھا۔اور پھر فوراًانٹیروگیشن روم سے نکل گیا،اسے جلد از جلد ہسپتال پہنچنا تھا۔سعد بھی پیچھے پیچھے نکلا تھا۔

الہام اب اپنے پرس کی زپ بند کر رہی تھی۔علایا میز کے قریب آئی۔

"الہام یہ سب کیا ہے؟ مجھے کچھ کیوں نہیں پتا،...ابراھیم تم سے ملنے کیوں آیا تھا؟"

ہالہ وہیں پیچھے کھڑی تھی۔

الہام، خاموشی سے اپنی کرسی سے کھڑی ہوئی۔

"الہام میں کچھ پوچھ رہی ہوں، یہ انگوٹھیوں کے کیا قصے ہیں اور آرش...۔۔"

الہام نے چہرہ اُٹھا کر علایا کی جانب دیکھا۔

"پتا ہے رات تمہیں بہت تیز بخار تھا،"

علایا کو ایک دم یاد آیا، صبح اُسکے سائڈ ٹیبل پر ایک عدد پانی سے بھرا باول اور اُس میں ایک ٹاول ڈوبا پڑا تھا۔

"اور تم سوتے میں پتا ہے بہت کچھ بول رہی تھی۔"

وہاں الہام کی آنکھوں میں غُصہ اور درد صاف تھا...

علایا کو چپ سی لگی تھی۔ وہ الہام کا یہ تاثر بلکل سمجھ نہیں پائی تھی۔

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے؟" علایا جیسے خود سے ہی پوچھ رہی تھی۔ الہام نے مزید کوئی جواب نہ دیا اور پرس کندھے پر ڈالتی، انٹیروگیشن روم سے نکل گئی۔

"الہام... ویٹ... الہام..." علایا کہتی پیچھے آئی تھی۔ پھر اچانک سامنے ہالہ کو کھڑا دیکھ کے ٹھٹھکی۔

"تم ابھی تک یہاں ہو؟"

" تھی اب تو جا بھی چکی۔" کہتی وہ فوراً روم کا دروازہ پار کر گئی، گویا علایا اُسے یہیں کھڑے کھڑے شوٹ نا کر دے۔ ایک لمحے کے وقفے سے ہالہ نے واپس دوروازے سے اندر جھانکہ تھا۔

"ویسے پولیس اسٹیشن اب میری پسندیدہ جگہ بن گیا ہے۔ اتنا ڈرامہ تو مجھے نیٹفلیکس پہ بھی نہیں ملتا، جتنا یہاں ہے۔"

اب کے علایا نے ہاتھ میں پکڑی ہتھکڑیاں، ہی کھینچ کر ماری تھیں، جو کہ بند دروازے سے جا ٹکرائیں۔ ہالہ بھاگ چکی تھی۔

علایا نے ایک گہری سانس کھینچا۔

۔

۔

۔

اور پھر ایک لمبا سانس خارج کیا۔

الہام......وہ اس لفظ سے آگے کبھی الہام کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی۔ کبھی نہیں۔ وہ الہام، اُسکی الہام ہی ہے۔ الہام کے تاثر میں کچھ تھا، علایا کو لگا اُسکا سانس بند ہو جائے گا۔

آر فنیج

وہ وہی نیکلس تھا، بیلا پہچانتی تھی، الہام کے گلے میں پڑا وہ نیکلس، علایا نے جاتے ہوئے، الہام کو الوداعی تحفے کے طور پر دیا تھا۔

الہام ناشتے کے بعد، باقی لڑکیوں کی قطار میں پلے گراونڈ کی طرف جارہی تھی، جہاں کچھ ہی دیر میں اُنکی پی ٹی ہونی تھی۔ بیلا بھی ساتھ والی قطار میں چل رہی تھی، جب اُسکی نظر الہام کی قمیض کے گلے سے باہر جھلکتے نیکلس پر پڑی۔

گراونڈ میں پہنچ کر، موقع ملتے ہی بیلا دوڑ کر الہام کے برابر میں آکھڑی ہوئی۔

"یہ نیکلس پیارا ہے۔"

الہام نے چونک کر آواز کی طرف دیکھا۔

"علایا نے دیا تھا نا تمہیں؟"

الہام فوراً سے نیکلس واپس قمیض کے گلے سے اندر کی طرف کرنے لگی، گو کے وہ چھپ جائے، پھر بیلا کی طرف دیکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ اور پھر مدھم سا مسکرا دی۔

بیلا کتنی دیر الہام کی طرف دیکھتی رہی۔

تم میری ویسی والی دوست بن سکتی ہو، جیسی تم علایا کی تھی۔" وہ کہہ رہی تھی۔۔۔۔ یا شاید پوچھ رہی تھی۔

الہام نے بس جواباً سر ہلا دیا۔

"تو تم مجھ سے باتیں بھی کر سکتی ہو، جیسے تم علایا سے کرتی تھی۔"

"ہاں ضرور۔"

پی ٹی شروع ہو چکی تھی۔

ون ٹو ون ٹو۔۔۔۔ پی ٹی والی میم اُونچی اونچی چلا رہی تھیں۔

الہام کے چہرے پہ کچھ عجیب تھا۔ بیلا سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ بس وہ کچھ کچھ توقف سے ذرا سا چہرا گھما کر اُسے دیکھ لیتی۔

آخر آدھے گھنٹے کی پی ٹی ختم ہوئی۔

الہام سیدھی ڈورمز کی طرف گئی تھی۔ بیلا بھی اُسکے پیچھے دوڑ گئی۔

کمرے میں داخل ہونے کی دیر تھی اور الہام خود پر قابو کھو بیٹھی۔

اور اپنے بیڈ میں گھس کر رونے لگی۔

بیلا وہاں نیچے کھڑی اُپر منہ کیے اُسے دیکھے گئی۔

"تم رو کیوں رہی ہو۔"

پھر چلانے کے انداز میں بولی تھی۔

"مجھے اپنے گھر جانا ہے"

الہام سسکیوں میں کہتی اُٹھ بیٹھی۔

تو پھر یہاں کیوں آئی تھی؟"

بیلا کا سوال معصومانہ ہی تھا۔

الہام اور اونچی رونے لگی۔

"مجھے امی ابو کے پاس جانا ہے" ہچکیوں کے درمیان کہتی وہ پھر تکیہ میں سر دے کے لیٹ گئی۔

بیلا کچھ دیر تو کھڑی رہی، پھر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

اُسے لگا شاید اُسے الہام کو خوش کرنے کے لیے کچھ کر سکتی ہے۔

\---------------------

موجودہ کہانی

سعد اور آرش ابھی ابھی ہسپتال سے نکل رہے تھے، سرمد دوسری چھان بین اور تمام قریبی سی سی ٹی وی فوٹیج دیکھنے کے لیے جا چکا تھا۔
ابراہیم کے غائب ہونے کا پورے اسٹاف کو نہیں پتا تھا، اور سونے پہ سہاگہ کے اُنہیں ہسپتال سے کوئی سی سی ٹی وی فوٹیج بھی نہیں ملا تھا۔
"کیا آپ اور ابراہیم ہم سب کو بتائے بغیر کچھ خاص کر رہے تھے۔"
آخر سعد کے دماغ میں بلبلاتا سوال ہونٹوں پہ آ ہی گیا۔
آرش کا گاڑی کا دروازہ کھولتے ہاتھ رُکے۔ وہاں سامنے اُسکی گاڑی میں ایک عدد ڈبہ پڑا تھا، چھوٹا سا، بلکل ڈرائیونگ سیٹ پر۔
سعد کو لگا آرش اسکی بات پر ٹھٹھکا ہے۔
آرش مڑا، ایک نظر سعد پر ڈالی۔
"وہ انگوٹھی.... مجھے اور ابراہیم کو شک تھا کہ وہ انگوٹھی الہام کی ہے۔ تم علایا کو یہ سب ایکسپلین کر دینا، مجھے ابھی کہیں اور جانا ہے فوراً۔ شاید میں شام تک لوٹ آوں" آرش کہتا مڑا تھا اور پھر سیٹ پہ پڑا ڈبہ ذرا دھکیل کر سیٹوں کے درمیان گرا دیا، گو کہ سعد دیکھ نا لے۔
"اور ہاں،" آرش نے گاڑی سے اندر کیا سر واپس باہر نکالا۔
"ابھی تم آٹو یا ٹیکسی لے کر چلے جاؤ، کار مجھے چاہیئے۔ اور پلیز......" وہ سعد کو بغور دیکھ رہا تھا... "اور پلیز کوشش کرنا میرے واپس آنے تک الہام منظر سے غائب نا ہو۔"
"اور ابراہیم....؟" سعد کے لہجہ سرد تھا، بھنویں ذرا کھچی ہوئی تھیں۔ سب باتیں چھوڑ کے اُس نے یہی پوچھی تھی۔
"اُسے میں واپس لاؤں گا۔ تم فکر مت کرو"
"اور اگر ابراہیم کو کچھ ہوا تو.... الہام جی نے ایسا کیوں کہا کے اس سب کے ذمہ دار آپ ہونگے؟"
آرش کے اعصاب ڈھیلے پڑے تھے۔ اس وقت اسے اپنے سامنے کھڑا، فین بوئے نہیں بلکہ ایک پولیس آفیسر محسوس ہو رہا تھا۔

"فی الحال میں بھی اُسی کو ئسچن مارک کے ساتھ کھڑا ہوں، جس کے ساتھ تم سب۔" آرش کہہ کر خاموش ہوا، سعد نے فوراً رُخ پھیر لیا اور سڑک کے کنارے جا کے ٹیکسی کو اشارے سے روکنے لگا۔

آرش بس اسکی پشت دیکھتا رہ گیا، سعد نے مڑ کر نہیں دیکھا تھا۔

آرش بھی چہرہ جھٹکتا مڑا اور گاڑی میں بیٹھتا، گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

اُسکے سر کے پچھلے حصے میں اِس وقت شدید ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں۔ لیکن فی الحال اسکے دماغ میں دو ہی خیال تھے۔

ابراھیم...الہام

....

آرش نے ڈبہ میز پر پٹخا تھا، اور خود، وہاں صوفے پر دراز ہو گیا، یہ ڈاکٹر ہمدانی کے کلینک سے منسلک اُنکا پرائیویٹ روم تھا، آرش ہمیشہ سیدھا یہیں آتا تھا، اُسے اجازت تھی۔ سامنے پڑی ڈاکٹر ہمدانی کی کرسی ٹیبل خالی تھی، شاید وہاں سے منسلک کلینک میں کسی پیشنٹ کے ساتھ سیشن میں تھے۔

آرش سختی اور عجلت سے فون کی اسکرین پر انگلیاں چلاتا کچھ ٹائپ کر رہا تھا، جب ہمدانی صاحب کھنکارے، وہ ابھی درمیان کے دروازے سے داخل ہوئے تھے۔

آرش نے سر اُٹھایا۔

ہمدانی صاحب ایک طرف پڑی کافی مشین کی طرف آ گئے اور دو کپ کافی تیار کرنے لگے۔

"آپ نے اُس لڑکی کی معلومات نکالیں؟ اُسکے علاج کا کوئی ریکارڈ... آر فنیج کا ریکارڈ۔"

پچھلے دنوں وہ پولیس اسٹیشن میں اتنا مصروف تھا کے اپنی ذاتی چھان بین اُس نے ڈاکٹر ہمدانی کے حوالے کر دی تھی۔

ہمدانی صاحب نے بلیک کافی کا ایک کپ آرش کے سامنے رکھا اور دوسرا اپنی میز پر، پھر میز کی دوسری طرف جا کے ڈرار سے فائل نکالی اور لا کر آرش کے سامنے رکھی۔

"میں اسے جانتا ہوں" ہمدانی صاحب نے ایک بم پھوڑا تھا، آرش نے فائل پہ جھکا سر اُٹھایا۔

"مطلب بلکل مکمل نہیں جانتا لیکن بچپن میں اسکا باپ لایا تھا ایک دفعہ اسے میرے پاس، اور میرے ڈائگناسس پر اسس کا مشورہ دینے پر، عین متوقع، پھر دوبارہ کبھی نہیں آیا۔"

پھر ہمدانی صاحب نے فائل کی طرف اشارہ کیا۔

اور اُسکی یہ ساری ہسٹری جو کہ صرف پندرہ سال تک ہے، پڑھ کہ میرا تجربہ صاف بتا سکتا ہے کہ وہ سائکوپیتھک ٹریٹس رکھتی ہے، اگر اُسکا باپ وقت پر صحیح فیصلہ کر لیتا تو شاید وہ ٹھیک ہو جاتی۔" ہمدانی صاحب مزید بھی بول رہے تھے لیکن آرش کہیں اٹکا ہوا۔ وہاں فائل کے آخر میں اُسکی آرفنیج چھوڑنے کی تاریخ......

وہ وہی تاریخ تھی جب الہام نے بھی آرفنیج چھوڑا تھا۔ بھلا وہ دونوں ایک ساتھ آرفنیج کیوں چھوڑیں گیں

آرش نے فائل واپس پلٹی اور شروع سے اُسے دیکھنے لگا۔

"بیلا اکبر..." وہ زیرِلب بڑبڑایا

اُسکے پیرینٹس کی موت، اُسکا یتیم خانے آنا، اُسکے فوسٹر پیرینٹس کی موت، اور پھر اُسکا یوں یتیم خانہ چھوڑ دینا، بغیر کسی اڈاپشن کے، آرش نے فائل بند کی اور پوری قوت سے میز پر پٹخی تھی۔

ہمدانی صاحب تب تک وہاں میز پہ پڑا وہ ڈبہ اُٹھا کر الٹتے پلٹتے اُسکا جائزہ لے رہے تھے۔

"یہ تیسرا ہے۔" آرش بغیر سر اُٹھائے بولا، معلوم ہوتا تھا وہ پہلے بھی شاید ہمدانی صاحب سے اسکا ذکر کر چُکا ہے۔

ہمدانی صاحب ڈبہ کھول چکے تھے، وہاں ایک عدد کارڈ تھا۔

"ہممم آئی سی...۔"

وہاں کارڈ کی ایک طرف ریممبر می لکھا تھا، اور دوسری طرف ایک لفظ۔ وہ پورا کارڈ ایک مختص رنگ کا تھا۔

"Woods"

"building"

آرش نے پچھلے کارڈز کے الفاظ دہرائے تھے۔

"backyard"

ہمدانی صاحب نے ہاتھ میں پکڑے کارڈ پر لکھا تیسرا لفظ دہرایا۔

"تم انکا مطلب جانتے ہو، ہے نا؟"

آرش کا سر دونوں ہاتھوں میں گرا ہوا تھا۔

"ہر باکس تمہیں مرڈر کے بعد ملتا...۔" اُنکی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ...

"میں جانتا ہوں..." آرش چلایا۔

(ہر باکس آرش کو مرڈر کی واردات کے بعد ملتا تھا، جیسے پہلا Woods اُسے اُس عورت کی قتل والی رات سے اگلی صبح ملا تھا جب وہ آئرپورٹ پر اُترا تھا، اور building اُسے اُس بنگالی کی قتل کی رات ملا تھا، لیکن اُنہیں لاش کافی دیر بعد ملی، دونوں کارڈز میں اُن جگہوں کی نشاندہی تھی جہاں، قاتل نے لاش کو پھینکا تھا، اسی کی بدولت آرش اس بنگالی کی لاش کی بلڈنگ میں موجودگی کا اندازہ لگا پایا تھا۔ اور اب تیسرا کارڈ تھا backyard۔)

اچانک آرش کا فون بج اُٹھا تھا۔ سرمد کی کال تھی۔ آرش نے کال اُٹھائی۔

"ہاں سرمد، کچھ معلوم ہوا؟"

"نہیں، وہ الہام جی...۔" آرش کو لگا، اُسکے قدموں تلے سے زمین کھینچی جا چکی تھی، "وہ الہام جی نا جانے کہاں چلی گئی ہیں، ہم نے اُن پہ پوری نظر رکھی ہوئی تھی، پر......"

آرش نے کال کاٹ دی۔ اور گہرے گہرے سانس لینے لگا، سر کے پچھلے حصے میں ٹیسیں بڑھ گئی تھیں۔

وہ فائل اور ڈبہ اُٹھاتا فوراً وہاں سے نکلا تھا۔

"ہر باکس تمہیں مرڈر کے بعد ملتا ہے..."

اُسکا دماغ چکرا رہا تھا۔

____

آر فنیج

"تمہیں جنگل پسند ہیں؟" چودہ سالہ الہام ڈورم اسٹڈی ٹیبل کے سامنے بیٹھی کچھ پڑھ رہی تھی، جب بیلا نے چہرہ بلکل اُسکے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

پچھلے دو سالوں میں اُنکی دوستی خوب بڑھ گئی تھی۔ جہاں الہام تھی، وہاں بیلا اور جہاں بیلا، وہاں الہام۔

"ہاں مجھے درخت پسند ہیں۔"

الہام نے کتاب سے چہرہ اُٹھائے بغیر کہا تھا۔

"تم آر فنیج کے پچھلی طرف والے جنگل میں گئی ہو کبھی؟" بیلا کسی تجسس سے بول رہی تھی۔

"نہیں۔ وہاں دیکھنے کے لائق کچھ خاص نہیں۔ میں بھلا وہاں کیوں جاؤں گی۔"

بیلا نے منہ بسورا تھا۔ "تم اتنی بورنگ کیوں ہو الہام۔ ہم کل جائیں گے، صحیح ہے نا۔"

الہام نے کتاب بند کی۔

"تمہیں پتا ہے نا بارہ سال سے بڑی لڑکیوں کو بلاوجہ باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"پر میرے پاس ایک بہت زبردست آئیڈیا ہے۔" بیلا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"کیا؟" اب کے الہام مکمل اُسکی طرف مڑ چکی تھی۔

موجودہ کہانی

آرش پولیس اسٹیشن پہنچا تو سامنے علایا، سرمد اور سعد موجود تھے۔ آرش کے آتے ہی علایا اور سرمد اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے، ہاں اس کے برعکس سعد اپنی جگہ پر ہی بیٹھا رہا اور کوئی فائل کھول کر پڑھنے لگا۔

"سعد نے کہا تھا تم خود آکر سب ایکسپلین کرو گے، اب بتاؤ کیا بات ہے؟ یہ سب کیا چل رہا ہے؟"

آرش نے سعد کو غصے سے ایک نظر دیکھا تھا۔

"الہام کی کیا خبر ہے؟"

آرش نے اُلٹا سوال کیا تھا۔

"وہ مجھے بتا کر نہیں گئی، لیکن شاید کسی کورٹ کے کام سے گئی ہو، آجائے گی، کیا تمہیں اس پہ بھروسہ نہیں ہے؟"

"علایا مجھے کتنی مرتبہ یہ بات آپکو بتانی پڑتی ہے کہ یہ پو۔۔ لیس۔۔ اِس۔۔ ٹے۔۔ شن۔۔ ہے۔۔۔۔ یہاں بھروسہ وروسہ کچھ نہیں ہوتا، وہ فیلحال ایک سسپکٹ......"

"لیکن تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ سسپیکٹ ہے۔" آرش کی بات کاٹتے علایا کی آواز اُنچی ہوئی تھی۔

آرش ایک دم چُپ ہوا تھا۔ سرمد ذرا آگے آیا۔

"علایا ٹھنڈے دماغ سے سوچیں، ابھی ہم یہاں لڑ نہیں سکتے۔۔۔"

"میں وہی ڈھونڈ رہا ہوں۔" آرش آہستگی سے بولا تھا۔ سرد لہجے میں۔ پھر کچھ کہنے کو منہ کھول ہی تھا۔۔۔ کہ واپس بند کر لیا۔

اور سرمد کی جانب متوجہ ہوا۔

"سی سی ٹی ویز کے ریکارڈز کا کیا بنا، کچھ پتا چلا؟"

"آں ہاں، میرے پاس کچھ ہے آپکو دیکھانے کو سرمد اپنے کیبن میں لیپ ٹاپ اُٹھانے گیا تھا۔

آرش کی توجہ سرمد سے ہٹی تو معلوم ہوا کہ علایا اُسے ہی دیکھ رہی تھی۔ ماتھے پر بل لیے، بھنویں چڑی ہوئی تھیں۔

آرش نے چہرہ جھٹکا، اور سرمد کی طرف چل دیا۔ علایا نے ایک گہرہ سانس خارج کیا۔

وہ الہام اور آرش کو ایک ترازو کے دو پلڑوں میں رکھ چکی تھی، دونوں پلڑے مسلسل اُوپر نیچے ہو رہے تھے، کونسا پلڑا پہلے فرش چھوتا ہے، شاید اُسے انتظار تھا یا شاید۔۔

-

-

-

وہ ہر گز جاننا نہیں چاہتی تھی۔

اپریل کی آخری تاریخیں، سال دو ہزار بائیس۔

"میں اپنے پرائیویٹ انوسٹیگیشن کے دھندے میں اس سے زیادہ خوش تھی۔" ہالہ کانٹے سے سامنے پڑا کیک کے ٹکڑے کرتی بولی۔

"دھندہ۔۔۔۔ لفظ دیکھو اپنے۔۔۔" فنزہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اسکا کچھ نہیں ہو سکتا۔ اسے عام انسانی زندگی راس ہی نہیں۔۔۔ مجھ سے لکھوا لو۔۔۔ سِول سروسز میں جانے سے پہلے یہ جیل میں ہو گی اپنی کسی اوٹ پٹانگ "دھندے" کی وجہ سے۔۔۔" ردا نے صاف مزاق اڑایا تھا۔ پھر کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا اپنے منہ میں رکھ لیا۔

ہالہ نے جواباً منہ چڑایا۔

وہ تینوں اس وقت ایک چھوٹے سے مقامی کیفے میں موجود تھیں۔ چونکہ اندر اتنی خاص سردی نہیں تھی تو تینوں کے کوٹ انکی کرسیوں کی پشت پر لٹک رہے تھے۔ نیا سمسٹر شروع ہوئے مہینہ ہو چکا تھا اور آج وہ کافی عرصے بعد مٹر گشتی کرنے نکلی تھیں۔

"اور اس ہنڈسم سائیکوپاتھ کے بارے میں بتاؤ۔۔۔ کیا اس ٹاکرا ہوتا ہے کبھی تمہارا؟" فنزہ کا ندیدہ پن واپس لوٹ اٹھ آیا تھا۔

"ہونہہ ٹاکرا۔۔۔۔ وہ مجھے ہر طرح کی انٹروگیشن میں بیٹھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ اور تو اور میری رائے بھی پوچھتے ہیں۔"

"اووووووو۔۔۔ لکی یار۔۔۔۔۔۔۔" ردا اور فنزا بیک وقت بولی تھیں۔

"بلکل اور انکی آراء کی مدد سے ہم ابھی تک تاریخ کے سب سے مشکل کیسز بھی حل کر چکے ہیں۔"

وہ مردانہ آواز تھی۔تینوں نے بیک وقت سر اٹھایا۔ہالہ کا نوالہ گلے میں ہی اٹکا تھا۔

وہ سعد تھا۔ہالہ کی پچھلی طرف کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔پشت تو ہالہ کی طرف تھی لیکن وہ انکی باتیں صاف سن سکتا تھا۔

"یہ کون ہے؟"فنزا بولی تھی۔

ہالہ پہچان چکی تھی۔لیکن پھر بھی کندھے اچکائے اور جلدی جلدی سامنے پڑا کیک کھانے لگی۔

"میں وہی ہوں۔جس نے انکی آراء سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔بلکہ ہماری ٹیم کی تو پرموشن بھی ہوگئی۔"ہالہ کو اتھو چھڑا تھا۔

"سیر سیلی؟"فنزا اور ردا نے بیک وقت ہالہ کی جانب دیکھ کر بولا۔

"چلو یار کھالیا میں نے۔"ہالہ جواب دینے کی بجائے اٹھ کھڑی ہوئی۔

سعد ان سے پہلے کھڑا ہو چکا تھا۔پھر انکی میز کے مقابل آکر کھڑا ہو گیا۔

"ہائے سمارٹ لیڈیز۔۔۔"وہ ردا اور فنزا کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

فنزا آنکھیں پھاڑے اسے دیکھے گئی۔پھر پیچھے کو گرنے لگی جب ردا نے ٹہوکا دیا۔

"ہائے"ردا نے سر کو ذرا خم دیتے ہوئے کہا تھا۔

"اوہ ہائے ہائے۔۔۔"فنزا بھی بول پڑی۔

سعد نے ہالہ پر نگاہ ڈالی جو کہ الریڈی چبا جانے والی نظروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"چونکہ آپ ہالہ کی فرینڈز ہیں تو کبھی آپ بھی اسٹیشن وزٹ کیجئے گا۔چائے پانی میری طرف سے۔آخر آپ بھی تو دیکھیں کہ ہالہ کتنی ذہین اور محنتی ہے۔"

اور ہالہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ضرور ضرور۔۔۔"فنزا نے فوراً حامی بھری تھی۔

"چلو یار تم دونوں تو نکلو یہاں سے۔"ہالہ نے دونوں کو دھکیلتے ہوئے باہر کی طرف کیا اور مڑ کر ایک نظر ہنسی دبائے کھڑے سعد پر ڈالی۔جو کہ اب سیٹی بجاتا بل پے کر رہا تھا۔

"تمہیں تو میں دیکھ لوں گی بعد میں۔"کہتی وہ بھی فنزا اور ردا کے پیچھے کیفے سے نکل گئی۔

چونکہ آج آف ڈے تھا۔علایا اسٹیشن نہیں گئی تھی بلکہ گھر ہی میں ڈائینگ ٹیبل پر لیپ ٹاپ کھولے بیٹھی کسی کام میں مصروف تھی۔گھنگریالے بال کندھوں پر بکھرے پڑے تھے جنہیں ماتھے پر سے بینڈ لگا کر تھوڑا سمیٹا گیا تھا تاکہ چہرے پر نا آئیں۔

ڈھیلے سے سوتی سفید کرتے شلوار میں ملبوس،ناک پر بڑی سی سلور فریم کی عینک دھری تھی۔عینک کے شیشوں میں منعکس ہوتا لیپ ٹاپ کی اسکرین پر ابھرتا مواد بہت تیزی سے اوپر نیچے حرکت کر رہا تھا۔

اچانک اس نے جھنجھلاتے ہوئے لیپ ٹاپ کی لڈ گرادی۔

دماغ کام میں لگ ہی نہیں رہا تھا۔دماغ مسلسل ابراہیم،الہام اور آرش میں الجھا ہوا تھا۔

آرش کی لاکھ کوشش کے باوجود،الہام کا آریسٹ وارنٹ نہیں بن پایا تھا۔ابراھیم کے کیس میں کسی قسم کی پیش رفت نہیں ہو پا رہی تھی۔اور آرش۔۔

"آخر آرش کھل کر سب کچھ کیوں نہیں بتاتا۔ناجانے کیا کیا چھپا رکھا ہے جو ہمیں نہیں پتا۔شاید ہم سب کو معلوم ہو جائے تو ہم سب مل کر اس کا حل نکال سکیں۔" علایا بڑبڑاتی جا رہی تھی۔ساتھ ساتھ قریب پڑے سیل فون کو اٹھا کر آن کیا اور چیک کرنے لگی۔

اچانک اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلنے کی آواز آئی۔علایا چونکی۔"یقیناً الہام ہو گی۔"وہ کرسی سے ٹانگیں اتارتی سلیپر زاڑستی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

وہ الہام ہی تھی۔کوٹ اور اسکارف اتارتی وہ فریج کی طرف آئی اور پانی کی بوتل نکال کر گلاس ڈھونڈنے لگی۔اس نے آج علایا کو سلام نہیں کیا تھا نا ہی اپنی ازلی مسکراہٹ کے ساتھ علایا کو دیکھا تھا۔

علایا کے چہرے پر الجھن ابھری تھی۔

"کہاں تھی تم؟"

"اوہ ہاں میں تمہیں کال کرنا بھول گئی۔مجھے اسلام آباد جانا پڑ گیا تھا کسی ضروری کام سے۔"

"کون سا ضروری کام۔"

الہام اس سوال پر ذرا رکی۔مڑ کر علایا کی جانب دیکھا۔پھر کرسی کی پشت پر لٹکے کوٹ کی طرف آئی اور اسکی جیب سے پمفلٹ نکال کر میز پر رکھے۔

"کچھ سیمینار اٹینڈ کرنے تھے۔اور مسز ارسلان کے ہاں ایک چھوٹی سی میٹنگ تھی۔"الہام کا لہجہ سرد تھا۔

علایا کو لگا جیسے اسے نہیں پوچھنا چاہیے تھا۔

"اوہ ہاں تم نے مجھے بتایا تھا۔ مجھے یاد نہیں رہا۔" علایا نے ہنستے ہوئے ماحول کا تناؤ ذرا کم کرنا چاہا تھا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے۔ میڈیسن لی؟" الہام فریج سے دودھ اور انڈے نکال رہی تھی۔

صبح کے گیارہ بج رہے تھے اور علایا نے اابھی تک ناشتہ نہیں کیا تھا۔ الہام جانتی تھی۔

"ہاں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ نہیں لی میں نے، مجھے یاد نہیں رہا۔" علایا ایک دم سے منہ بسورتی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"کیا تم مجھ سے لڑنا چاہتی ہو الہام۔۔۔۔۔۔۔ یا ناراضگی یا کچھ بھی۔۔۔۔" علایا ناسمجھی میں بس بولے گئی۔

"کیوں؟۔۔۔ میں ایسا کیوں چاہوں گی؟"

"مجھے پتا ہے کہ تم آرش کو پسند کرتی ہو۔"

"تو؟"

"مجھے یہ بھی پتا ہے کہ میں سوتے میں آرش کا نام لے رہی تھی۔" علایا شرمندہ شرمندہ سا بولی تھی۔

"نہیں تم اپنی امی کو بھی بلا رہی تھی۔" الہام نے بات بدلی۔

"آئم سوری الہام۔ میرے اور آرش کے درمیان ایسا کچھ نہیں ہے جو تم سمجھ رہی ہو۔ اور پتا ہے وہ تمہارے قابل بھی نہیں ہے۔" علایا نے جھٹ سے کہا۔

الہام آملیٹ فرائنگ پین میں ڈالنے لگی۔ ساتھ ساتھ مدھم سا مسکرا دی۔

"تم کبھی آرش سے پوچھنا۔"

"کیا؟"

"تم کبھی آرش سے پوچھنا کہ اس کا محور کیا ہے۔"

"کیا وہ تمہیں پسند کرتا ہے؟" علایا نے سوچ سوچ کر الفاظ ادا کیے گویا خود سے ہی پوچھ رہی ہو۔

الہام نے آملیٹ کی پلیٹ علایا کے سامنے رکھی۔ علایا نے صاف دیکھا تھا۔ الہام کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ مبہم سی مسکراہٹ۔

اور علایا کو چکھنے سے پہلے ہی وہ املیٹ سخت بدمزہ لگا تھا۔

پہلی دفعہ اسے الہام کی کوئی بات بری لگی تھی۔ بہت بری۔۔۔۔ جیسے دشمنوں کی لگا کرتی ہے۔

"تمہاری امی سے ملاقات کیسی رہی؟" الہام نے ٹوسٹ اور جوس کا جگ میز پر رکھا اور پوچھتی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

علایا خاموش رہی۔ بس سر کو ذرا اثبات میں جنبش دی۔ چہرہ جھکا ہی رہا اور بلاوجہ آملیٹ میں کانٹے سے سوراخ کرنے لگی۔

"علایا!"

الہام اور اس کا محبت بھرا لہجہ۔۔۔۔۔۔

علایا کا چہرہ مزید جھک گیا۔

"سڑڑڑ۔۔۔۔۔۔"علایا کے جسم نے ایک ہچکولا کھایا تھا۔

"ادھر میری طرف دیکھو۔"الہام نے پلیٹ میں ذرا چمچ بجایا۔

علایا اب باقاعدہ سوں سوں کرتی رو رہی تھی۔ چہرہ اٹھایا۔الہام کی نظر میں آج بھی اتنی ہی محبت تھی۔ علایا کا لال چہرہ دیکھ کر وہ مسکرا دی۔

"تمہیں مجھ سے بدگمان ہونے کی ضرورت نہیں ہے علایا۔ تم اور آرش دونوں مجھے ایک برابر عزیز ہو۔ ابراہیم، سعد، سرمد، تم سب۔۔۔"

"پر آرش نے کہا تم مجرم ہو۔ وہ شروع سے تم پر شک کرتا رہا ہے۔ تمہیں پھر بھی وہ صحیح کیوں لگتا ہے؟"علایا روتے ہوئے بولی تھی۔ انداز بچگانہ تھا۔

"شک اسکے مزاج میں ہے علایا۔ اور مجھے اس سے فرق نہیں پڑتا جب میں بے قصور ہوں۔"الہام اپنی جگہ سے اٹھی اور میز کی دوسری طرف سے ہو کر علایا کی طرف آئی۔ قریب پڑے ٹشو باکس سے ٹشو نکالے اور علایا کو تھمائے۔

"تم تو آج کل فلاسفی پڑھ رہی تھی نا؟"الہام نے فضا ہلکی کرنا چاہی۔

"ہوں۔"علایا چہرہ ٹشو پیپر سے رگڑتی بولی تھی۔

"فلاسفی کا سب سے پہلا سوال حقیقت ہے۔ رائٹ؟"الہام کرسی پر سے اپنا اسکارف اور مفلر اٹھانے لگی۔

"ہاں۔"علایا ٹشو باکس سے مزید ٹشو نکالتی بولی تھی۔

"تو پھر تم کس نتیجے پر پہنچی۔ حقیقت کیا ہے؟"

"کہ سب کچھ حقیقت ہے۔۔۔۔۔ اور حقیقت کچھ بھی نہیں۔"

"میرے خیال میں حقیقت ہماری سوچ کی پروجیکشن ہے۔"الہام کچھ دیر وہیں کھڑی رہی علایا کی پشت پر۔

"اور میرے خیال میں حقیقت وہی ہے جو دکھتی ہے۔"علایا بولی تھی۔

الہام مسکرا دی۔

"اور تمہیں پتا ہے کہ ابھی کچھ ہی دنوں پہلے میں نے Descartes کی تھیوری۔۔۔۔۔" اور پھر علایا رونا بھلا کر اپنے جوش میں اپنی نئی نئی معلومات شیئر کرنے لگی۔

الہام وہاں لاؤنج میں چیزیں سمیٹی جاتی اور ساتھ ساتھ علایا کی باتیں سن رہی تھی۔

بس اتنی سی بات تھی اور علایا بہل جاتی تھی۔ علایا کو بہلانا الہام کے لیے چٹکیوں کا کام تھا۔

حقیقت یہ تھی کہ وہاں اس لاؤنج اور اس سے منسلک اوپن کچن میں وہ دو بچپن کی بیسٹ فرینڈز ایک گرما گرم بحث میں مصروف تھیں۔

۔

۔

۔

پھر ہر بات وہیں کیوں تھی؟

سب حقیقت ہے۔۔۔۔۔۔۔

اور حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔

اسے وہاں کھڑے آدھے گھنٹا تو ہو ہی چکا تھا۔ ناشتے کے بعد الہام ایک اور سیمینار اٹینڈ کرنے جا چکی تھی۔ علایا پہلے تو خالی خولی گھر میں بیٹھی رہی پھر اچانک کیا سوجھی کہ سیدھی یہاں آ گئی۔

وہ آرش کا ایبٹ آباد والا اپارٹمنٹ تھا جو کہ اسٹیشن سے تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ ابھی علایا اُسی کے سامنے کھڑی مسلسل پاؤں سے زمین کھرچ رہی تھی۔ ہاتھ پشت پر بندھے تھے اور کسی سوچ میں ڈوبی نظریں زمین میں گڑی تھیں۔

خاکی سی کاٹن کی پینٹ پر سفید اونی ہائی نیک پہن رکھی تھی۔ بالوں کو اکٹھا کر کے جوڑے نما اسٹائل میں باندھ رکھا تھا اور گلے میں مفلر کی طرح خاکی اسکارف ڈالا ہوا تھا۔

وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ آرش سے بات کرے یا نہیں۔ شاید وہ اگلا آدھا گھنٹہ بھی یہیں گزار دیتی اگر اچانک سے دروازہ نا کھلا ہوتا۔

علایا نے سر اٹھایا۔ وہ ہاتھ سینے پر باندھے چوکھٹ پر ہی کھڑا تھا۔

"کیا آپ پچھلے آدھے گھنٹے سے کھڑی یہاں کسی سپیکٹ کا سراغ لگا رہی ہیں مس علایا؟"

"واٹ؟ تمہیں کس نے کہا کہ میں آدھے گھنٹے سے۔۔۔۔۔۔" علایا کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ آرش نے ہاتھ سے دروازے پر لگے سی سی ٹی کی طرف اشارہ کیا۔

پرفیکٹ۔۔۔ تو وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے اس کی غیر انسانی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ علایا کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

"وہ۔۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔۔ ہمیں بات کرنی ہے۔"

"جی بولیئے۔"

علایا خاموش رہی۔ چند لمحے گزرے۔

آرش نے چوکھٹ چھوڑ دی اور اندر چلا گیا۔

مزید کچھ لمحے سر کے۔ دروازہ بدستور چوپٹ کھلا تھا۔

"You can come in"

دروازے پر لگے انٹر کام پر آواز گونجی تھی۔ علایا جاگی پھر فوراً دروازے کے سامنے موجود دو سیڑھیاں عبور کرتی دروازہ پار کر گئی۔

اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ہی وہ خوشبو اس کے نتھنوں سے ٹکرائی تھی۔ اس گھر کی خوشبو, آرش جیسی تھی، پہلا خیال جو اسکے دماغ میں کوندا۔۔۔ علایا نے جوتے وہیں دروازے کے پاس اتارے اور لاؤنج میں آ گئی۔ وہ منظر سے غائب تھا۔ سامنے کچن میں چولہے پر شاید کچھ دھرا تھا۔

علایا وہاں آتش دان کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

چمچماتا صاف ستھرا گھر۔۔۔۔۔۔۔

علایا کو ایک دم گھٹن ہوئی تھی۔

"Clean freak" وہ بڑبڑائی تھی۔

اگلے کچھ منٹ وہ پورے گھر میں نگاہ دوڑاتی رہی۔ نا جانے آرش کہاں غائب ہو گیا تھا۔

"جی کہیئے کیا کہنا تھا؟"

اچانک وہ لاؤنج سے منسلک باتھ روم سے نکلا۔ سفید گول گلے کی ٹی شرٹ اور گرے ایڈیڈاس کے ٹراوزر میں، ایک عدد تولیہ گردن میں ڈال رکھا تھا۔ تازے تازے دھلے بالوں سے ٹپکتے قطرے اس میں جذب ہو رہے تھے۔ باتھ روم سے نکلتے ہی دیوار پر لگے شیشے کے اسٹینڈ سے ہیئر ڈرائیر اٹھایا اور اس کا پلگ ساکٹ میں لگاتا اسے آن کرنے لگا۔

"مجھے پتا ہے تم ہم سب سے اس لیے شیئر نہیں کر رہے کیونکہ تمہیں لگتا ہے ہم تم پر یقین نہیں کریں گے۔"

وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے وہ کسی پولیس آفیسر سے بات کرنے نہیں، کسی مجرم سے نیگوٹی ایشن negotiation کرنے آئی ہی۔

ڈرائیر کے بلو پر اڑتے بالوں تلے وہ مدھم سا مسکرایا تھا۔

"Obviously" پھر ٹھہرے لہجے میں بولا۔

"اوہ۔۔۔ آئی۔۔۔ سی۔۔۔" علایا کو اتنے Straight جواب کی توقع نا تھی۔

"مجھے بتا سکتے ہو۔ دراصل میں یہی جاننے آئی ہوں۔۔۔ اور ہاں۔۔۔۔ یہ "آپ" کا صیغہ بھی ڈراپ کر دو۔ میں "تم" سے بھی اوکے ہوں۔"

"کیا یہاں لوگ یوں ہی لوگوں سے زبردستی دوستی کر لیتے ہیں؟"

علایا نے گہرا سانس خارج کیا۔ تو وہ علایا کا مصنوعی پن دیکھ سکتا تھا۔

اچانک اسے ایک گھنٹی نما آواز آنے لگی۔

آرش نے ڈرائیر کا پلگ نکال کر اسے لپیٹ کر واپس اسٹینڈ پر رکھا اور واپس باتھ روم میں چلا گیا۔

شاید واشنگ مشین کی گھنٹی تھی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ سامنے اسے مشین سے کپڑے نکال کر ڈرائیر میں ڈالتا صاف دیکھ سکتی تھی۔

پھر باتھ روم کی لائٹس آف کرتا باہر آ گیا۔

"اوہ ہاں الہام آ گئی۔۔۔" علایا کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ۔

"جانتا ہوں۔"

علایا کو ایک دم وہاں بیٹھا اپنا آپ بہت بیوقوف سا لگا۔

"تو تمہارے پاس بتانے کو کچھ نہیں ہے؟" وہ پھر بولی تھی۔

آرش جو ابھی کمرے میں گیا تھا کچھ فائلز لے کر باہر آیا اور علایا کے سامنے پڑی ایک چھوٹی سی میز پر رکھ دیں اور خود کچن کی طرف بڑھ گیا۔آرش کی خاموش حرکات سے علایا کو سخت چڑ تھی،علایا نے جلدی سے اوپری فائل اٹھائی اور اسے پڑھنے لگی۔

وہ الہام کا بیک گراؤنڈ ڈیٹا تھا۔

علایا کا چہرہ ذرا بگڑا تھا۔ایک نظر اٹھا کر سامنے کچن میں کٹنگ بورڈ پر کچھ کاٹتے آرش کو دیکھا۔

وہ سکوت میں تھا۔

علایا نے دوسری فائل اٹھائی۔وہ ایک اور لڑکی کا بیک گراؤنڈ چیک تھا۔

"بیلا اکبر۔۔۔"علایا نے نام زیر لب دہرایا تھا۔

دونوں فائلز میں خاص جگہیں ہائی لیٹ کی تھیں۔کچھ خاص نوٹس لکھے گئے تھے اور پھر وہ تصویر۔۔۔۔علایا بیلا کی تصویر پر رکی تھی۔

"یہ لڑکی۔۔۔۔۔۔ویٹ۔۔۔۔۔"علایا نے اس کی کچھ پرانی تصویریں دیکھیں اسکے اسکول ریکاڈ کی تصویریں۔۔۔۔۔

"میں اس لڑکی کو جانتی ہوں۔یہ ہمارے ساتھ اسکول میں پڑھتی تھی۔"علایا پر جوش سی بولی۔

"پر اس کا اچانک سے ذکر کیوں نکل آیا۔الہام نے تو مجھے کبھی نہیں بتایا کہ وہ دونوں آر فینیج میں ساتھ رہی ہیں۔واووو۔۔۔۔وہ واٹ اے سرپرائیز۔۔۔"

وہ سامنے کچن کی سلیب سے ٹیک لگائے،ہاتھ باندھے اسکے تاثرات دیکھ رہا تھا۔

"ویٹ۔۔۔۔۔ویٹ۔۔۔۔ویٹ۔۔۔۔"علایا کا تاثر بدلا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ الہام آج بھی بیلا سے کانٹیکٹ میں ہے؟"

آرش نے اثبات کا تاثر دیا تھا۔

علایا ہنسی۔

"Impossible۔۔۔۔۔ایسا ہوتا تو مجھے پتا ہو۔"

آرش ہنسا۔گویا کہہ رہا ہو۔"آگے تو سب پتا ہے جیسے۔"

علایا نے آنکھیں چڑھاتے ہوئے اگلی فائل اٹھائی۔وہ ابھی تک ان بیک گراونڈ چیکس اور ، الہام اور بیلا کے درمیان تعلق تلاشنے کا مقصد نہیں سمجھی تھی۔

وہ Land from heaven آر فینج کے کچھ ریکارڈز اور تصاویر تھیں۔ وہاں ایک ہائی لائیٹڈ تصویر پر وہ ٹھٹھکی۔ تصویر کے ایک کونے میں درخت کے پاس زمین پر R.I.P کھدا تھا جیسے لال مارکر سے ہائی لیٹ کیا گیا تھا۔

علایا ایک دم سنجیدہ ہوئی تھی۔ وہاں تصویر میں کچھ اور بھی تھا۔

الہام اور بیلا کی ہنستی مسکراتی تصویر۔۔۔۔۔۔ جیسے وہ دونوں بیسٹ فرینڈز ہوں۔

اگلے کچھ لمحے وہ خاموش رہی۔

علایا نے اگلے کچھ لمحے لیے تھے، بہت فرصت سے سوچا گیا۔۔۔

"تم صرف باتوں کو اپنے مطابق سیدھا کر کے کہانی بن رہے ہو اور کچھ نہیں۔" علایا نے استہزائیہ سے ہنستے ہوئے فائلز واپس میز پر رکھ دیں۔

آرش نے کندھے اچکائے۔ علایا اس سے ایک صاف اسٹریٹ جواب توقع کر رہی تھی۔

علایا کی ہنسی سمٹی۔ اور لمحوں میں اس کے تاثرات بدلے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"آخر تمہارا مسئلہ کیا ہے۔ کیا تم ایک اچھی ٹیم ہونے کا ثبوت نہیں دے سکتے۔ تمہیں کچھ بتانا نہیں ہے۔ پر تم چاہتے ہو کوئی تم سے سوال بھی نا کرے۔ تمہاری انا کونسے آسمان پر ہے آرش۔" وہ تقریباً چلا رہی تھی۔

آرش کے مصروف سے ہاتھ تھمے تھے۔ وہ علایا کی جانب مڑا۔ ماتھے کے بل صاف بتا رہے تھے کہ اسے علایا کا یہ رویہ پسند نہیں آیا تھا۔ اس نے غصے میں چمچوں والی دراز کھولی۔

علایا کے حساس ایک دم الرٹ ہوئے۔ اور اگلے ہی پل آرش دراز سے کچھ نکالتا سیدھا ہوا تھا کہ سامنے کا منظر دیکھ کر ٹھٹھکا۔

کچھ پل پر آرش نا سمجھی میں اسے دیکھے گیا، ایک نظر علایا کو دیکھتا اور پھر دوسری نظر، علایا کے ہاتھ میں پکڑے چاقو پر جو اس نے قریب پڑی فروٹ باسکٹ سے اٹھایا تھا، سیلف ڈیفنس کے لیے۔

پھر، وہ بیٹر جو اس نے نکالا تھا اس سے سامنے پڑی کریم کو بیٹ کرنے لگا۔

"ابھی شاید تم تھوڑی دیر پہلے سے کہنا چاہ رہی تھی کہ تم مجھ پر یقین کرو گی رائٹ؟" آخر اُس نے بھی منہ کھولا

علایا پر ایک دم منوں پانی آ گرا تھا۔ ایک نظر آرش کے بیٹ کرتے ہاتھوں پر گئی۔ صاف واضح تھا اگر وہاں کریم نا ہوتی تو آرش علایا کا سر ہی بیٹ کر دیتا۔

"نہیں میرا وہ مطلب نہیں تھا۔" علایا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔۔۔۔۔۔ اور کچھ زیادہ ہی سخت والا احساس۔۔۔۔

"یقین، اعتماد۔۔۔ یہ سب آپ جیسے چھوٹے انسانوں سے متوقع نہیں ہوتا علایا بی بی۔"

تمانچہ زور کا پڑا تھا۔ علایا کے گال دھک گئے تھے۔

"آرش ویٹ،،، آئی سیڈ میرا وہ مطلب نہیں۔۔۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتی۔۔۔۔۔

"الہام، بیلا اور میرا ماضی۔۔ میرے لیے اتنے ہی ضروری ہیں جتنا آپکے لیے آپکا سانس لینا، مس علایا،۔۔۔ سو آپکے لیے شاید یہ سب ایک ناول ہوں مگر مجھے اپنے جواب انھی ماضی میں تلاشنے ہیں۔۔۔ اس قدر مختلف ہیں ہمارے راستے اور ہماری تلاش۔ سو گیٹ لاسٹ۔۔ نا مجھے آپ پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہے اور نا آپ کو مجھ پر۔۔۔۔۔۔ سو دیکھئے گا یہاں کہیں میرے لاؤنج میں آپ کا تھوڑا بہت اعتماد پڑا نا رہ جائے۔ اُسے بھی اپنے ساتھ لے جائیے گا۔۔۔۔ بہت شکریہ۔" کہہ کر اس نے بیٹر اور کریم والا باؤل دونوں سنک میں پھینکے تھے۔ یقیناوہ کریم کڑوی ہو چکی ہو گی۔

اعتماد کا تو پتا نہیں پر ہاں تھوڑی بہت عزت نفس بچی تھی وہ سمیٹی وہ دروازے کی طرف بھاگ گئی۔

دل کسی بھی وقت سینا توڑ باہر آنے کو تیار تھا،

گھومتے دماغ کے ساتھ وہ واپسی ہولی، جو جانا تھا، وہ تو دور کی بات۔۔ ایک نیا انبار لگ گیا تھا جسے اسے جاننے کی ضرورت تھی۔۔ اور وہ بھی ابھی دور۔۔ اس نے خوامخواہ آرش اور اپنے درمیان ایک اور دیوار ناپ لی تھی۔۔۔ شٹ۔۔۔ فی لحال یہ آخری چیز اسکے سینے پر بھاری ہو رہی تھی

آرش ابھی تک سلیب پر ہاتھ رکھے سر جھکائے کھڑا تھا۔

"Damn"

چہرہ اٹھایا۔۔۔۔۔ وہ لال تھا۔۔۔۔ دانت بھینچے ہوئے تھے

"why is she just keep messing with me?"۔

(سب ایک طرف۔۔۔۔۔۔ ایک احساس جس سے آرش کو نفرت تھی)

وہ گہرے سانس لینے لگا۔

(پچھتاوا، اسے اس احساس سے نفرت تھی۔)

اور فی الحال اس کا دماغ ایک ہی ٹھونک بجا رہا تھا۔

"تمہیں آخری دو فقرے نہیں بولنے چاہیے تھے۔"

"Damn"

ماتھا مسلتا وہ چولہا بند کرتا کچن سے نکل گیا۔

ایک اچھا ویک اینڈ برباد ہو چکا تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی بے چارہ دروازہ دھاڑ سے بند گیا گیا تھا۔الہام تو گھر پر تھی نہیں۔۔۔۔۔

"چھوٹے لوگ۔۔۔۔ ہونہہ۔۔۔۔" بڑبڑاتی وہ اندر آئی۔

صبح جو اس کے بال الہام نے پونی ٹیل میں جکڑے تھے، وہ پونی کھینچ کر اتاری اور لاؤنج کے فرش پر دھپ سے چت لیٹ گئی۔فرش ٹھنڈا تھا۔۔۔۔ لیکن اس وقت اس کا دماغ تپ رہا تھا۔

تیز تیز سانس لیتی وہ چھت کو گھور رہی تھی جب اچانک اسے احساس ہوا اسکی دائیں آنکھ سے کچھ گرم نرم سا لڑھکتا اس کے کان میں جا گھسا تھا۔

ایک بریک ڈاؤن۔۔۔۔

اس نے آنکھیں میچ لیں۔۔۔۔۔

"میں ایسی تو نہیں تھی۔یہ کیوں میں ہر چھوٹی چھوٹی بات پر رونے لگتی ہوں۔"

اب کہ اسے اور بھی الجھن ہو رہی تھی۔دونوں مٹھیوں میں اپنے بال بھینچ رکھے تھے۔

"اسے لگتا ہے کہ وہ ہی دنیا کا اکلوتا انسان ہے جسے سب پتا ہے۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے پھر میں بھی اسے غلط ثابت کر کے دیکھاؤں گی۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔۔۔ ورنہ۔۔۔۔"

اور اس سے پہلے ہی اس کے دماغ پر دھند چھانے لگی اور کنپٹیاں پھیلنے لگیں۔

اس نے الجھن میں آنکھوں کے کنارے رگڑے۔

آرش اپنے کمرے سے باہر آیا اور اب کہ اس کے ہاتھ میں مزید کچھ فائلز اور وہ تینوں باکسز تھے۔اس نے انہیں بھی وہاں چھوٹی میز پر پڑی فائلوں کے سامنے لا پٹخا۔

وہ فیصلہ جو وہ کافی دیر سے نہیں کر پا رہا تھا۔اسے لگا وہ حتمی فیصلے پر پہنچ گیا تھا۔

اس نے ایک بڑا سا تھیلا لیا اور وہ سب کچھ اس میں ڈالنے لگا۔ وہ کبھی بھی اپنی مرضی یا شوق سے ایبٹ آباد نہیں آیا تھا۔ یہاں آنے کا مقصد صرف اپنے اس بھیانک خواب کی حقیقت جاننا تھا۔ جو وہ عرصہ ہوا سلجھا نہیں پا رہا تھا۔

وہ خون آلودہ ہاتھ، کچن کے فرش پر پڑیں لاشیں اور ایمبولینس کی آواز، اسے صرف یہ گھتی سلجھانی تھی۔ پر چیزیں اسی دن سے گڑ بڑ ہو گئی تھیں جب اسے ائیر پورٹ پر وہ پہلا ڈبہ ملا تھا۔ اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ چیزیں اس طرح بلکل الٹ پلٹ سی ہو جائیں گیں۔۔۔۔۔۔

شاپر کو باندھا گیا پھر اپنے اس سادے سے حلیے پر سرمئی ہڈی پہنی اور سر پر سیاہ پی کیپ رکھتا، شاپر اٹھا کر گھر سے باہر نکل گیا۔

اب چاہے وہ پانچ فٹ کی گھنگریالے بالوں والی عورت لاکھ اسکو زہر لگے۔۔۔ لیکن فیل حال اپنے ذاتی احساسات کو ایک طرف رکھ کے وہ یہی کر سکتا تھا،

اس کا رخ ڈاک خانے کی طرف تھا۔

علایا ایک دم جھٹ سے فرش سے اٹھی۔ جیسے کچھ یاد آیا ہو۔ پھر کھڑی ہوئی اور عجلت میں الہام کے کمرے کی طرف گئی

"الہام کی ڈائری۔۔۔۔۔۔ ہاں الہام کی ڈائری میں ضرور کچھ ہو گا۔۔۔۔"

اعتماد۔۔۔۔۔

عزت نفس۔۔۔۔

اور اب کچھ دیر کے لیے وہ اپنا ضمیر بھی ایک طرف رکھ کر الہام کی ڈائری تلاشنے لگی۔ ادھر ادھر ہاتھ مارتی۔ اگلے پندرہ منٹ اُسے وہ ڈائری ڈھونڈنے میں لگ گئے۔

درازیں آگے پیچھے کرتی اچانک اس کے ہاتھ وہ ڈائری ٹکرائی۔ اس نے چند فائلز کے نیچے سے اسے کھینچنا چاہا۔ وہاں ڈائری کے کوور پر نیچے کی طرف کھدا Luna صاف دیکھائی دیتا تھا۔

"علایا۔"

ابھی ڈائری مکمل علایا کے ہاتھ میں بھی نہیں آئی تھی جب اس کی پشت پر وہ آواز ابھری۔

اس اپارٹمنٹ میں علایا کے علاوہ صرف ایک اور شخص کی ہی آواز گونج سکتی تھی۔

"الہام۔۔۔ تم۔۔۔" علایا کی کمر فوراً سیدھی ہوئی تھی۔ اپنی تلاشی میں اس نے دھیان ہی نہیں دیا کب گھر کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر داخل ہوا۔ پھر علایا آہستگی سے مکمل الہام کی جانب مڑی تھی۔

آر فنیج

"بیلا!"

تاریکی میں ڈوبے ڈورم میں اسٹڈی ٹیبل پر چلتے اکلوتے لیمپ تلے رکھی وہ ڈائری پڑھتی بیلا کب اتنی مگن ہوئی کہ اسے اندازہ ہی نہیں ہوا، کب ڈورم کا دروازہ کھلا اور کوئی اندر آیا۔

اور ڈھلتی شام کے اس وقت جب تمام لڑکیاں پلے گراؤنڈ میں کھیل رہی ہوتی ہیں تو وہاں ایک ہی لڑکی ہو سکتی تھی۔

"الہام۔۔۔۔۔۔تم۔۔۔۔"

بیلا نے جھٹ سے ڈائری بند کی تھی اور کرسی دھکیلتی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

الہام پہلے تو کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر دو قدم آگے کو آئی اور ٹیبل سے ڈائری اٹھائی۔

"تم میری ڈائری پڑھ رہی تھی؟" الہام کی حیرت سوا نیزے پر تھی۔

"آں۔۔۔۔ہاں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں تو میں تو بس اس کا کوور دیکھ رہی تھی۔ مجھے اچھا لگا۔"

"تم نے کیا کیا پڑھا ہے؟" الہام نے اس کا جواب یکسر نظر انداز کیا۔

بیلا جو ڈری سی الہام کو دیکھ رہی تھی۔ ایک دم سے اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔

الہام نے ہاتھ بھینچے تھے۔

"تمہیں مجھ سے ڈر لگتا ہے؟" بیلا کسی تجسس سے بولتی ذرا دو قدم آگے آئی۔

اچانک کھڑکی سے ایک سرد جھونکا اندر آیا تھا اور الہام کے پور جسم میں سرائیت کر گیا۔ اندھیرے میں ڈوبا ڈورم اس وقت صرف اس ٹیبل لیمپ کی پیلی مدھم روشنی کے سہارے قابل بصارت تھا۔

"نہیں وہ تم نے لکھا ہے نا اس میں کہ بیلا چھوٹے چھوٹے جانوروں کو بہت بے دردی سے مار دیتی ہے۔اور یہ کہ تم نے میرے رویوں اور حرکتوں کے بارے میں ری سرچ بھی کی ہے اور تمہارے مطابق میں سائیکو پاتھ ہوں۔" بیلا کہتی عام سے انداز میں الہام کے چہرے پر آئی لٹیں اس کے کان کے پیچھے اڑسنے لگی۔

"اور تمہیں لگتا ہے کہ جو آر فینج کا پالتو قیمتی کتا، پچھلے دنوں مرا ہے وہ بھی میں نے مارا ہے؟"

الہام کے ماتھے پر چند بوندیں نمودار ہوئی تھیں۔

"یہ اچھی بات نہیں ہے بیلا۔ تمہیں یوں کسی کی پرائیوٹ چیز نہیں پڑھنی چاہیے۔اب تم بچی نہیں ہو۔"الہام غصے سے بولتی بیلا کے سامنے سے ہٹی اور ڈائری کو دراز میں رکھنے لگی۔اس کے ہاتھوں میں کپکپاہٹ واضح تھی۔

واقعی میں وہ اب بچیاں نہیں تھیں، وہ چودہ پندرہ سالہ بالغ لڑکیاں تھیں۔

بیلا وہیں کھڑی ہنسی گئی۔

"اوہ الہام۔۔۔۔شاید تمہیں پتا نہیں ہے۔۔۔۔ جس کا کوئی نہیں ہوتا ہم انہیں مار سکتے ہیں اس میں کوئی قباحت نہیں۔اور جہاں تک بات ہے اس کتے کی تو نہیں میں نے اسے نہیں مارا۔وہ آوارہ کتوں سے لڑائی میں زخمی ہو کر مرا تھا۔" بیلا نے بات ہوا میں اڑائی اور اپنی برتھ پر چڑھنے لگی۔ سیڑھی پر ہی رکی۔اور چہرہ موڑ کر الہام کی طرف دیکھا۔جو کہ قدرے کمپوزسی ٹیبل پر بکھری چیزیں سمیٹ رہی تھی۔

"تمہیں لگتا ہے کہ تم اس سے کبھی دوبارہ ملو گی؟"

الہام نے ایک دم سر اٹھایا۔ مطلب بیلا شروع سے آخر اس کی پوری ڈائری پڑھ چکی تھی۔

"وہی۔۔۔۔آرش۔۔۔۔ تمہیں لگتا ہے کہ تم کبھی دوبارہ اس سے ملو گی۔" بیلا کہتی ہنسنے لگی۔

الہام نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بیلا کی ہنسی سمٹی۔

وہیں سیڑھی پر لٹکے منہ بسورا۔

"اچھا سوری نا تم برا ہی مان گئیں۔ علایا سے تو تم سب شئیر کرتی تھیں۔میں نے ڈائری پڑھ لی تو تم ناراض ہو گئیں۔مجھے پتا ہے کہ تم مجھے اپنا دوست ہی نہیں مانتیں۔" کہتی بیلا سیڑھیاں چڑھ گئی اور اپنی برتھ میں گھس گئی۔

الہام چہرہ جھکائے ساکت سی کھڑی تھی۔اچانک بیلا نے بستر سے سر نکالا۔

"اور وہ آرش۔۔۔۔ہونہہ۔۔۔۔اسے تم یاد بھی نہیں ہو گی۔ علایا بھی تمہیں بھول چکی ہو گی۔"

وہاں میز کی سطح پر کچھ گرا تھا۔نرم، گرم، شفاف سا۔۔۔۔الہام نے فوراً اسے ہاتھ سے صاف کیا۔اور چہرہ مزید جھکا لیا۔

موجودہ کہانی

علایا آہستگی سے مکمل الہام کی طرف مڑی۔الہام جو کہ ایک ہاتھ میں بڑا سا بوکے لیے کھڑی تھی، سوالیہ سے علایا کو دیکھ رہی تھی۔

"کیا ہوا علایا کیا تم میڈیسن ڈھونڈ رہی ہو؟" الہام بوکے ایک طرف رکھتی اپنی سائیڈ ٹیبل کی طرف آئی۔اور میڈیسن باکس نکالنے لگی۔

علایا کا اٹکا سانس واپس آیا۔

ہاں۔۔۔ہاں وہ مجھے پیناڈول نہیں مل رہی تھی۔میرے سر میں بہت درد۔۔۔۔۔۔اور ویٹ تم اپنی جلدی واپس کیسے آگئی؟"

میٹنگ کینسل ہوگئی تھی تو مجھے واپس آنا پڑا۔اور یہ بوکے بھی ضائع ہو گیا اب تو۔" الہام نے پیناڈول کا پتہ الہام کو تھمایا اور بوکے اٹھا کر کمرے سے نکل گئی۔

علایا کھڑی لڑکھڑائی تھی۔ڈائری اس کے ہاتھ میں ہی تھی لیکن اس نے ہاتھ پیچھے چھپا رکھا تھا۔

"الہام کو کبھی مر کے بھی مجھ پر شک نہیں ہو سکتا تھا۔" وہ دن میں دوسرا تمانچہ تھا۔

علایا کو لگا اگر ابھی یہاں چلو بھر پانی بھی ہوتا تو وہ اس ڈوب کے مر جاتی۔

یکم مئی دو ہزار بائیس

ایبٹ آباد میں برف باری کا راج ختم ہو چکا تھا۔اب کہ دھوپ بھی نکلتی تھی لیکن خنک ہوا کے ساتھ وہ ایک اچھا دن تھا لیکن سب کے لیے اچھا نہیں۔

آرش قدرے جلدی جاگ چکا تھا اور سست روئی سے کافی پھینٹنے میں مصروف تھا جب اس کے اپارٹمنٹ کا دروازہ دھڑ دھڑایا گیا۔آرش چونکا۔بھنویں سکڑیں۔وہ اتنی صبح کسی کی آمد expect تو نہیں کر رہا تھا۔اور ابھی اسے جلدی پولیس اسٹیشن کے لیے نکلنا تھا۔

آرش نے مگ وہیں رکھا اور دروازے تک آیا۔متوازن سے انداز میں دروازہ کھولا۔

سامنے سرمد اور سعد موجود تھے۔

آرش نے سوالیہ انداز میں چہرہ ذرا جھٹکا تھا۔

وہاں سرمد اور سعد کی اوٹ میں ایک شخص دو شکاری کتے لیے کھڑا تھا۔

"آپ کو کچھ دیر کے لیے باہر آنا ہو گا۔" سرمد بولا۔

سعد کا چہرہ تنا ہوا تھا۔

آرش دروازہ بند کرتا باہر آیا۔ایک سرد جھونکا اس سے ٹکرایا۔

وہ شکاری کتے آرش کے اپارٹمنٹ کی پچھلی طرف کو دوڑے تھے اور وہاں زمین پر دائرے میں گھومتے، منہ مارنے لگے۔

"یہ سب کیا ہے؟" آرش نا سمجھی کے سے انداز میں بولا تھا۔

"کھودنا شروع کرو۔" سعد نے بندوں کو اشارہ کیا تھا۔

آرش ٹھٹھکا تھا۔

پہلی کدال زمین سے ٹکرائی اور ساتھ ہی آرش کے دماغ سے کچھ ٹکرایا تھا۔

تیسرا کارڈ۔۔۔۔

اور پھر کدال کی دوسری ضرب۔۔

بیک یارڈ۔۔۔۔

"روکو؟" آرش بے ساختہ چلایا تھا۔

کدال رکی۔۔۔

"کھودو۔۔۔"

سعد نے ذرا سخت لہجے میں اشارہ کیا تھا۔

"میں کہہ رہا ہوں کہ روکو۔" آرش آگے آیا۔

اس سے پہلے کہ اس کے ہاتھ کدال کو جا لیتے۔ سرمد بیچ میں آیا۔

"سر معاملہ سیریس ہے پلیز۔۔۔۔آپ بھی جانتے ہیں۔"

"یہ سب جانتے ہیں۔" سعد کا طنزیہ جملہ بلند ہوا تھا۔

آرش نے دونوں کو گھورا۔

(سب آج تک میرے پلین کے مطابق ہوا ہے۔)

کدال کی رفتار سست ہوئی۔

"اوہ۔۔۔یہاں کچھ ہے۔"کدال والا شخص چلایا۔

سرمد اور سعد اس طرف بھاگے۔

(پراب کی بار ناجانے کیا ہوا۔۔۔کب ہوا۔۔۔)

سعد اور سرمد کے بھاگتے قدم جیسے ہی فریز ہوئے تھے۔وہ اس گڑھے کے سر پر کھڑے تھے۔

(پر سب غلط ہو رہا تھا۔ناجانے کب سے لیکن سب غلط ہوتا جارہا تھا)

آرش نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا پر الفاظ۔۔۔۔۔۔الفاظ بھی ایک دم دغا دے گئے تھے اس کے جسم میں ایک سنسنی سی دوڑی تھی۔

"بیک یارڈ۔۔۔۔۔"

کوئی اس کے کانوں میں چلا رہا تھا۔اور پھر چلاتا ہی جارہا تھا۔

سعد گھٹنوں کے بل وہیں ڈھے سا گیا۔دوزانو۔۔۔۔۔یوں کہ دونوں بھینچی مٹھیاں رانوں پر تھیں اور سر بلکل جھکا ہوا تھا۔

اچانک فارنسک ٹیم کی کار آکر رکی۔فارنسک کا عملہ جلدی جلدی اپنے آلات کے ساتھ اس گڑھے کی طرف بھاگا۔

گڑھے میں موجود وہ جسم نکال لیا گیا تھا۔

سرمد نے نرمی سے اس لاش کے چہرے پر سے مٹی ہٹائی۔

فضا میں ایک دم خاموشی در آئی تھی۔

سناٹا۔۔۔۔۔۔

وہاں موجود کوئی بھی فرد اس سے آگے حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا نا ہی سوچنا چاہتا تھا۔علایا بھی ابھی ابھی وہاں پہنچی تھی۔

وہ ایک اچھا دن تھا، لیکن سب کے لیے اچھا نہیں۔۔۔۔۔

"آپکو ابھی اور اسی وقت اریسٹ کیا جاتا ہے، مسٹر آرش۔"

سعد نے ہتھکڑیاں آگے کیں تھیں، آرش نے بس ایک نظر اُسے دیکھا اور ہاتھ آگے کر دیئے۔

علایا وہیں پیچھے کھڑی تھی، آرش نے اُس پہ اعتماد کر کے اُسے وہ سب بھیجا تھا۔ پر علایا۔۔۔وہ پچھتاوے یا شرمندگی کی بجائے اتنے شاک سے اُسے کیوں دیکھ رہی تھی؟

الہام ابھی ابھی وہاں پہنچی تھی، جیسے دوڑتی آئی ہو، سانس پھولا ہوا تھا۔ وہ سرمد سے بحث کر رہی تھی۔ وہ سب آرش کے ایبٹ آباد والے اپارٹمنٹ کے سامنے موجود تھے، اندر فارنسک ٹیمز اپنا کام کر رہی تھیں۔ آرش کچھ دیکھ نہیں پا رہا تھا، ایک دم سے ہر چہرہ اجنبی ہو گیا تھا۔ اچانک اُسکے دماغ میں سائرن سے بجنے لگے۔

Oh my child

Please don't agonize

آواز ہر آواز سے اُونچی تھی۔

As an adult, so hard you're trying

But soon you'll realize

In people there is no peace lies

Delusive is empathy

And love is a lie

علایا، الہام، سعد، سرمد۔۔۔۔وہاں سب کے چہرے تھے

The only place you can hide

Is the gloom & the blight

The only friend you can rely

Is the monster live in your inside

"میں نے کسی کو نہیں مارا۔۔"

کہانی پھر وہیں آ کھڑی ہوئی تھی جہاں سے شروع ہوئی تھی۔

"میں نے کسی کو نہیں مارا۔۔"

\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-\-

انٹروگیشن روم کے وسط میں موجود میز کرسی پر وہ دونوں آمنے سامنے موجود تھے۔

آرش ماتھے پر بل لیے اسے ہی گھور رہا تھا، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں جوں کی توں موجود تھیں۔

علایا لیپ ٹاپ کھولے، ساتھ ساتھ سوال کرتی اور ٹائپ کرتی جا رہی تھی۔

وہاں ٹھوس ایویڈنس تھے لیکن آرش مکمل انکاری تھا۔

"تم یہ کس بنا پر کہہ سکتے ہو کہ قاتل تمہیں فریم کر رہا ہے؟" علایا نے متوازن سے لہجے میں پوچھا تھا۔

"میں یہی ثابت کرنے والا تھا۔۔۔۔اور تم۔۔۔تم تو۔۔۔" آرش نے بات آدھ میں چھوڑ دی۔

وہ ابھی تک حیران تھا کہ علایا کو تو اس نے سب بھیجا تھا تو پھر وہ کیوں ایسے ناآشنائی کا اظہار کر رہی تھی۔

علایا نے کچھ توسط سے قریب پڑی کچھ فائلز اٹھا کر آرش کے سامنے رکھیں۔

"یہ تمہارے مینٹل ہاسپٹل کی ہسٹری ہے۔" علایا نے جیسے بم پھوڑا تھا۔

آرش کی آنکھیں پھیلیں۔ فائلز تقریباً چھپٹتے ہوئے کھولیں۔

"یہ کیا فراڈ ہے؟" آرش کی آواز بلند ہوئی تھی۔

"اس کے مطابق تم دماغی طور پر صحت یاب نہیں ہو۔ اور مینٹل ہاسپٹل میں زیر علاج بھی رہ چکے ہو۔ اور کافی بڑا ثبوت ہے تمہیں اس کیس کا اسٹرانگ سسپکٹ ماننے کے لیے۔"

آرش کی گردن کی رگیں تنی تھیں۔

"میرے ساتھ ہی کیوں؟" آرش منہ ہی منہ میں بڑبڑایا تھا۔

علایا سن نہیں پائی تھی لیکن کچھ دیر اسے دیکھتی رہی تھی۔

وہ مکمل اوپر سے نیچے تک shaken تھا۔

انٹروگیشن مکمل ہو چکی تھی۔ علایا نے لیپ ٹاپ کی لڈ گرائی۔ اس دوران میں وہ آہستگی سے بولی تھی۔

"تمہارا کوئی محور ہے آرش۔ کوئی جو تمہاری سوچوں کو اپنے گرد لپیٹ لیتا ہو۔" موقع نہیں تھا پر وہ متجسس تھی۔

آرش نے چہرہ اٹھایا۔

"الہام۔۔۔۔"

اور کہہ بھی دیا۔۔۔۔ ہوہ۔۔۔۔

علایا کے چہرے پر لمحے میں کئی سائے لہرائے تھے۔ پھر چہرہ اٹھاتی وہ مسکرادی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ بولتی، کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ سامنے سے سرمد داخل ہوا۔ آرش نے اس جانب دیکھا اور پھر کچھ قدموں کے فاصلے سے الہام داخل ہوئی تھی۔ مغموم سا چہرہ لیے وہ آرش کو ہی دیکھ رہی تھی۔

علایا نے آرش کو دیکھا۔ اس نے آرش کی کنپٹی پر تنی رگیں صاف دیکھی تھیں۔ علایا کی بھنویں ذرا سکڑیں اور پھر لمحے کی دیر کیے بغیر آرش اپنی جگہ سے اٹھا تھا اور کسی دیوانے کی طرح سیدھا الہام کے گلے کو اپنے، ہتھکڑی لگے ہاتھوں سے جکڑ لیا۔ الہام کا وجود قوت سے دیوار سے ٹکرایا تھا۔

آرش کی آنکھیں سرخ تھیں۔

الہام کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

علایا اور سرمد ابھی تک ہکا بکا کھڑے تھے۔

علایا ناسمجھی سے آرش اور الہام کو دیکھے گئی اور پھر سامنے میز پر پڑی آرش کی مینٹل ہسٹری کی فائلز۔۔۔۔

اس وقت اسے صرف شک نہیں، آرش کی دماغی حالت کے ٹھیک نا ہونے پر یقین ہو گیا تھا۔

دو دن بعد

ابراہیم کی لاش پوسٹ مارٹم کے بعد اسکے آبائی علاقے میں اس کے اہل خانہ کو بھجوا دی گئی تھی۔

علایا ابھی ابھی اپارٹمنٹ میں واپس آئی تھی۔ یہ کیس بھی ان کی ٹیم سے لے لیا گیا تھا۔ آرش سسپینڈ ہو چکا تھا۔ سعد اور سرمد بھی اپنے اپنے گھر جا چکے تھے۔ شام تک انہیں ابراہیم کے جنازے کے لیے پہنچنا تھا۔

علایا دروازے میں چابی لگا رہی تھی جب اس کا پیر کسی چیز سے ٹکرایا۔

وہ ایک پارسل تھا۔ علایا نے مرے سے انداز میں جھک کر اسے اٹھایا اور بغل میں دبائے پھر واپس دروازے میں چابی گھماتی دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ گھر میں داخل ہوتے ہی معلوم ہوا تھا کہ الہام شاید پچھلے دو دن سے گھر واپس نہیں آئی تھی۔

علایا نے اپنا بیگ اور چابیاں میز پر پھینکیں اور پارسل لیے لاؤنج میں آگئی۔

موڈ نہیں تھا لیکن پھر بھی پارسل کھولنے لگی۔ فی الحال اس کے دماغ میں ایک ہی چیز تھی۔

"ناجانے نئی ٹیم اس کیس کو کیسے سنبھالے گی۔"

ڈبہ کھول کر اندر موجود ایک بڑا سا شاپر نکالا۔۔۔۔۔۔شاپر کی گرہ کھولی۔

علایا ٹھٹھکی۔۔۔۔پھر جلدی جلدی ہاتھ چلاتی شاپر میں موجود چیزیں باہر نکالیں۔

وہاں فائلز تھیں۔ وہ، وہ فائلز پہنچانتی تھی۔ لیکن جو چیز مختلف تھی وہ، وہ تین باکس تھے۔ علایا نے تینوں چھوٹے ڈبے نکال کر سامنے رکھے اور پھر ایک ایک کر کے سب کے اندر موجود چیز دیکھنے لگی۔ وہاں تین کارڈز تھے۔

"Wood"

"Building"

"Backyard"

کچھ دیر تو علایا ساکت سی انہیں دیکھے گئی پھر ایک دم جیسے کچھ کللک ہوا۔ وہ پارسل آرش کی طرف سے تھا۔

"اوہ شٹ۔۔۔شٹ شٹ۔۔۔۔بیک یارڈ۔۔۔۔۔وہ کارڈ بھیجنے والا آرش سے آرش کے بیک یارڈ کی بات کر رہا تھا۔"

علایا عجلت میں الٹی پلٹی مارتی فائلز اور باقی چیزیں دیکھنے لگی۔

آرش ٹھیک تھا، اسے فریم کیا گیا تھا۔۔۔۔

لیکن اب دیر ہو چکی تھی اب تو کیس بھی اس کے ہاتھ نہیں تھا۔

اور آرش۔۔۔۔۔آرش کو بھی جلد مینٹل ہاسپٹل بھیج دیا جائے گا۔

علایا نے غصے سے جبڑے بھینچے تھے۔

"خود کو جتنا ذہین سمجھتی ہے نا یہ گلہری۔۔۔۔۔۔ایک دفعہ میرے ہاتھ میں اس کی گردن آجائے۔ ایسے مڑوڑوں گی کہ اگلا سانس بھی نہیں لے پائے گی۔"

پھر کسی حتمی سے انداز میں اٹھی اور چیزیں سمیٹنے لگی۔

کیا ہوا جو کیس ان کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ انویسٹیگیٹر کا ٹائٹل تو نہیں نا۔ فی الحال اسے اس بیلا تک پہنچنا تھا۔

شکایات درج کرنے والا ڈیسک رات بارہ، ایک بجے تک بند ہوتا تھا۔ باقی آفیسرز کے ساتھ ہالہ بھی وہیں موجود تھی۔

ہالہ نے ذرا گردن اٹھا کر دیکھا۔ سامنے ویٹنگ ایریا میں ابھی بھی اچھی خاصی عوام موجود تھی۔

"یہ ایبٹ آباد میں اتنے جرم کب سے بڑھنے لگے۔" گردن کو مڑوڑ دیتی، کمر سیدھی کرتی۔۔۔۔ایک لمبی سی جمائی لی۔

اس سے پہلے کہ اگلا شخص شکایت لے کر آتا۔ وہاں سامنے کوئی انٹری گیٹ سے داخل ہوا۔ اسٹیشن کے گراؤنڈ فلور پر ایک بڑا داخلی دروازہ تھا اور پھر ایک بڑا سا لاؤنج جو کہ دراصل ویٹنگ ایریا تھا۔ کمپلین ڈیسک لاؤنج کے ایک طرف موجود تھے۔ یوں کے داخلی دروازے سے داخل ہونے والا شخص صاف دیکھائی دیتا تھا۔

"اوہ۔۔۔" ہالہ کے ہونٹ گول ہوئے۔ وہ سعد تھا۔ وہ پہلی دفعہ اسے پولیس یونیفارم میں دیکھ رہی تھی۔ گیٹ سے داخل ہوتے ہی وہ سیدھا اوپر والے فلور کی طرف بڑھ گیا یہاں اس کا آفس تھا۔ اس کا چہرہ اترا ہوا تھا۔ ہالہ دور سے اتنا تو دیکھ سکتی تھی۔ ابراہیم کی ڈیتھ کی خبر سنی تھی اس نے لیکن زیادہ معلومات حاصل نہیں کر پائی تھی۔ تجسس ابھی بھی تھا۔

پھر اچانک اپنے ڈیسک سے کھڑی ہوئی۔

"اہ۔۔۔۔اہم۔۔۔۔اہم۔۔۔" ساتھ والے آفیسر کو ٹھوکا دیا۔

"وہ مجھے ذرا ضروری کام سے جانا ہے۔ تو میں ڈیسک آف کر کے جا رہی ہوں۔ اچھا۔"

اس سے پہلے کہ وہ آفیسر کچھ بولتا وہ اپنا بیگ اور شال اٹھا کر وہاں سے بھاگ گئی۔

ذمہ داری کا احساس ہالہ پر ہی تو آ کر ختم ہوتا تھا۔

اگلے چند منٹ وہ اسٹیشن کے باہر کھڑی رہی۔

جب وہ باہر آیا۔ ایک ہاتھ میں پولیس کیپ اور دوسرے ہاتھ میں سیاہ رنگ کا چھوٹا سا بیگ تھا۔

وہ اپنے دھیان جا رہا تھا کہ۔۔۔

"ہیئے لسن۔۔۔" ہالہ دوڑتی اس کے سر پر پہنچی۔

"چائے پیو گے؟" بلا تکلف بولا گیا۔

سعد پہلے تو ٹھٹھکتا اسے دیکھے گیا۔ چہرے کا زاویہ ذرا بگڑا۔

"خیریت؟"

"Obviously not" ہالہ کسی ڈرامائی انداز میں بولی تھی۔

سعد نے تھکے سے انداز میں اسے دیکھا۔

"چلو" پھر بیگ والے ہاتھ سے اسٹیشن کے سامنے بنے کھوکھے کی طرف اشارہ کیا۔

ہالہ نے دونوں ہاتھوں سے اسے پہلے چلنے کا اشارہ کیا۔

ادب بھی ہالہ پر ہی تو آکر ختم ہوتا تھا۔

اور وہ چل بھی دیا۔

اس اسٹیشن کے احاطے میں لیڈیز فرسٹ کا رواج نہیں تھا۔ یہاں مرد اور عورت برابر ہی تھے۔

ہالہ چائے کے دو گرما گرم کپ لیے سڑک کے کنارے موجود میز کرسیوں کے قریب آئی۔ ایک کپ سعد کے آگے رکھا اور دوسرا اپنے سامنے رکھتی بیٹھ گئی۔

"شرم کی قدرے کمی نہیں ہے تم میں۔ اِز اے لڑکی کیسے گزارا کرتی ہو تم۔"

"میری ہمت ہے جو گزارا کرتی ہوں۔" خوب چہرہ مڑوڑ کر جواب دیا گیا تھا۔

"کیس کا کیا بنا؟ سر آرش کی تفشیش کہاں تک پہنچی؟ کیا واقعی اس سب کے پیچھے سر آرش کا ہاتھ ہے؟"

سعد نے ابھی گھونٹ بھی پورا نہیں بھرا تھا۔ کپ ہونٹوں سے ہٹایا۔ ایک ساتھ سارے سوال برسانے کے بعد اب وہ متجسس سے جواب کی منتظر سعد کو ہی دیکھ رہی تھی۔

سعد نے کندھے اچکا دیئے۔

"کیس اب مزید ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے۔ نئی ٹیم کو دے دیا گیا ہے۔ ویسے بھی میرے اندر ہمت نہیں ہے ابراھیم کا کیس سنبھالنے کی"

ہالہ کا سارا تجسس جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ بگڑے چہرے کے ساتھ کپ اٹھایا اور ہونٹوں کو لگا لیا۔

"ہر چیز میں ٹانگ مت اڑایا کرو۔ خاص طور پر ان میں جو تمہاری عقل سے ذرا اوپر کے ہیں۔" سعد نے متوازن سے لہجے میں کہا۔ چہرہ سڑک کی طرف تھا جو کہ خالی تھی۔

"ٹانگ نہیں اڑا رہی، صرف پوچھ رہی تھی۔ ہونہہ۔" ہالہ ناراضگی سے بولی تھی۔

"ہونہہ۔" سعد نے اسی انداز میں چہرہ بگاڑتے ہوئے اس کی نقل اتاری۔

اور ہالہ کی ہنسی نکل گئی۔

"یہ تم علایا جیسی حرکتیں کیوں کرتے ہو۔" کہتی ہنستی چلی گئی۔

سعد کچھ دیر تو حیرت سے اسے دیکھے گیا۔

"آخر میں نے Experience کر ہی لیا۔" اسی حیرت سے بولا۔

''کیا؟''ہالا کی ہنسی ابھی بھی جاری تھی۔

''آدھی رات کو قہقے مارتی چڑیل۔ یہاں کے لوگوں میں ہنسنے والی چڑیل کی کہانی بہت مشہور ہے۔''

اور پھر ہالہ کی ہنسی کو بریک لگی تھی پھر اتھو چھڑا تھا۔اور پھر وہ کھانستی ہی چلی گئی۔

اب کی ہنسنے کی باری سعد کی تھی۔ قہقہ مار کے نا سہی لیکن وہ ہنسا تھا۔ پھر چہرہ واپس سڑک کی طرف گھمالیا اور کپ میں بچی چائے گھونٹ گھونٹ اپنے اندر انڈیلنے لگا۔

علایا نے جیسے ڈائری اٹھائی تھی ایک لفظ بھی پڑھے بغیر ویسے کی ویسے ہی اس کے پاس پڑی تھی۔ اس کی ہمت ہی نہیں ہو پائی تھی۔اور اب اس اس نے سوچ لیا تھا۔ جو بھی ہے، جو بھی پوچھنا ہے وہ الہام سے ڈاریکٹ بات کرے گی۔

اور اسی سوچ کے ساتھ وہ لاؤنج میں بیٹھی مسلسل گھڑی کی سست روئی سے حرکت کرتی سوئیاں دیکھتی الہام کا انتظار کر رہی تھی۔ جب گھر کا دروازہ کھلا۔

''آ گئیں تم۔۔۔؟''علایا صوفے پر دراز ہوتی بولی۔

''کہو تو واپس چلی جاؤں۔''الہام نے ڈائنگ ٹیبل کے قریب سے ہی ایک چھوٹا سا پیکٹ علایا کی جانب اچھالا جسے علایا نے کمال مہارت سے لیٹے لیٹے اپنے دونوں پیروں سے کیچ کر لیا تھا۔

''شرم کرو وہ کھانے کی چیز ہے۔''الہام نے اسے گھورا۔

علایا نے دانت نکالتے ہوئے پیکٹ ہاتھوں میں منتقل کیا۔ وہاں ایک پیکٹ میں نیوٹیلا بن تھا۔ علایا کا فیورٹ۔

راستے میں علایا کے لیے ایسی چھوٹی موٹی چیزیں لانا الہام کی عادت تھی۔

پھر اپنا سامان اٹھاتی الہام اپنے کمرے میں چل دی۔ جاتے جاتے رکی۔

''میں فریش ہو کر آتی ہوں۔ تم ذرا فریج سے کھانے کو کچھ نکالو۔''پھر دروازہ دھکیلتی کمرے میں گھس گئی۔

علایا اثبات میں سر ہلاتی اٹھی۔ بن منہ میں دبائے، پیروں میں سلیپر زاڑسے اور اوپن کچن کی طرف آ گئی۔

دماغ بہت تیزی سے سوالات بنا رہا تھا پھر انہیں کینسل کر رہا تھا۔ وہ کسی ایک حتمی بات پر نہیں پہنچ پا رہی تھی جس سے وہ الہام کے سامنے بات کا آغاز کر سکے۔

چند منٹوں کے وقفے سے الہام بالوں کو تولیے میں لپیٹتی کمرے سے باہر آئی۔

"آج موسم اچھا ہے یار۔" علایا بولی تھی۔

"ہاں باہر بوندا باندی شروع ہو چکی ہے جب میں گھر پہنچی ہوں تو۔" الہام کٹنگ بورڈ اٹھا کر ڈائنگ ٹیبل پر لے آئی اور قریب پڑے شاپر میں سے سبزیاں نکالنے لگی۔

"مجھے اچانک سے سوپ کی craving ہونے لگی ہے۔" الہام ہنستے ہوئے بولی۔

"پرفیکٹ۔۔۔۔۔ تو پھر ہم آج چکن ویجی ٹیبل سوپ بنائیں گے۔" علایا چکن کا پیکٹ نکالتی نعرہ لگانے کے انداز میں بولی تھی۔

اور پھر وہ کرسی کھینچ کر الہام کے متوازی میز کی دوسری سمت آ کے بیٹھ گئی۔

کٹنگ بورڈ پر چھری کے ٹکرانے کی آواز مسلسل اور متوازن تھی،

اور یونہی علایا کی سوچیں، وہ خاموشی سے الہام کو تکتی رہی۔ الہام کو یوں ہی خاموشی سے کام کرنے کی عادت تھی، وہ تو شاید اگر اس گھر میں علایا نا ہو تو، یہ دیواریں انسانی آواز سننے کو ترس جائیں۔

"الہام!"

باہر اچانک سے بوندا باندی رفتار پکڑنے لگی تھی۔ علایا نے لمحے بھر کو لاؤنج کی کھڑکی کی جانب دیکھا جہاں بوندیں آکر ٹکرا رہی تھیں۔

"ہونہہ۔۔۔۔" پر الہام پر سکون سے لہجے میں بولی تھی۔

"مجھے تم سے کچھ پوچھنا تھا۔"

بارش رفتار پکڑ رہی تھی۔ علایا کو ایک دم بے چینی سی ہونے لگی۔

"وہ۔۔۔۔۔ بیلا۔۔۔۔ تم بیلا کو کیسے جانتی ہو؟"

"کیوں تم نہیں جانتیں؟" الہام نے الٹا سوال کیا۔

"بیلا اکبر نا۔۔۔۔ وہ جو پرائمری اسکول میں ہمارے ساتھ پڑھتی تھی۔"

الہام کے تاثرات میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا تھا۔ علایا ٹھٹھکی۔

"ہاں میں جانتی ہوں۔۔۔۔ پر وہ۔۔۔۔۔ وہ تمہارے ساتھ آرفینیج میں بھی رہ چکی ہے نا۔۔۔۔۔ تو وہ۔۔۔۔۔" علایا ابھی تک ڈھنگ سے کوئی بات نہیں بنا پائی تھی۔ الہام کے سبزی کاٹتے ہاتھ، رکے،۔۔۔ اور ساتھ علایا کا دل۔۔۔

"میں نے تو کبھی، آرفینیج کا ذکر نہیں کیا تمہارے سامنے؟" الہام نے اپنے معمول کے لہجے میں سوال کیا تھا۔

"ہاں وہ دراصل۔۔۔آرش نے بتا۔۔۔۔"

"ہاں کچھ عرصہ رہی ہے وہ میرے ساتھ وہاں۔" الہام کے تاثرات ابھی بھی نارمل تھے۔ پھر اچانک الہام کرسی دھکیلتی کھڑی ہوئی۔ اور چولہے کی طرف مڑی۔ وہ علایا کی بات مکمل نہیں سننا چاہتی تھی۔

"تم میری ڈائری پڑھ سکتی ہو۔"

اگلے ہی لمحے بادلوں میں سخت گڑگڑاہٹ ہوئی تھی۔

علایا کا سانس رکا تھا۔

"وہ۔۔۔۔۔میرا وہ مقصد نہیں تھا۔۔۔۔۔وہ تو بس۔۔۔۔آرش نے کہا۔۔۔۔۔" علایا ہکلاتی کھڑی ہوئی۔

الہام مڑی۔ علایا کی جانب دیکھا۔

"اس میں وہی سب لکھا ہے جو میں کسی انسان کو نہیں بتانا چاہتی۔۔۔۔۔پر تم پڑھ سکتی ہو۔"

زمین پھٹی اور علایا یہیں دفن ہو جاتی۔

"سوری۔۔۔۔۔نہیں میں نے نہیں پڑھی۔۔۔۔۔"

"پتا ہے بیلا نے ہمیشہ میری زندگی کے حصوں کو برباد کیا ہے۔" الہام کی آواز کسی گہرے کنویں سے آئی تھی۔

" At least ہمارے درمیان، اس گھر میں، بیلا کا نام نہیں آنا چاہیے تھا۔" تھکے سے انداز میں کہتی الہام میز پر سے چیزیں سمیٹنے لگی۔

"آرش مجھ سے نفرت کرنے لگا۔۔۔۔۔۔ابراہیم مجھ پر شک کرنے لگا۔۔۔۔۔تم بھی نفرت کرنے لگو گی۔۔۔۔۔"

بارش کا شور بہت تھا۔

"مطلب آرش صحیح تھا۔ تمہارا اور بیلا کا کوئی تعلق ہے۔"

"آرش ہمیشہ صحیح ہی ہوتا ہے علایا۔" وہ طنز نہیں تھا۔ وہ حقیقت تھی۔

علایا کے پاس الفاظ ختم ہو چکے تھے۔۔۔۔۔یا شاید آواز۔۔۔۔یا پتا نہیں۔۔۔۔۔پر وہ مزید وہاں نہیں رکی اور اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔ کمرے میں داخل ہوتے دروازہ دھاڑ سے بند کیا تھا۔ اور اپنی سائیڈ ٹیبل سے الہام کی ڈائری نکالی۔

"یا تو میں پاگل ہو جاؤں گی۔۔۔۔۔یا تو۔۔۔۔۔۔" بڑبڑاتی وہ ڈائری کھول کر صفحے پلٹنے لگی۔

وہ وہاں صفحوں پر لکھی تحریر نہیں پڑھ رہی تھی بس سرسری نظریں دوڑاتی صفحے پلٹ رہی تھی۔

پر ایک چیز۔۔۔۔۔

وہاں ہر ایک صفحے پر کہیں نا کہیں بیلا لفظ ضرور تھا۔وہاں ہر جگہ بیلا کا ذکر ضرور تھا۔وہ جنونی سے صفحے پلٹ رہی تھی۔اور پھر ایک دم صفحے خالی ہو گئے۔

ہاتھ تھمے۔۔۔۔۔۔آخری صفحہ واپس پلٹا۔۔۔۔۔۔

وہاں لکھی سطر پڑھ کر اس کی آنکھیں پھیلی تھیں۔بیک وقت بادلوں میں زوردار گڑگڑاہٹ ہوئی تھی۔دو بادل غلطی سے رگڑ کھا گئے تھے۔

اور وہاں اس کے دماغ میں دو چہرے بہت بری طرح رگڑ کھا گئے تھے۔

وہ گڑگڑاہٹ زیادہ زوردار تھی۔

ایک چہرہ وہاں کچن میں کھڑی الہام کا تھا۔

ایک چہرہ وہاں ڈائری میں موجود الہام کا تھا۔

علایا کا ڈائری والا ہاتھ پہلو میں جا گرا۔

وہ آخری تحریر والا صفحہ علایا کی انگلی تلے پھڑ پھڑا رہا تھا۔اور اس پر لکھی وہ آخری تحریر۔

اور اس آخری تحریر کی آخری سطر۔۔۔۔۔۔

"اور میں نے آج بیلا اکبر کو مار دیا۔"

آر فنیج

"تم میڈم سے جھوٹ کیوں بولتی ہو بیلا؟"

الہام روتی، غصے سے بولتی ڈروم میں داخل ہوئی تھی۔ بیلا جو کہ وہیں زمین پر بیٹھی کنچے کھیل رہی تھی، ہنسی۔ الہام نے اس کے سر پر پہنچ کر اسے پورے زور سے دھکا دیا۔

"تم نے پھر میڈم سے جھوٹ بولا کہ میں نے لنچ میں ایک پلیٹ کھانا چوری کر کے زیادہ کھایا۔ حالانکہ میں نے ایک پلیٹ بھی نہیں کھائی۔ تم ایسے جھوٹ کیوں بولتی ہو۔ دوست ایسے نہیں کرتے۔" الہام چلا رہی تھی۔

بیلا زمین پر چت لیٹے چت کو دیکھتی بے شرمی سے مسکرائے گی۔

"Obviously کیونکہ اس میں مزہ آتا ہے۔ ایک تو تم اتنی اتنی سی باتوں کو سر پر کیوں لے لیتی ہو۔" اس کی ڈھٹائی کا کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔

الہام بے بس سے ایک نظر ڈالتی، بیلا پر سے پھلانگ کر اپنے برتھ پر بستر میں گھس کر رونے لگی۔

بیلا نے زمین پر لیٹے لیٹے کروٹ لی اور ایک بازو کہنی پر کھڑا کر کے، سر ہاتھ پر ٹکایا اور بستر میں ہچکیاں لیتی الہام کو دیکھنے لگی۔

"یار تم مجھے اتنی اچھی لگتی ہو، میں کیا کروں۔" پھر کہتی ہنسنے لگی۔ اور ہنستی چلی گئی۔

الہام دونوں کانوں میں انگلیاں ٹھونستی مزید اونچی رونے لگی۔

"تم نے کہا تھا کہ تم چلو گی۔ اب مکر کیوں رہی ہو۔"

الہام جتنا بیلا کو اگنور کرنا چاہتی تھی وہ اتنا ہی الہام کے پیچھے پڑی ہوئی تھی۔

"مجھے کہیں نہیں جانا بیلا اور نا ہی میں تمہاری دوست ہوں آئندہ سے۔۔۔۔۔ سمجھیں۔۔۔"

پلے گراؤنڈ میں باقی بڑی لڑکیاں ایک طرف دھلے ہوئے کپڑے پھیلا رہی تھیں اور چھوٹے بچے دوسری طرف کھیل رہے تھے۔ الہام بھی بڑی لڑکیوں کی مدد کروا رہی تھی۔

"اچھا بس ایک دفعہ پلیززززز۔۔۔۔۔۔۔مجھے تمہیں کچھ دیکھانا ہے۔" بیلا کی ضد جاری تھی۔

"نہیں۔" الہام نے پھر صاف منع کیا تھا۔

بیلا کچھ دیر تو خاموشی سے کھڑی رہی، الہام کو کام کرتا دیکھتی رہی، پھر ایک دم مسکرائی۔ مسکراتے ہوئے اسکے چھوٹے چھوٹے ہونٹ کے کنارے قدرے اوپر کو اٹھ جاتے تھے اور اسکی چمکتی بڑی آنکھوں کے پپوٹے قدرے جھک جاتے تھے۔ اور ایسے میں جب وہ گہری سیاہ پتلیاں اٹھا کر دیکھتی تھی تو۔۔۔۔۔۔۔۔ یہیں ہمیشہ الہام کو اس سے سخت خوف آتا تھا۔

"آج مجھ سے میڈم پوچھ رہی تھیں کہ ہمارے کمرے میں موجود اتنے قیمتی پرفیوم کس کے ہیں۔"

الہام کا عجلت میں حرکت کرتا جسم فریز ہوا۔

"وہ روزینہ کے ہیں، اور یہ بات تم بھی جانتی ہو۔"

الہام کسی خوف سے بولی تھی۔

"ہاں میں جانتی ہوں لیکن میم تو نہیں جانتی۔ وہ تو بس یہ جانتی ہیں کہ ہمارے ڈورم سے کوئی لڑکی باہر کے لڑکوں سے ملتی ہے اور ان سے قیمتی تحائف لیتی ہے۔"

اور الہام سمجھ گئی تھی کہ اس سے آگے بیلا کا کیا اراردہ ہے۔

"تمہیں کیا ملتا ہے یہ سب کر کے؟"

الہام تقریباً رو دینے کو تھی۔

"تو پھر تم چل رہی ہو نا میرے ساتھ آر فینج کے پیچھے موجود جنگل۔۔۔۔۔۔"

الہام نے ہاتھ میں پکڑی بالٹی پوری قوت سے قریب پڑے تخت پر رکھی تھی اور پھر ایک نفرت بھری نظر بیلا پر ڈالتی اپنے ڈورم کی طرف دوڑ گئی۔

"کل صبح اسمبلی کے بعد۔ تیار رہنا۔"

بیلا نے پیچھے سے ہانک لگائی تھی۔

"اسے کیا ہوا؟" ایک لڑکی جو الہام کو بالٹی رکھتا دیکھ چکی تھی، اس کے جانے پر بیلا سے گویا ہوئی۔

بیلا نے اپنی بڑی بڑی جمکدار آنکھیں پٹپٹائی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے ہونٹوں کو pout کے انداز میں مزید گول کیا اور کندھے اچکا دیئے۔

باہر اور کتنی دفعہ بادل گرجے۔۔۔۔۔۔علایا اس سب سے بے خبر پہلے صفحے سے ڈائری پڑھ رہی تھی۔

وہ ڈائری الہام کے اس آرفینیج میں گزارے وہ تین سال تھے۔ وہ تین سال جن کا ذکر وہ بھول کے بھی کسی سے نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اور اسے پڑھتے پڑھتے کتنی دفعہ علایا کا دل بند ہوا تھا۔ وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

اور پھر وہ آخری صفحات پر پہنچی۔۔۔۔۔

اور پھر آخری تحریر۔۔۔۔

اس نے آخری تحریر کو شروع سے پڑھنا شروع کیا۔

آج موسم صبح صبح ہی قدرے خوشگوار اور خنکی لیے ہوئے تھا۔ بڑی لڑکیاں کچھ ہی دیر میں آرفینیج کے پیچھے موجود جنگل سے ادویات کے لیے جڑی بوٹیاں لینے جانے والی تھیں۔ آرفینیج سے نکلنے کی اجازت صرف بڑی اور سمجھدار لڑکیوں کو ہی ہوتی تھی۔

الہام اکثر اوقات بڑی لڑکیوں کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹایا کرتی تھی، یوں بھی وہ اپنی ہم عمر لڑکیوں سے زیادہ سمجھدار تھی۔ اور آج بیلا کے کہنے بلکے دھمکانے پر اس نے بڑی لڑکیوں کے ساتھ جانے کی اجازت مانگ لی تھی جو کہ اسے مل بھی گئی تھی۔

اور اب بیلا اور الہام بھی باقی لڑکیوں کے ساتھ جانے کو تیار کھڑی تھیں۔

آرفینیج کا پچھلا کتا مر گیا تھا اس لیے نیا کتا رکھا گیا تھا۔ جو مکمل طور پر سُدھا نہیں تھا۔ لیکن رکھوالی کے معاملے میں بہت چست تھا۔

چند لڑکیاں، (جن میں سے ایک نے کتے کی رسی تھام رکھی تھا، باقیوں نے ٹوکریاں) الہام اور بیلا جنگل کی طرف چل دیں جو کہ آرفینیج کی پچھلی طرف بس ذرا ڈھلان اُتر کے تھا۔

بیلا کے چہرے پر آئی چہچہاہٹ معمول سے کچھ زیادہ ہی تھی جبکہ الہام کا موڈ سخت آف تھا۔

"بچوں تم دونوں کتے کے پاس بیٹھو، ہم ذرا گھوم پھر کر جڑی بوٹیاں اکٹھی کر لیں۔"

بڑی لڑکیوں میں سے ایک نے انہیں جنگل کے آغاز پر ہی موجود چھوٹی سی بیٹھنے کی جگہ پر بیٹھنے کا کہا اور خود چلی گئیں۔

"چلو بھی یہ کیا بات ہوئی۔ ہم یہاں بیٹھ کر کیا کریں گے۔" بیلا غصے سے بولی۔

الہام اسے کوئی جواب دیئے بنا منہ پھیرے بیٹھی، کتے کی کمر سہلا رہی تھی۔

"مجھے جنگلی خرگوش دیکھنے تھے۔"

بیلا آواز ذرا اونچی کرتی بولی۔

الہام اب بھی خاموش رہی۔

"ٹھیک ہے تم بیٹھی رہو یہاں میں تو جا رہی ہوں۔"

بیلا اسے اُکسا رہی تھی کہ وہ کچھ بولے۔۔۔ لڑے۔۔۔ لیکن وہ خاموش رہی۔ اور بیلا واقعی اٹھ کے جنگل کے اندر چلی گئی۔

"اور اب واپس بھی مت آنا۔"

الہام نے چہرہ جھٹکتے ہوئے دل ہی دل میں کہا تھا۔

تقریباً گھنٹا گزرا ہو گا جب لڑکیاں واپس آگئیں۔ الہام نے وہاں قریب قریب سے ہی چھوٹے موٹے رنگ برنگے پھول اکٹھے کئے ڈھیر بنا رکھا تھا۔

"وہ دوسری بچی کہاں ہے؟" ایک لڑکی نے الہام کے سامنے سے پھول چنتے ہوئے کہا۔

الہام کو جیسے ایک دم ہوش آیا تھا۔ بیلا ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔

"وہ یہاں سامنے سامنے سے پھول توڑنے گئی ہے۔ میں بلا کر لاتی ہوں اسے۔" گھبرائے انداز میں کہتی الہام جنگل کی طرف بھاگی تھی۔

"جلدی آؤ۔ ہمیں واپس بھی جانا ہے۔" بھاگتے ہوگ اس نے پشت پر لڑکیوں کی آواز سنی تھی اور بمشکل تھوک نگلا تھا۔

جنگل میں اندر کو جاتے ہوئے روشنی کم پڑنے لگی تھی۔

قہر آلود موسم ہونے کی وجہ سے ماحول میں روشنی پہلے ہی قدرے کم تھی۔

"ہیئے بیلا۔۔۔۔" الہام غصے سے چلائی۔

کوئی جواب نہیں آیا تھا۔

"ابھی دو منٹ میں باہر آجاؤ ورنہ میں سب کو بتا دوں گی کہ تم جنگلی خرگوش ڈھونڈنے گئی تھی۔"

"تو؟ پھر کیا ہو گا؟"

کوئی اچھلتا اس کی پشت سے نکل کر سامنے آیا تھا۔ بیلا کو دیکھتے الہام کی چیخ نکلی تھی۔ اور صرف چیخ ہی نہیں بلکہ الہام نے کراہت سے اپنی ناک اور منہ ڈھانپا تھا۔

وہاں بیلا کے ہاتھ میں ایک جنگلی خرگوش تھا۔ گہرے سرمئی رنگ کا۔۔۔۔۔۔اچھا خاصہ بڑا۔۔۔۔ کسی موٹی تازی بلی کے برابر۔۔۔۔اور بیلا نے اسے کانوں سے بڑے مزے سے پکڑ رکھا تھا۔ اور خرگوش کا منہ اور سر مکمل خون آلودہ اور مسخ تھا۔ جیسے پتھر مار کر پیس دیا گیا ہو۔

''بہت بھگایا اس نے مجھے۔''

''تم نے اسے مار کیوں دیا؟''

اور الہام کی اسی بات پر بیلا کا چہرہ بگڑا۔

''ہائے مجھ سے یہ مت پوچھا کرو تم، کیوں مارا کیوں مارا۔''

''آئی ہیٹ یو بیلا۔'' الہام خوف سے پھیلی آنکھوں سے بولی تھی۔

بیلا نے ہاتھ جھلاتے ہوئے ایسے تاثر دیا جیسے اس نے الہام کی بات سنی ہی نہیں۔

''میں اسے سلا کر آتی ہوں تم رکو ذرا۔''

الہام کو بیلا کی اس بات پر مزید غصہ آیا تھا۔

بیلا مڑی اور ذرا ڈھلان کی طرف جانے لگی۔

الہام کو نا جانے کیا سوجھی اور وہ ایک دم تیز تیز قدم چلتی بیلا کے سر پر پہنچی اور پوری قوت سے اسے ڈھلان کی طرف دھکیل دیا۔

بس وہ چند لمحے تھے۔ چند لمحوں کے لیے الہام پر کوئی جنون سا چڑھا تھا۔

اور پھر اگلے کچھ پل وہ وہاں کھڑی اپنے ہاتھ دیکھتی رہی، آنکھیں خوف سے پھٹی جا رہی تھیں۔

''وہ چلا کیوں نہیں رہی؟ وہ واپس کیوں نہیں آئی ابھی تک۔'' الہام دو قدم آگے کو ہوئی۔ دل سینہ پھاڑے باہر آنے کو تھا۔

اور وہاں ڈھلان کی طرف کوئی آواز نہیں آئی تھی۔

''بیلا!!!'' وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

جواباً خاموشی تھی یا پھر جنگل کی مخصوص آواز۔۔۔۔

''الہام کہاں ہے وہ لڑکی اور تم جا کے واپس ہی نہیں آئی۔'' اچانک ان بڑی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی ادھر آ نکلی۔

الہام گرتے گرتے سیدھی ہوئی۔۔۔۔۔۔پلٹی۔۔۔۔

''وہ۔۔۔۔۔وہ ہاں مجھے یاد آیا۔۔۔۔۔وہ پہلے ہی واپس چلی گئی تھی آر فینج، اسکی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔''

"چلو جی۔۔۔۔ہم کب سے انتظار کر رہے۔۔۔۔خیر چلو۔۔۔۔دیر ہوئی تو میڈم سے ڈانٹ پڑے گی۔"

"آں۔۔۔۔ہاں ہاں۔۔۔۔۔"الہام خود کو کمپوز کرتی، لڑکی کے پیچھے چل دی۔

ایک نظر مڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔

ڈھلان ابھی بھی خاموش تھی۔

رات اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا اور وقت سے پہلے ہی ڈورم آکر بستر میں گھس گئی تھی۔ عجیب Numb سے احساسات تھے۔ کتنی دیر وہ بیڈ پر لیٹی اوپر والی برتھ کی زمین کو گھورتی رہی۔

"وہ واپس کیوں نہیں آئی؟"

دماغ میں ایک ہی سوال کلبلا رہا تھا۔

"اب تو بہت دیر ہو چکی۔۔۔اب کیا ہوگا۔۔۔اگر کسی نے مجھ سے پوچھا تو میں کیا بتاؤں گی۔ صبح اسمبلی کی حاضری لگے گی. تو۔۔۔۔"

وہ گھبراہٹ سے اٹھ بیٹھی۔ دھڑکن ایک دم تیز ہوگئی۔ کھلی کھڑکی سے آتی خنک ہوا کے باوجود اس کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ وہ بستر سے نکلی اور اسٹڈی ٹیبل کی دراز سے ڈائری نکال کر بیٹھ گئی۔ خالی صفحہ کھولے اور عجلت میں قریب پڑے بیگ سے پین نکال کر لکھنے لگی۔

وہ ڈائری ہمیشہ سے اس کے لیے ایک ایسے انسان کا کام کرتی تھی جو صرف آپ کی سن سکتا ہے۔ آگے کسی کو بتا نہیں سکتا ہے۔

ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں دو صفحات بھر چکے تھے۔

اور پھر اس نے آخری سطر لکھ ڈالی۔

"اور میں نے بیلا اکبر کو مار دیا۔"

باہر کب بارش شروع ہوئی۔۔۔۔

نامعلوم۔۔۔۔

اس نے پین کا کیپ واپس لگایا۔

وہ آخری سطر زیر لب دہرائی۔

اب کے احساس ذرا مختلف تھے۔

جیسے کسی آزادی کا پروانہ ہو۔

وہ جیسے ایک دم خوش ہوئی تھی۔

"اور میں نے بیلا اکبر کو مار دیا۔"

بجلی چمکی تھی۔ پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا تھا۔ اور پھر گڑ گڑاہٹ۔۔۔

بجلی چمکی تھی۔ پورا کمرہ روشنی میں نہا گیا تھا۔ اور پھر گڑ گڑاہٹ۔۔۔۔

علایا نے خوف سے ڈائری بند کی اور ٹیبل پر پھینک دی جو کہ زمین پر جا گری۔ گویا کوئی بچھو ہو۔

کپکپاتے ہاتھوں سے ماتھے پر آیا پسینہ رگڑا تھا۔

کچھ دیر تو کمرے کا بند دروازہ دیکھتی رہی کچھ بھی ویسا نہیں تھا۔

اس دروازے سے اندر آنے سے پہلے جیسا۔۔۔۔۔ کچھ بھی ویسا نہیں رہا تھا۔

اچانک دروازے کا ناب حرکت میں آیا۔ علایا جھٹکے سے دو قدم پیچھے ہوئی تھی۔ دروازہ آہستگی سے پاؤں سے دھکیل کر کھولا گیا۔

"تمہارا سوپ علایا۔"

وہ الہام تھی۔ دونوں ہاتھوں سے ایک ٹرے میں سوپ کا باؤل رکھے وہ ٹیبل کی طرف بڑھی۔

علایا حیرانگی لیے پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھے گئی۔

الہام نے آہستگی سے ٹرے میز پر رکھی اور قریب پڑی چیزیں ذرا دور کھسکائیں۔

"تم نے ایک انسان کا قتل کیا ہے؟" آواز بمشکل نکلی تھی۔ "کسی بچی نے نہیں، ایک پندرہ سالہ بالغ الہام نے قتل کیا ہے؟"

علایا کی آواز اونچی ہو رہی تھی پر گلے میں پھنسے گولے کی وجہ سے لڑکھڑا رہی تھی۔

الہام جواباً کچھ دیر چہرہ جھکائے زمیں پر اوندھی پڑی ڈائری دیکھتی رہی۔

"پتا ہے علایا،" الہام نے علایا کی جانب دیکھا، "تم۔۔ اور آرش۔۔۔ تم دونوں کوئی حق نہیں رکھتے، مجھ سے سوال کرنے کا۔ چاہو تو تم بھی باقی سب کی طرح مجھ سے نفرت کرنی شروع کر دو۔" کہتی وہ ڈائری اٹھانے لگی۔

کیا وہ اقرار تھا؟ کیا وہ الزام تھا؟

الہام کا پلڑا زمین سے جا ٹکرایا تھا۔

علایا کی آنکھیں دھندلائیں۔

"مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔" علایا نے فوراً انکار کیا تھا۔

"تمہارا سوپ۔۔۔۔۔۔ وہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" الہام نے ڈائری بند کی اور سلیقے سے باقی کتابوں کے ساتھ کھڑی کر دی۔

علایا نے دانت بھینچے تھے۔ پھر دو قدم آگے ہوئی اور پوری قوت سے سوپ والی ٹرے زمین پر دے ماری۔

"میں۔۔۔۔۔۔ میں تم سے پوچھ رہی ہوں اور تم مجھے سوپ کا کہہ رہی ہو۔۔۔۔۔۔ میں پاگل ہو رہی ہوں سوچ سوچ کے اور تم۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔" اسکی ہمت جواب دے گئی تھی۔

الہام نے خاموشی سے علایا کی آنکھوں میں دیکھا، اس وقت الہام کی آنکھوں میں جو بھی تھا، حقیقی تھا۔۔۔ اور وہاں بہت سارا دکھ تھا۔

"بیلا سے یمہارا آج کیا تعلق ہے؟"۔

الہام خاموش کھڑی رہ گئی۔ سوپ کا مایا پورے فرش پر پھیل چکا تھا۔ اور پورا کمرے سوپ کی مہک سے بھرا تھا۔

سفید چینی کا پیالہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹا وہاں الہام کے پیروں کے قریب بکھرا پڑا تھا۔

"آرش نے کہا تم بیلا کو جانتی ہو؟۔۔ اور تم نے کہا، آرش ہمیشہ سہی کہتا ہے۔۔۔ اور اب تم کہ رہی ہو تم نے بیلا کو مار دیا۔۔۔ تو پھر مجرم کون ہے؟۔۔۔ تم؟۔۔۔۔"

علایا اس وقت مکمل آرش تھی، کم از کم الہام کے لیے۔

اس کا مغموم وجود ذرا حرکت میں آیا تھا۔ ایک گہرا سانس خارج کیا۔ چینی کے پیالے کا ایک ٹکڑا اس کے سرمئی سلیپرز میں مقید پیروں کے بہت قریب پڑا تھا جو کہ اس کے پیر سے ٹکڑا کر گرا تھا اور اس کے پیر پر ایک لال لکیر چھوڑ گیا تھا۔

باہر بارش مزید زور پکڑ چکی تھی۔

"تو اب کیا تم بھی آرش کی طرح مجھے اریسٹ کرنا چاہو گی، یا انٹیروگیٹ۔۔۔ پر علایا۔۔۔۔"

علایا ٹھٹکی، الہام کے چہرے کا تاثر بدل گیا تھا، علایا نے اس سے پہلے کبھی وہ نہیں دیکھا تھا۔

"جو کام آرش نہیں کر پایا، تمہیں کیوں لگا کہ تم کر پاؤ گی؟ اب کہ الہام، علایا کی نظروں میں دیکھ کر نہیں بول پائی تھی۔

وہ کچھ دیر تو پیر کے قریب پڑا وہ سفید ٹکڑا دیکھتی رہی اور پھر پیر پر جمی وہ باریک سی لال لکیر۔۔۔۔۔

اور پھر پیر کی ٹھوکر سے وہ ٹکڑا دور کیا۔

وہ کچھ بڑبڑائی تھی۔

وہ بڑبڑاہٹ بادلوں کی گڑگڑاہٹ میں دب گئی تھی۔اور پھر وہ کمرے سے نکل گئی۔

علایا وہیں رہ گئی،

کسی سچ کے ساتھ، تنہا کھڑا ہونا کیسا لگتا ہے؟

علایا نے گھر کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز سنی تھی۔

پچھلے پندرہ منٹ سے وہ کسی مجسمے کی طرح کھڑکی کی چوپٹ پر دونوں ہاتھ جمائے تیسری منزل سے نیچے ہسپتال کے باغیچے میں جھانک رہا تھا۔ نظر وہاں بینچوں پر بیٹھے لوگوں پر تھی پر دماغ یکسر مختلف سمت میں دوڑ رہا تھا۔اسلام آباد کا وہ ہسپتال اس کے لیے نیا نہیں تھا۔اس نے اپنے بچپن کا ایک حصہ اس ہسپتال میں آتے جاتے گزارا ہے۔

اس کے کمرے کا دروازہ کھلا۔

آرش نے پلٹ کر بیڈ سے تکیہ اٹھایا اور داخل ہونے والے کو دے مارا تھا۔

"پرفیکٹ۔"مہارت سے بچاؤ کرتا وہ وجود دوسری طرف حرکت کر گیا۔وہ ہمدانی صاحب تھے۔

"بس ایسے ہی دن میں دو چار چیزیں اٹھا کر پھینک دیا کرو۔کسی کو شک بھی نہیں ہوگا کہ تمہارا دماغی توازن بلکل فٹ ہے۔"

"آخر آپ نے کیا سوچ کر یہ حرکت کی۔وہ fake رپورٹس اوہ میرے خدایا۔آپ جانتے بھی ہیں کہ میں ایک پولیس آفیسر ہوں۔سزا یا جیل سے بچنے کے لیے اب میں ایسی حرکت کیوں کروں گا؟"

"تم پولیس آفیسر ہو؟"

ہمدانی صاحب نے نظر اٹھائی۔

"ثبوت دیکھاؤ۔"

آرش کا ہاتھ فوراً اپنے پہلو کی طرف گیا۔جہاں پینٹ کی جیب ہونی چاہیے تھی پر وہاں ہسپتال کا مریضوں والا پاجامہ تھا۔

آرش نے دانت بھینچے تھے۔

Suspend ہونے کے بعد اس سے پولیس آئی ڈی کارڈ اور گن دونوں لے لیے گئے تھے۔

"فی الحال تم صرف ایک مجرم ہو۔ جس پہ اپنے ساتھی آفیسر کے قتل کا الزام ہے۔اور بچاؤ کا صرف ایک ہی راستہ ہے کہ تم خاموشی سے یہاں بیٹھے رہو۔اور دیکھو تو سہی کتنا Luxury کمرہ خاص V_I_P پاگلوں کے لیے۔"

آرش نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ہمدانی صاحب کو اٹھا کر زمین پر پٹخا تھا۔

"مجھے میرے گھر کے سامنے والے سی سی ٹی کی لائیو فوٹیج چاہیے۔اس کا انتظام کر کے دیں۔"

"شیور۔"

"اور میں سب کو بتادوں گا کہ یہ رپورٹس غلط ہیں۔"

وہ ہمدانی صاحب کو جاتا دیکھ کر انکی پشت پر غصے سے بولا تھا۔

"شیور۔ یہاں موجود ہر مریض اس بات پر متفق ہے۔"

"کیا؟"

"کہ میں پاگل نہیں ہوں۔"

کہتے وہ کمرے سے نکل گئے تھا۔

اور آرش جبڑا بھینچے وہاں کھڑا رہ گیا۔

ابھی کچھ ہی دیر پہلے اسے وہ ٹیب ملا تھا۔ ہمدانی صاحب نے اس کے کہنے پر اس کے لیے ہسپتال کے کمرے میں بیٹھ کر گھر کے سامنے کے کیمرے کی ویڈیو دیکھنے کا بندوبست کر دیا تھا۔ کھڑکی کے پٹ سے ٹیک لگائے ایک ہاتھ میں ٹیب اور دوسرے ہاتھ سینے پر باندھے وہ پچھلے دو دنوں کی ویڈیو ریوایو کرتا دیکھ رہا تھا۔

اسکے دروازے پر ڈیلیوری آئی تھی۔اسی کے لیے اسے وہ فوٹیج دیکھنی تھی۔ وہ پارسل اس کے دروازے کے قریب ہی پڑا تھا۔سامنے سیڑھیاں اور پھر آگے سڑک پر پورے زور و شور سے ہوتی بارش صاف دیکھائی دے رہی تھی۔

اسے ابھی ہمدانی صاحب کہ کہہ کر وہ ڈبہ وہاں سے منگوانا تھا۔اس سے پہلے کہ وہ ٹیب رکھتا اور فون کی طرف بڑھتا۔

وہاں اسکرین پر کچھ مانوس سا ابھرا تھا۔

زور و شور سے برستی بارش میں کوئی وجود اس کے گھر کی طرف آرہا تھا۔اور پھر اس کے گھر کی سیڑھیاں پر بیٹھ گیا جو کہ شیڈ تلے تھیں۔

ماتھے پر ابھرتے بلوں کے ساتھ اس نے غور سے دیکھنا چاہا۔کیمرے کی طرف اس وجود کی پشت تھی۔وہ گھنگریالے بھورے بال۔۔۔۔۔وہ کوئی عورت تھی۔

آرش نے آنکھیں سکوڑتے میں غور سے دیکھنا چاہا۔چہرہ ذرا اسکرین کے قریب کیا۔

اگلے ہی پل میں اس وجود نے چہرہ موڑ کر پیچھے دیکھا تھا۔

اور آرش کے ہاتھ میں پکڑا ٹیب پہلے اس کے ہاتھوں میں رقص کرتا اور پھر زمین بوس ہو گیا۔

وہ علایا تھی وہ یہاں کیا کر رہی تھی۔

آرش نے جھک کر ٹیب واپس اٹھایا۔وہاں اسکرین پر اچھے خاصے اسکریچز آ چکے تھے۔

"آآآئشش ش۔۔۔۔۔"اسکا چہرہ بگڑا۔

"ویٹ۔۔۔کیا وہ رو رہی ہے؟"

آرش اسکے ہچکولے کھاتے وجود کو دیکھ کر صاف بتا سکتا تھی کہ وہ جی بھر کر رو رہی ہے۔

علایا نے پھر چہرہ موڑا۔اب وہ کچھ بولی تھی۔کچھ نہیں اچھا خاصہ بولی تھی۔وہ لپسنگ پڑھ سکتا تھا۔آرش پہلے تو اسے دیکھے گیا پھر ایک دم ہنسنے لگا۔قہقہہ مار کر ہنسنے لگا۔

"وہ مجھے گالیاں دے رہی ہے؟"

"سریئسلی۔۔۔۔"

کہتا وہ پیٹ پکڑ کر ہنستا چلا گیا تھا۔

"سارے اصلی پاگل تو باہر گھوم رہے ہیں اور مجھے یہاں رکھا ہوا ہے۔"

وہ بڑبڑاتا بے یقینی سے اسکرین دیکھے گیا۔

چلا چلا کر علایا کا گلا بیٹھ چکا تھا۔وہ ایک خاموش علاقہ تھا۔آس پاس چہل قدمی بھی نہیں تھی۔شاید اسی لیے آرش نے یہاں گھر لیا تھا۔بارش کا شور اور بادلوں کی گڑ گڑاہٹ میں اس کی گالیاں ویسے بھی قدرے دب گئی تھیں۔آخر تھک کر وہ وہیں سیڑھیوں پر لیٹنے کے انداز میں پیچھے کو ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔یوں کہ اُسکے پیر زمین پر تھے۔بیٹھی وہ پہلی سیڑھی پر تھی اور ٹیک آخری سیڑھی سے لگا رکھی تھی۔

"نا وہ مجھے اپنی فضول انوسٹیگشن اور ایوڈینس دیکھاتا۔ نا میں الہام پر شک کرتی اور نا ہی مجھے آج یہ دن دیکھنا پڑتا۔" وہ انکار میں تھی۔ "آخر میں نے وہ ڈائری اٹھائی ہی کیوں۔۔۔۔۔ آہ وہ آخر میرے باپ نے مجھے سکھایا کیوں نہیں کہ لوگوں کی غیر موجودگی میں انکی چیزیں نہیں اٹھاتے۔۔۔۔۔آہ وہ۔۔۔۔۔"

پوری دنیا کا قصور تھا۔۔۔۔ بس نہیں تھا تو علایا کا نہیں۔۔۔۔ بقول علایا۔۔۔۔ اوہ علایا۔۔۔ اوہ۔۔۔

بارش سے بھیگے کپڑوں میں اب ایک دم سے اسے ٹھنڈ لگنے لگی تھی۔ بارش تو ابھی بھی جاری تھی لیکن وقفے وقفے سے آتے تیز ہوا کے جھونکے اسکی ہڈیوں میں اتر رہے تھے۔ وہ جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔ کھڑے ہوتے ہوئے اسے چکر آیا تھا۔ رونے کی وجہ سے اسکا سر سن اور آنکھیں درد کرنے لگی تھیں۔ آنکھیں جھپکاتی وہ آرش کے گھر کے دروازے کی جانب مڑی۔

ٹھٹھکی۔۔۔

وہاں دروازے کے پاس ایک عدد پارسل پڑا تھا۔

"نہیں تم آئیندہ کسی کی غیر موجودگی میں انکی چیزیں نہیں چھیڑو گی۔"

تجسس کو دباتی وہ فوراً مڑی۔

پر۔۔۔

وہ علایا تھی۔۔۔

"پر آرش یہاں نہیں ہے۔ آئی تھنک مجھے اسے اٹھا لینا چاہیے۔"

چند لمحوں میں وہ پارسل اسکے ہاتھ میں موجود تھا۔

بہتی ناک کو بمشکل قابو کرتی، پارسل بغل میں دبایا اور چہرے پر ہاتھوں کا چھاتا سا بناتی بارش میں دوڑ لگا دی۔

وہ جو کوئی بھی تھا بیل پر ہاتھ رکھ کر اٹھانا بھول چکا تھا۔ وہ بھی گلزار احمت صاحب تھے۔ منہمک سے قلم پکڑے، کاغذ پر جھکے وہ آخری صفحہ پورا کرنے سے پہلے اٹھنے والے نہیں تھے۔

اور وہ بھی علایا گلزار احمت تھی۔ وہ بھی دروازہ کھلنے تک ڈور بیل سے ہاتھ نہیں اٹھانے والی تھی۔

سارے مسائل الگ، ساری دنیا بھاڑ میں، علایا کو بس یہی ایک فرار دیکھائی دیا، وہ الہام کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی، اور بنا کسی ثبوت وہ الہام کو انٹیروگیٹ بھی نہیں کر سکتی تھی، ابراہیم کا کیس ویسے بھی انکے ہاتھ میں نہیں تھا،

آخر کار گلزار صاحب کا صفحہ ختم ہوا۔ کمر سیدھی کرتے اپنی کرسی چھوڑی پھر " بمشکل بس دو قدم "کا فاصلہ طے کیا اور اپنی رائٹنگ ٹیبل کے کنارے موجود دروازے کے آٹومیٹک لاک کا ریموٹ اٹھایا اور اس پر موجود تیسرا بٹن دبایا۔

"بہت شکریہ۔"

علایا وہیں سے چلائی تھی۔ پھر تیز تیز چلتی اندر چلی آئی۔

"اوہ ہوہ۔۔۔۔۔۔"

گلزار صاحب نے وہیں سے ٹوکا تھا۔

اس سے پہلے کہ انکا "ڈیوٹی بیچ میں چھوڑ کر گھر آنے "کا لیکچر شروع ہوتا۔

"میں آف پر ہوں۔"

علایا نے بات ختم کی اور لاؤنج میں پڑی گلزار صاحب کی Massager chair میں گھس گئی۔

"اتنی جلدی کیس مکمل ہو گیا؟"

"نہیں دوسری ٹیم کو دے دیا گیا۔"

"ہاہاہا۔۔۔۔۔"

گلزار صاحب اپنی خاص استہزائیہ ہنسی ہنسے تھے۔ اور پھر اپنی رائٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔

"جلد ہی ریٹائر ہو جاؤ گی اس ریٹ پر تم۔"

نالائقی کا طعنہ۔۔۔۔

مساجر چیئر میں گھسی علایا نے موندھی آنکھیں اوپر کو چڑھائی تھیں۔

گلزار صاحب کی رائٹنگ ٹیبل کے چاروں طرف ایک ایک کرسی موجود تھی اور چاروں کرسیوں کے سامنے میز پر کاغذ کے پلندے ترتیب سے اوپر تلے رکھے تھے۔ وہ ایک وقت میں چار ناولوں پر کام کر رہے تھے۔

اچانک ایک کرسی کھینچتے کھینچتے رکے۔۔۔۔۔۔۔۔ ٹھٹھکے۔۔۔ پھر کرسی واپس دھکیلنے لگے۔ انہوں نے غلط ناول کی کرسی کھینچ لی تھی۔

"ہاہاہا۔۔۔۔۔۔"

اب کہ خاص ہنسی ہنسنے کا موقع علایا کا تھا۔ جو کہ پوری آنکھیں کھولے گلزار صاحب کو غلط کرسی کھینچتا دیکھ چکی تھی۔

"ریٹائر ہونے کا ٹائم آپ کا گلزار احمت صاحب۔" پھر کہتی ہنستی چلی گئی۔

گلزار صاحب منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے درست کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے۔

کچھ ہی دیر گزری تھی۔ علایا نے مساجنگ چیئر آف کی اور نکل کر کچن میں کھانے کو ڈھونڈنے چل دی۔ ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے میں چھری پلیٹ پکڑے وہ لاؤنج میں پڑے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔

"اس دن آرش آپ سے ملنے کیوں آیا تھا؟" وہ علایا تھی۔ وہ چپ کہاں بیٹھ سکتی تھی۔

"کس دن؟"

"وہی جب آپ پر حملہ ہوا تھا۔ اب بھولے مت بنئے گا، صحیح صحیح بتائیں۔" علایا چڑی تھی۔

"میرا ایک دوست تھا اس کے متعلق پوچھ رہا تھا۔"

"وہی تو پوچھ رہی ہوں کہ کیا پوچھ رہا تھا؟"

"ارے بھئی مجھے نہیں یاد۔۔۔۔ مجھے لکھنے دو۔" وہ جھلائے تھے۔

علایا بگڑے منہ کے ساتھ سیب کی کاشیں منہ میں رکھنے لگی۔

"اور آپ کے دوست کے علاوہ؟"

"اور تمہاری گلہریوں کا پوچھ رہا تھا۔"

علایا کو سیب کھاتے اتھو چھڑا تھا۔ وہ یہ سننا expect نہیں کر رہی تھی۔

"تو آپ نے کیا بول دیا اسے؟"

"میں نے کہا، علایا ہر اس شخص کو گلہری بلاتی ہے جو اسے زہر لگتا ہے۔ اس نے کہا تم اسے بھی گلہری بلاتی ہو۔ اور تمہارا گلہری والا واقع۔"

"آپ ایک کام کیوں نہیں کرتے، میں نے فیڈر پینا کب چھوڑا تھا۔۔۔۔ diaper کب use کرنا چھوڑا تھا۔۔۔۔ ساری تفصیلات کے اشتہار لگوا دیں۔"

گلزار صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آآآ۔۔۔۔ آپ لوگوں کو یہ باتیں نہیں بتا سکتے، اب میں بڑی ہو گئی ہوں ڈیڈ۔ کل کو میرے لیے کوئی رشتہ آئے گا تو آپ انہیں بھی یہ سب بتائیں گے؟"

گلزار صاحب نے لفظ "رشتے" پر بمشکل اپنی ہنسی روکی تھی۔

اور بس علایا کا پارا ہائی ہو گیا۔

وہ سیب اور پلیٹ اٹھاتی اندر چلی گئی۔

اس نے کمرے میں آکر دروازہ ٹھاک سے بند کیا تھا۔ سیب والی پلیٹ ڈریسنگ ٹیبل پر رکھی۔ سیب کی آخری کاش منہ مین رکھی اور بیڈ پر دھڑام گر گئی۔

وہ اس گھر میں اس کا کمرہ تھا۔

بچپن سے آج تک اس کی سیٹنگ وہی تھی۔ بس بیڈ بدل دیا گیا تھا اور اس کی کھڑکی سے اندر آتی درخت کی شاخیں سال دو سال میں کاٹ دی جاتی تھیں۔ عادتا اس نے فون اٹھاتے ہی الہام کی چیٹ کھولی تھی۔ وہ ابھی میسج کر کے ابو کی شکایت لگانے والی تھی۔

وہ ٹھٹھکی۔

کل کا واقعہ ایک دفعہ پھر جاگ گیا۔

"آآآ۔۔۔۔بلا۔۔۔بلا۔۔۔بلا۔۔۔" اس نے منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکالتے چیٹ بند کی اور انسٹا گرام کھول لی۔ فورا سے ریلز اسکرول کرنے لگی۔

وہ کچھ وقت الہام کے بارے میں نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ یہی بہتر تھا۔ فی الحال وہ یہ سب ایک ڈراؤنا خواب سمجھ کرا گنور کر رہی تھی۔

وہ ڈینائیل میں تھی۔

چونکہ اپریل کے اختتامی دن تھے سو اسلام آباد میں موسم صاف صاف نکھرا اور گرمیوں کی طرف گامزن تھا۔ علایا کو اسلام آباد گلزار صاحب کے پاس آئے آج تیسرا دن تھا۔ اور آج گلزار صاحب کی اکلوتی، جان سے پیاری جیپ لیے وہ شہر کی طرف جاتی سڑک پر گامزن تھی۔

جیپ لے جانے کی اجازت اسے کیسے ملی۔ وہ ایک الگ داستان تھی لیکن فی الحال اسے مینٹل ہاسپٹل پہنچنا تھا یہاں آرش ایڈمٹ تھا۔

نیلا آسمان شفاف اور چمکدار تھا۔ سورج ابھی مکمل عروج کو نہیں پہنچا تھا سو دھوپ اتنی تیز نہیں تھی۔

سڑک کے دونوں اطراف میں لگے اونچے اونچے جامنی اور لال املتاس کے درخت سڑک پر کافی حد تک سایہ کیے ہوئے تھے۔

آنکھوں پر سیاہ گلاسز رکھے، بالوں کے گھونسلے کو علایا نے کیچر مین جکڑ رکھا تھا۔ نیلی کاٹن لوز پینٹ پر سفید کاٹن کی شارٹ فراک نما ٹاپ پہن رکھی تھی اور گلے میں گردن میں جامنی اسکارف کو مفلر کے انداز میں لپیٹا ہوا تھا۔

ساتھ موجود passenger سیٹ کے قدموں والے حصے میں ایک عدد شاپنگ بیگ موجود تھا۔ جس کے کھلے منہ سے وہ پارسل صاف جھلک رہا تھا۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت طے کر کے وہ شاپنگ بیگ لیے پارکنگ ایریا سے گارڈن ایریا کی طرف چلی گئی۔

"ہاں ٹھیک ہے تم چلو میں پیشنٹ کو مزید دیکھ لوں۔"

ہمدانی صاحب نے نرس کو باہر جانے کا کہا تھا۔ اور خود کھڑکی سے باہر جھانکتے آرش کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اور کتنا لمبا ڈرامہ چلے گے؟"

آرش اکتایا سا بولا تھا۔

"جب تک تم ایکٹنگ میں ماہر نہیں ہو جاتے۔۔۔" ہمدانی صاحب ہاتھ میں پکڑی فائل پر سائن کرتے بولے۔

آرش ہمدانی صاحب کی طرف مڑا تھا اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا کمرے کا دروازہ کھلا۔ وہ نرس جو ابھی اس دروازے سے نکلی تھی واپس آئی۔

"سر پیشنٹ سے کوئی ملنے آیا ہے۔"

آرش کا کھلتا منہ بند ہوا۔

"کون؟" ہمدانی صاحب ذرا حیرت سے بولے تھے۔

"انسپکٹر علایا گلزار نام بتایا ہے۔"

"اوہ۔۔۔آئی۔۔۔سی ی ی۔۔۔" ہمدانی صاحب نے بولتے ہوئے وہ فائل ایک طرف رکھی۔

"بھیجو بھیجو اندر بھیجو۔۔۔۔" انکا چہرہ جیسے کھل اٹھا تھا۔

ہاں البتہ آرش کے تاثرات بگڑے تھے۔

نرس نے اپنی پشت پر دروازہ کھولا وہ جو دروازے کے سامنے ہی کھڑی تھی، اندر آئی۔ آتے ہی ٹھٹھکی۔

سامنے پیشنٹ سوٹ میں ملبوس عجیب سا دیکھتا آرش دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑا عجیب سے انداز میں اسے ہی گھور رہا تھا۔

علایا کھسیانی سی وہیں رک گئی گویا ایک قدم مزید آگے بڑھی تو وہ اسے بھسم کر ڈالے گا۔

-

Awkward

Awkward

-

کچھ دیر وہاں خاموشی رہی۔

"آہاہا۔۔۔۔ مس علایا آئیں آئیں۔۔۔۔" ہمدانی صاحب علایا کی طرف آئے۔

"کیا میں آپ کو جانتی ہوں؟" علایا نے آہستگی سے پوچھا تھا۔

"آں ہاں۔۔۔۔" ہمدانی صاحب تالی کے انداز میں ہاتھ ملاتے رکے۔

"جان جائیں گی، آرش سے متعلق کم ہی لوگ ہیں۔ سو آپ سب کو ہی جان جائیں گی۔۔۔۔ اوہ ویٹ۔۔۔" وہ کہتے کہتے رکے۔ ذرا چہرہ موڑا اور آرش کی جانب دیکھا۔

"کیا یہ اعتماد کی بندی ہے؟"

آرش نے آنکھیں گھمائیں۔

"خیر۔۔۔۔ میں چلتا ہوں۔ آپ دونوں بات کر سکتے ہیں۔"

کہتے وہ نکل گئے اور علایا سوالیہ انداز میں حیرت کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ آرش کو دیکھے گئی۔

"تم۔۔۔۔۔" وہ ابھی کچھ بولی بھی نا تھی کہ

"Obviously میں پاگل نہیں ہوں۔ وہ رپورٹس فیک تھیں۔"

علایا کی آنکھیں ذرا کھلیں۔

"تو تم خود کو الیگل طریقے سے جیل جانے سے بچا رہے ہو؟" علایا نے ٹانگ کھینچنے کا موقع ہاتھ سے جانے نا دیا

آرش مزید جل گیا۔

"تم یہاں کیوں آئی ہو؟"

وہ بیڈ کی دوسری طرف سے نکل کر آیا اور بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"میں نے وہ فائلز اور باکسز دیکھے تھے۔ تمہیں فریم کیا گیا ہے۔"

"ہم م م م۔۔۔۔۔مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے فریم کیا گیا ہے۔۔۔نائس۔۔۔نائس۔۔۔" وہ ٹھوڑی کھجاتا بولا تھا۔

علایا کے ماتھے پر بل پڑے۔

"کیا تم لڑائی کے موڈ میں ہو یا واقعی ثابت کر رہے ہو کہ تم پاگل ہو؟"

آرش نے کندھے اچکائے۔

وہ قسم کھا کر آئی تھی کہ کچھ بھی ہو جائے وہ سلیقے سے بات کر کے معاملات سمجھ کے آئی گی۔ لیکن اس کا صبر ابھی سے ہی جواب دینے لگا تھا۔

"خیر اب وہ چیز لاؤ جو تم مجھے دینے آئی ہو۔"

"کونسی چیز؟"

"پہلی بات کسی کے گھر کے آگے سے پارسل چوری کرنا قدرے بری حرکت ہے۔اور اب اگر تم اس پر اپنا حق بھی جمانا چاہ رہی ہو تو ۔۔۔۔چچ چچ چچ۔۔۔۔۔۔آپ پولیس میں کیوں ہیں مس علایا؟"

علایا نے ہاتھ میں پکڑا بیگ اس کے قریب بیڈ پر جا کے پٹخا تھا۔

"اور تمہیں کیسے پتا چلا کہ یہ میرے پاس ہے۔ تمہیں پتا کیسے چلا کہ تمہارے گھر کوئی پارسل آیا ہے۔"

آرش نے پارسل والا بیگ اٹھایا۔ پارسل نکالا اور کھولنے لگا۔

ڈبے پر چڑھا خاکی کاغذ پھاڑتا وہ پل بھر کو رکا۔اور شہادت کی انگلی سے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔ جہاں کھڑکی کے بلکل سامنے ایک میز پر ٹیب پڑا تھا۔

علایا ٹیب کی طرف آئی۔ وہاں اسکرین پر کچھ چل رہا تھا۔ اچھنبے سے اسے اٹھایا گیا۔

وہاں اسکرین پر ایک دو چھوٹی چھوٹی خراشوں کے پیچھے ایک منظر تھا۔ وہ لائیو سی سی ٹی وی فوٹیج تھی۔

وہ جگہ بھی مانوس تھی۔

علایا نے ایک نظر ٹیب کو دیکھا اور دوسری آرش کو، وہ تو آرش کے گھر کے سامنے کا منظر تھا۔

علایا نے پھر ایک نظر ٹیب اور دوسری آرش کو دیکھا۔ اور پھر تیسری دفعہ میں اسکی نظر آرش تک پہنچنے سے پہلے ہی بیچ فضا میں اٹک گئی۔

"واٹ؟"

ایک لمحے کے سناٹے کے بعد جیسے وہ ایک دم جاگی۔اور جاگتے ہی جھٹکے سے وہ ٹیب اس کے ہاتھ میں پھسلتا، رقص کرتا اور چونکہ وہ کھڑکی میں ہی کھڑی تھی سو اب کی بار وہ کھڑکی کا فریم ہی پار کر گیا۔"ooppssss"

آرش مڑا۔

علایا کے ہاتھ خالی تھے۔

"ٹیب کہاں ہے؟"آرش کی آنکھیں پھیلیں۔

علایا نے انگوٹھے سے کھڑکی کی جانب اشارہ کیا۔

"What the hell?"آرش بڑبڑاتا کھڑکی کی طرف آیا۔ باہر جھانکا۔

"انہیں پاگلوں کی کھڑکیاں بند رکھنی چاہیں۔"

وہاں نیچے جو کوئی بھی تھا۔یقیناٹیب اس کے پاؤں پر جا کے لگا تھا اور اب اس کے پیر کے قریب اوندھا پڑا تھا۔اور وہ شخص اوپر دیکھتا چلا رہا تھا۔

آرش نے گہرا سانس خارج کیا تھا۔

"ایسا نہیں لگتا یہ کمرے مجھ سے زیادہ تمہیں سوٹ کرتا ہے؟"

علایا کے پاس سے گزرتے وہ اس کے کان میں چبا چبا کر بولا تھا اور پھر واپس بیڈ کی دوسری طرف آ کر بیٹھ گیا اور ڈبے میں موجود کارڈ دیکھنے لگا۔

"کاش میرے باپ نے سیکھایا ہوتا کہ کسی کے بھی گھر کے سامنے بیٹھ کر رونے نہیں لگ جاتے۔"خود کو کوسا گیا

علایا۔۔۔۔

آرش۔۔۔۔

اور شرمندگی۔۔۔۔۔۔

"تمہارا کام ہو گیا، اب تم جا سکتی ہو۔"آرش نے منہک سے انداز میں کہا، علایا جو کے اس کے بیڈ سے کچھ فاصلے پر آ کر کھڑہ ہوئی تھی، شرمندگی اور غصے سے لب کاٹنے لگی۔ شاید وہ ابھی تک اس دن کا رنج رکھے ہوئے ہے، علایا نے سوچا۔۔۔

"یو نو۔۔۔میں نے الہام سے بات کی تھی۔۔۔ مطلب امم م م۔۔ میں نے اس سے پوچھنا چاہا کے اس کا اور بیلا کا تعلق اور آر فنیج۔۔۔"

آرش نے چہرہ نہیں اٹھایا تھا، پر اتنا ثابت تھا کہ وہ علایا کو سن رہا تھا،

"مجھے لگا میں کچھ کر سکتی ہوں،،اور،،"

"جو کام میں نہیں کر پایا آم کیسے کر لیں گی مس علایا؟"

علایا نے بے یقینی میں آنکھیں پٹپٹائیں،۔۔۔کیا ایک قتل معاف نہیں ہو سکتا تھا؟ کاش ہوتا، تو علایا آرش میں سے کوئی ایک آج یہاں موجود نا ہوتا۔

" بلکل، صحیح فرمایا آپ نے مسٹر آرش۔" وہ مزید کچھ کہتی، لیکن پھر ضبط کر گئی، اس نے سوچا تھا کے وہ آرش سے معافی مانگ لے گی، مگر نہیں۔۔۔۔اب تو مر کر بھی نہیں،

پیر پٹختی وہ دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

علایا کے جانے کے بعد آرش کچھ دیر تو اس ڈبے اور کارڈ میں مصروف رہا، اور پھر، رخ موڑ کر ذرا کو کھڑکی سے باہر جھانکا،

پانچ فٹ کی گھنگریالے بالوں والی وہ عورت، تیز تیز چلتی پارکنگ لاٹ کی جانب بڑھ رہی تھی۔

آرش نے نا سمجھی میں کندھے اچکائے اور واپس چہرہ موڑ لیا۔

اسلام آباد میں رات کا درمیانہ پہر تھا۔

وہ وہی مینٹل ہاسپٹل تھا جہاں آرش موجود تھا۔

چہرے کے گرد سرمئی اسکارف باندھے وہ کسی سوچ میں وہاں ہسپتال میں اس کمرے کے باہر کھڑی تھی۔ کمرے کے اندر مدھم پیلی روشنی موجود تھی۔ وہ اندازہ نہیں کر پا رہی تھی وہاں موجود شخص سو رہا ہو گا یا جاگ رہا ہو گا۔

وہاں ہسپتال کی راہداری مکمل خاموشی تھی کبھی کبھی اکا دکا نرس یا کسی مریض کا جاننے والا گزر رہا تھا۔

فیصلہ کرنے میں کچھ وقت لیا تھا اور پھر آہستگی سے دونوں ہاتھوں میں پکڑے بوکے ایک ہاتھ میں منتقل کیا گیا۔

دوسرا ہاتھ دروازے کی ناب پر تھا۔ اور پھر آہستگی سے ناب گھمایا گیا۔ ہیل کی آواز نے کمرے کی خاموشی میں مدھم سا آرتعاش پیدا کیا تھا۔ رات کے اس پہر، وزیٹرز کو رومز میں جانے کی اجازت نہیں تھی، وہاں صرف ڈاکٹرز یا نرسس ہی جا سکتی تھیں، تو پھر۔۔۔

چند قدم چلتی وہ آگے آئی۔

روشنی سے ذرا دور کھڑکی کے قریب، قدرے اندھیرے میں پڑے بیڈ پر وہ ایک بازو آنکھوں پر رکھے گہری نیند میں تھا۔ دوسرا ہاتھ سینے پر اوندھے پڑے ٹیب پر دھرا تھا۔

ہاتھ میں پکڑا بوکے بیڈ کے قریب نیچے رکھ دیا گیا۔

خود وہ وجود مکمل اندھیرے میں کھڑا تھا یوں کہ پیلی روشنی اس کے چہرے کا کچھ حصہ روشن کرتی اپنی راہ جا رہی تھی۔

پیلی روشنی میں وہ گلابی لپ اسٹک لگے باریک ہونٹ ذرا پھیلے تھے۔ ہونٹوں کے دونوں کنارے اُٹھے تھے۔ پر کوئی لفظ ادا نہیں کیا گیا اور اسی انداز میں کمرے میں خاموشی میں ارتعاش پیدا کرتی ہیلز واپس مڑ گئیں اور پھر آہستہ آہستہ دور۔۔۔

دور۔۔۔

دور جاتی ٹک ٹک مدھم پڑتے پڑتے ختم ہو گئی۔

کمرے کی خاموشی ویسے ہی برقرار تھی۔ بوکے میں لگے لال پھولوں کی خوشبو بیڈ کے اطراف میں پھیل رہی تھی۔ قدرے اندھیرے میں پڑے بیڈ پر وہ لیٹا شخص آنکھیں جھپکائے بنا دروازے کو گھور رہا تھا۔ سپاٹ۔

Oh my child.........

اچانک بیڈ کے اطراف وہ آواز جاگنے لگی۔

پسینے کا ایک قطرہ اسکے ماتھے پر سے پھسلتا تکیے کی سطح پر جا گرا تھا۔

In the people there is no peace lies

وہ ایک لمحے کے لیے بھی آنکھیں نہیں جھپکا پا رہا تھا۔ گویا یہاں آنکھ جھپکی اور وہاں کوئی اُسکا گلا آدبوچے گا اور پھٹی آنکھوں سے وہ بند دروازے کو گھورے جا رہا تھا۔

ہالہ کے ہاتھ میں ابھی تک اچھے خاصے پمفلٹ تھے۔ پولیس اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر وہ سڑک کنارے آتے جاتے لوگوں کو پمفلٹ دے رہی تھی۔ ردا اور فنزا بھی سفید پی کیپ لیے مزید کچھ اسٹوڈنٹس کے ساتھ پمفلٹ بانٹ رہے تھے۔ اُنکا ethics کا پروجیکٹ تھا۔ جس میں انہیں سوشل ورک organize کروانا تھا۔ انہوں نے اپنی یونیورسٹی سے منسلک ایک اور فنینج میں کارنیول آرینج کر وایا تھا۔ اور اب انہیں فنڈز اور بچوں کے لیے تحائف جمع کروانے تھے۔ سوشل کمپین کے ساتھ ساتھ وہ فزیکل کمپین بھی کر رہے تھے۔

"کہو تو دو چار گنڈے چور بھجوا دوں تمہارے کارنیول پے؟"

ہالہ چونکی۔۔۔۔سفید پی کیپ کی وجہ سے چہرہ قدرے اٹھا کر دیکھا۔

"نہیں تو۔۔۔۔"

"تو پھر پورا شہر چھوڑ کر تمہیں یہ تھانہ ہی ملا ہے جو اس کے آس پاس پمفلٹ بانٹ رہی ہو۔ کہو تو کچھ اندر جیلوں میں بھی بھجوا دوں؟"

ہالہ نے ایک پوسٹر نکالا اور سعد کے سینے پر چپکانے کے انداز میں مارا۔ جسے سعد نے گرنے سے پہلے ہی پکڑ لیا۔

ہالہ منہ چڑاتی دوسری طرف نکل گئی۔

وہ پوسٹر کو تفصیلی دیکھنے لگا۔

"پرفیکٹ!۔۔۔یار ردا بچوں پر نظر رکھو۔ وہ کوئی چیز گرا نا دیں۔۔۔۔فنزا۔۔فنزا۔۔۔"

ہالہ فنزا کو ڈھونڈتی پورے آرفینیج میں بھاگتی پھر رہی تھی۔

اسکی یونیورسٹی سے منسلک آرفینیج میں آج کارنیول تھا جو کہ ایزاے انکا گروپ پروجیکٹ آرینج کروایا گیا تھا۔ بچے اور آرفینیج کی عملے کے علاوہ باہر سے بھی لوگ مدعو تھے۔ جسکا مقصد بچوں کے تحائف اور آرفینیج کے لیے ڈونیشنز اکٹھے کرنا تھا۔

اور اس بھاگا دوڑی میں ہالہ کی نظر فنزا پر پڑی جو کہ ایک طرف فون کان کو لگائے کھڑی تھی۔ ہالہ نے سیدھا جا کر اس کے سر پر ایک چپت رسید کی تھی۔

"آں ہاں میں بعد میں کال کرتی ہوں۔" فنزا نے کہتے فوراً فون کا ماوتھ پیس ڈھکا اور ہالہ کو گھورا۔

"گیسٹ کی لسٹ تمہارے پاس ہے نا؟ انٹری گیٹ پر تم کھڑی ہونے والی تھی نا؟" ہالہ گھورتے ہوئے بولی۔

"جا رہی ہوں بھئی جا رہی ہوں۔" فنزا فوراً سے رونے کی ایکٹنگ کرتی وہاں سے کھسک گئی تھی۔

ہالہ نے قمیض کی آستین سے چہرے پر آیا پسینہ رگڑا اور دوسری طرف چل دی۔

وہاں آرفینیج کے گراؤنڈ میں بچوں کے لیے بہت سارے گیمز آرینج کروائے گئے تھے۔

ریسلنگ، کرکٹ، ٹیبل ٹینس اور اسکیٹنگ۔

صبح سے سب اچھا جا رہا تھا۔ بچے انجوائے کر رہے تھے۔ انکی مدد کو کچھ دوسرے یونیورسٹی اسٹوڈنٹس بھی آئے تھے۔ اور وہیں ان میں سے ایک طرف سے وہ بھی چلا آیا تھا۔

"ہیئے ہالہ۔۔۔۔ نظر بھی تو آؤ۔۔۔۔"

یوشع، ہالہ کا سینئر، لیکن چونکہ وہ خاندانی طور پر ایک دوسرے کو جانتے تھے سو انکی دوستی کافی عرصے سے تھی۔

ہالہ جو کہ چھوٹے بچوں کو کرکٹ کھیلتے بچوں سے دور دھکیلنے میں مصروف تھی آواز پر چونکی۔ گردن اٹھا کر جھرمٹ میں دیکھا۔

بھوری ہائی ویسٹ لوز جینز پر سیاہ ہائی نیک اور ہلکا بھورا Cardigan پہن رکھا تھا۔ آنکھوں پر ایک ہاتھ سے چھا جا بنائے وہ ہالہ کو ڈھونڈ رہا تھا۔

ہالہ نے پر جوش سے ہنستے ہوئے ہاتھ ہوا میں لہرایا۔

"ہیئے ادھر مسٹر یوشع۔۔۔۔۔"

ہالہ کی جیسے ساری تھکن ایک دم سے دور ہو گئی تھی۔ بچوں کو کھانے کے اسٹال کے قریب چھوڑ کر وہ خود ہی یوشع کی طرف بھاگی آئی۔

یوشع نے قریب میز پر پڑے ٹشو باکس سے آگے پیچھے تین چار ٹشو نکالے اور ابھی ابھی اس کے سامنے کھڑی ہالہ کی طرف بڑھائے۔

"اتنی محنت تمہارا مزاج نہیں ہے ویسے۔"

ہالہ نے ٹشو پکڑے اور سانس درست کرتی چہرہ ٹشو سے تھپتھپانے لگی۔

"اچھا تو تم بتاؤ میرا مزاج کیسا ہے ؟" ہالہ نے ہنستے ہوئے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

یوشع نے سینے پر پہنا بیگ نما پاؤچ، جو کہ مردوں میں آج کل ٹرینڈی تھا۔ کھولا اور اس میں سے سن سکرین نکال کر ہالہ کی جانب بڑھایا۔

ہالہ کے گال اور ماتھا ہلکے ہلکے لال پڑ رہے تھے۔

ہالہ نے جھٹ سن سکرین پکڑا اور ہاتھ میں انڈیلنے لگی۔

اور پھر اسی اب وہ ہلکی پھلکی ادھر ادھر کی باتیں کرتے اور بچوں کو بڑوں کے کھیلوں سے دور دور کرتے پھر رہے تھے۔ ان کے درمیان یہ سب کچھ نارمل تھا۔ بلکل Homies کی طرح۔۔۔۔

"ہیئے ہنڈسم۔۔۔۔۔"

فنزا کسی کے کندھے پر پہنچ کر تقریباً چلائی تھی۔

اور وہ جو کوئی بھی تھا۔ اچھل کر ایک دم کھڑا ہوا تھا۔

"یہ کیا حرکت تھی؟"

وہ سعد تھا جو کہ نیچے بیٹھا ایک بچے کے تسمے باندھنے میں مصروف تھا۔

"ہالہ نے بتایا نہیں کہ آپ بھی انوائٹیڈ ہیں۔"

"میں وولنٹیئر آیا ہوں۔"جینز جھاڑتا وہ کھڑا ہوا تھا۔

ہمیشہ کی طرح ہلکی نیلی جینز پر casual سی شرٹ پہن رکھی تھی۔جو کہ آگے سے جینز کے اندر اور پچھلی طرف سے باہر تھی۔سیاہ جیکٹ کندھے پر ڈالے،بیگ کے ساتھ باندھ رکھی تھی۔

کہتا اب وہ دوسری جانب جانے لگا۔

"ویٹ۔۔۔آپ کو ہالہ سے نہیں ملنا۔۔۔۔یا ایٹ لیسٹ ہمارے ساتھ بیٹھ کر کچھ کھالیں۔۔۔"

"میں ہالہ سے ملنے نہیں آیا،میں تو بس فارغ تھا تو سوچا تھوڑا مائنڈ چینج۔۔۔۔۔"سعد کا جملہ ابھی پورا ادا نہیں ہوا تھا کہ۔۔۔۔

"وہ کون ہے؟۔۔۔۔۔وہ بھوری پینٹ میں؟"جملہ ہی بدل دیا گیا تھا۔

فنزا نے سعد کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔

وہاں دور ہالہ زمین پر بیٹھی کسی روتے بچے کو خاموش کروا رہی تھی اور اس کے سر پر کوئی ایک ہاتھ باندھے ایک ہاتھ سے چھتری لیے کھڑا تھا۔ساتھ ساتھ وہ جھک کر ہالہ کو کچھ نا کچھ نصیحت کر رہا تھا شاید بچے کو خاموش کروانے کے طریقے بتا رہا تھا۔

"وہ؟۔۔۔۔وہ ایک Handsome gentleman ہے۔ہالہ کا دور کا رشتے دار اور یونی میں ہمارا سینئر۔"

سعد نے ترچھی نگاہوں سے فنزا کو دیکھا تھا۔وہ ہالہ کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔پھر واپس اپنے راستے چل دیا۔

"Handsome gentleman"

وہ جسے لگا تھا کہ فنزا اور دا ہینڈسم کا لفظ صرف اس کے لیے ہی استعمال کرتی ہیں۔اپنی مایوسی پر بگڑے منہ سے فنزا کی نقل اتارتا بڑبڑایا تھا۔

وہاں آر فینیج کے بڑے گراؤنڈ میں،جہاں ایک طرف خصوصی بورڈ اسکیٹنگ سیٹ اپ بنایا گیا تھا،سب جمع تھے۔وہ دن کا آخری مقابلہ تھا اور آر فینیج کے بڑے بچوں کے درمیان تھا۔

ہالہ جو کہ ذاتی طور پر مقابلے میں شامل ہونے والی تھی،اپنا سیفٹی گیئر پہنے اسکیٹ بورڈ اٹھائے اسی طرف بھاگی آ رہی تھی۔

"ڈونٹ ٹیل می کہ تم بھی یہ کرنے والی ہو۔" یوشع نے قریب آ کھڑی ہوئی ہالہ کو اچھنبے سے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

"بس یوں ہی بچوں کا ساتھ دینے کو۔" ہالہ اپنا سانس درست کرتی بچوں کی طرف بڑھ گئی۔

بچے آلریڈی اسکیٹ بورڈ ریمپ پر اپنے اپنے اسکیٹ بورڈ لیے اچھل کود میں مصروف تھے۔

ہالہ نے اپنا لانگ بورڈ بھی زمین پر ڈالا اور پھر ایک قدم بورڈ پر اور دوسرے سے زمین پیچھے کو سرکاتی، سیمنٹ کے اسکیٹ بورڈ ریمپ پر اسکیٹنگ کرنے لگی۔

وہ ماہر تھی کوئی بھی دیکھ کر بتا سکتا تھا۔ بہت مہارت سے وہ بورڈ لیے ادھر ادھر بچوں کے ساتھ کھیلنے میں مصروف تھی۔

چھوٹے چھوٹے مقابلے، یوں ہی گرتے پڑتے سب انجوائے کر رہے تھے۔

اور اچانک۔۔۔۔۔۔

اچانک بچوں میں شور پیدا ہوا تھا۔ ہالہ جو ایک طرف ایک چھوٹے بچے کو ہاتھ پکڑ کر بورڈ چلانا سکھا رہی تھی، مڑی۔ وہاں ریمپ بورڈ پر کوئی Deck board لیے کرتب دیکھانے میں مصروف تھا۔

(ڈیک بورڈ ایک قسم کا چھوٹا اسکیٹ بورڈ ہوتا ہے جو کہ سنبھالنے اور کرتب دیکھنے میں آسان رہتا ہے۔)

وہ ایک پل میں ریمپ پر سلائیڈ کر رہا ہوتا اور دوسرے میں وہ نیلے آسمان پر کسی بورڈ کے ساتھ ایک جھکا ہوا ہیولہ دیکھتی۔

"انہوں نے تو کوئی کرتب باز نہیں بلایا تھا۔" ہالہ سوچتی اسی طرف آئی تھی۔

"سعد بھائی۔۔۔ سعد بھائی۔۔۔۔"

نعارے بھی اس کے بورڈ کے ساتھ ساتھ rhythm میں اوپر نیچے ہو رہے تھے۔

ہالہ ٹھٹھکی۔

"یہ یہاں کیا کر رہا ہے؟" ہالہ نے منہ کھولے کھڑی فنزا کو چپت لگاتے ہوئے کہا۔

"وولنٹئیر کام کرنے آئیں ہیں مسٹر ہنڈسم۔"

سعد اب کرتب روکے بیچ ریمپ کے بس بورڈ آگے پیچھے کر رہا تھا۔

"مجھے تو نہیں بتا تھا کہ یہ آنے والا ہے۔"

اگلے کچھ پل تو وہ آنکھیں سکوڑے اسے دیکھے گئی۔ پھر اچانک بغل میں پکڑا بورڈ ریمپ پر ڈالا اور اس پر چڑھتی سعد کی طرف گئی۔

"ایک مقابلہ ہو جائے؟"

سعد کے سر پر پہنچ پر چھکتے ہوئے چیلنج کیا گیا تھا۔اس کی آمد سے بے خبر سعد ایک دم ٹھٹکتا اسکی طرف مڑا تھا۔ پھر ہنسا۔ہالہ کے بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"اس کے ساتھ؟"

"ہاں"

"اتنے بڑے بورڈ کے ساتھ تم فلپ کیسے کرتی ہو؟"

"میں کرتی ہوں۔"

ہالہ اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔

"تو پھر ہو جائے ایک مقابلہ۔"

"شیور۔"سعد نے بورڈ واپس زمین پر رکھا اور ریمپ کے اسٹارٹ پوئنٹ کی طرف چلا گیا۔

ہالہ بھی بورڈ دھکیلتی اس کے پیچھے آئی تھی۔

اور اگلے چند لمحوں میں وہ دونوں مقابلے پر کبھی ریمپ اور کبھی آسمان پر اڑنے میں مصروف تھے۔

"یہ کون تھا؟"

ہالہ ابھی بھی یوشع کے قریب چیئر پر آکر بیٹھی تھی۔یوشع نے سوال کرتے ہوئے پانی کی بوتل اسکی طرف بڑھائی تھی۔ پھر ایک ہاتھ سے سعد کی طرف اشارہ کیا جو کہ لڑکوں کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مصروف تھا۔

"تمہاری یونی سے ہے۔۔۔۔میں تو نہیں جانتا اسے۔"

"نہیں یونی سے نہیں یہ تو میرے ساتھ تھانے۔۔۔۔"زبان فورا دانتوں تلے آئی تھی۔

"تھانے؟"

"تھانے؟کیا میں نے کہا تھانے، نہیں تو میں نے کہا کھانے۔۔۔۔کھانے چلیں کیا؟"ہالہ نے بوفے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا۔

یوشع نے آنکھیں سکیڑی تھیں۔

"انکل کو بلکل پسند نہیں آئے گا کہ انکی اکلوتی اولاد یوں کسی یتیم خانے میں لڑکوں کے ساتھ اسکیٹنگ کے مقابلے کرتی پھر رہی ہے۔"وہ متوازن سے انداز میں بولا تھا۔

دونوں ایک ساتھ اٹھے تھے۔

"انہیں کون بتائے گا؟" ہالہ نے سوال کیا۔

"وہ گارڈ جو انہوں نے میرے لیے رکھے ہیں۔" پھر خود ہی جواب دینے لگی۔

"انہیں تو خبر بھی نہیں کہ میں کہاں ہوں۔ یہ پاکستان ہے یوشع، یہاں لوگوں کو چکما دینا بہت آسان ہے۔"

"مجھے بھی؟" وہ دونوں بوفے کی طرف جارہے تھے۔

ہالہ نے رک کر ایک نظر اوپر سے نیچے اسکا جائزہ لیا۔ پھر ہنسنے لگی۔

"تمہیں تو کچھ زیادہ ہی آسان ہے۔" پھر ہنستی واپس سیدھی چلنے لگی۔

یوشع بھی ہنسا تھا۔

اچانک ایک بچہ انکے سامنے سے راستہ کاٹتا، بلی کے بچے کے پیچھے آرفینیج کی پچھلی طرف موجود احاطے کی طرف بھاگا جارہا تھا۔ وہاں پر جانا بچوں کو منع تھا۔

"اوہ ویٹ۔۔۔" ہالہ نے یوشع کو رکنے کا کہا اور بچے کے پیچھے بھاگی، یوشع رکا۔ پہلے تو کچھ دیر اسکی سمت دیکھتا رہا، یہاں ہالہ گئی تھی پھر کچھ سوچتا اس کے پیچھے چل دیا

ہالہ پچھلے احاطے میں پہنچی تو بچے کو درخت کے پاس منہ اٹھایا پایا۔

"ارے بیٹا ادھر سے چلو۔ واپس گراؤنڈ میں چلو۔"

ہالہ نے اسے پچکارتے ہوئے بلایا تھا۔ لیکن وہ اپنی جگہ ساکت منہ اٹھائے دیکھتا رہا۔ ہالہ دوڑتے اس کے قریب آئی۔

"بری بات ہے بڑوں کی بات اگنور۔۔۔"

بچہ اچانک اونچی اونچی رونے لگا۔

اور ہالہ۔۔۔۔۔اب کہ منہ اٹھا کر اوپر دیکھنے کی باری ہالہ کی تھی۔

وہاں سامنے درخت کی بڑی سی شاخ سے ایک وجود لٹک رہا تھا۔

زندہ یا مردہ۔۔۔۔

پتا نہیں پر اس کے جسم پر رینگتے کیڑے جسم پر جگہ نا ملنے پر نیچے زمین پر گر رہے تھے۔

۔

۔

۔

"ہالہ!"

وہ یوشع تھا جو روتا بچہ دیکھ کر دوڑتا ہالہ کی طرف آیا تھا۔

"فریز۔" ہالہ نے اسے وہیں روکا۔

یوشع جہاں تھا وہیں رک گیا۔

"Is everything alright?" اور سوال کیا۔

ہالہ فوراً فون نکال کر سعد کو کال ملانے لگی۔

"ہاں۔۔۔۔ تمہیں یہاں پیچھے والے احاطے آنا ہو گا جلدی۔۔۔ یہاں۔۔۔۔ یہاں پر ایک لاش ہے۔"

یوشع آنکھیں پھاڑے فون پر بات کرتی ہالہ کو دیکھے گیا۔

سیکنڈز کے فاصلے سے سعد بھاگتا وہاں پہنچا تھا۔ اس کے ساتھ ایک دو ٹیچرز بھی تھے جنہوں نے آتے ہی بچے کو اٹھایا اور چپ کروانے لگے۔

"What the hell?"

سعد لاش کو دیکھ رہا تھا۔ متعلقہ ٹیم جو اس کیس کو ہینڈل کر رہے تھے انہیں انفارم کر دیا گیا تھا۔

اور یوشع اس سب میں حیران سا ہالہ کو دیکھے گیا تھا۔

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

باہر سوسائٹی میں دن ڈھل رہا تھا۔ اندر احمت گلزار ہاؤس میں خاموشی ہمیشہ کی طرح برقرار تھی۔ کمرے میں روشنی قدرے مدھم تھی۔ شاور سے پانی گرنے کی آتی آواز پتا دیتی تھی کہ وہاں موجود فرد یقیناً شاور لے رہا ہے۔ کچھ لمحے گزرے اور باتھ روم کے کھلے دروازے سے بھاپ باہر آئی تھی اور پھر۔۔۔۔۔

سفید ٹخنوں تک آتے باتھ روب کو ناٹ لگاتی، بالوں کو بھی سفید تولیے میں لپیٹ رکھا تھا۔

باہر آتے ہی کمرے میں کونے میں پڑے اسپیکر پر اپنا من پسند سانگ لگایا اور چارجنگ سے فون اتار کر آن کرتی اوندھے منہ بیڈ پر لیٹ گئی۔

گانے کی Lyrics ساتھ ساتھ دہراتی وہ میسج چیک کر رہی تھی۔الہام کے نام پر کوئی نیا میسج نہیں آیا تھا۔

"کیا وہ الہام سے ناراض ہے یا الہام اس سے؟"

علایا نے پل بھر کو رک کر سوچا تھا۔

"کیا اس باکس میں چوتھا کارڈ تھا؟"

سوچ کا رخ ایک دم بدلہ۔

"کیا تھا جو کھول کر دیکھ لیتی؟"

اندر کا شیطان بڑبڑایا تھا۔

"ہاں۔۔۔ صحیح کہا۔"

علایا نے ہاں میں ہاں ملائی۔

اس کے فرشتوں نے ایک ساتھ ماتھا پیٹا تھا۔

اچانک اسکی اسکرین پر سرمد کا نمبر جگمگانے لگا۔

"اوہ سرمد۔۔۔۔۔"

علایا بالوں کو تولیے کے بلوں سے آزاد کرتی سیدھی ہوئی اور کال answer کرنے لگی۔

"ہاں سرمد کیا ہوا؟"

"آپ اس وقت کہاں ہیں؟"

"میں اسلام آباد میں اپنے ابو کے گھر۔"

"شِٹ۔۔۔ایکچوئیلی یہاں۔۔۔یہاں ایک اور لاش ملی ہے۔"

"چوتھا کارڈ۔۔۔"وہ چلائی۔

"کیا؟"سرمد نا سمجھی میں بولا تھا۔

"کہاں۔۔۔کہاں ملی ہے لاش؟"

"میں نے خود تو نہیں دیکھی۔چونکہ کیس دوسری ٹیم کے ہاتھ میں ہے۔لیکن معلوم ہوا ہے ایک عورت کی لاش ملی ہے۔یہاں ایبٹ آباد کے آر فینج میں۔"

"آر فینیج۔۔۔" علایا زیر لب بڑبڑائی۔

بیڈ سے اٹھی اور کمرے کے کونے میں پڑے اسپیکر پر لگا سانگ آف کیا۔

"خیر مجھے مزید معلومات ملے گی تو میں آپ کو پہنچا دوں گا۔ اوررررر۔۔۔" وہ کہتے کہتے رکا تھا۔

"آرش بھی وہیں ہے تو ذرا احتیاط سے، اپنا خیال رکھیے گا۔"

وہ سر سے خالی آرش پر آ چکا تھا۔

علایا کو ایک دھچکا سا لگا تھا۔ وہ سب آرش کو ابراہیم کے مرڈرر کا قصوروار سمجھ رہے تھے۔

علایا نے اوکے کہتے ہوئے کال کاٹ دی تھی۔

وہیں اسپیکر پر ہاتھ رکھے رکھے ایک گہرا سانس خارج کیا پھر ایک دم بال کانوں کے پیچھے اڑستی وارڈروب کی طرف آئی اور کپڑے نکالنے لگی۔

"مجھے جانا ہی پڑے گا۔ یہ سب ایسے نہیں سیٹ ہونے والا۔"

ایبٹ آباد پر مکمل رات اتر چکی تھی۔ وہاں ایبٹ آباد کے پولیس اسٹیشن کے تیسرے فلور پر ہالہ انوسٹیگیشن روم میں موجود تھی۔ کیس سے متعلقہ ٹیم ممبر اس سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ باہر سعد اور یوشع گلاس ونڈو سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"یہ کب سے چل رہا ہے؟"

یوشع نے تلخ سے انداز میں سعد کو مخاطب کیا تھا۔

"کیا؟"

"ہالہ کا اس تھانے سے تعلق؟"

"جب وہ باہر آئی گی تو خود ہی اس سے پوچھ لینا۔"

سعد غیر محسوس انداز میں یوشع سے چڑ رہا تھا۔

"تمہیں پتا ہے وہ کون ہے؟"

یوشع مکمل سعد کی طرف مڑا تھا۔

"وہ ائیر مارشل محمد بزدار کی بیٹی اور اس ملک کے دوسرے بڑے بزنس مین شاہ فیصل گیلانی کی ہونے والی بہو۔"

سعد استہزائیہ سا ہنسا تھا۔

"تو اسکے شجر و نصب کا حوالہ تم کیوں اتنے فخر سے دے رہے ہو جب اس نے خود آج تک کبھی نہیں دیا۔اور بائے۔دا۔وے۔"

سعد بھی یوشع کی طرف مکمل مڑا۔

"تم کون ہو؟"

یوشع سعد کی شکل دیکھتا رہا۔چہرے پر ناگواریت واضح تھی۔پھر بیگ نما پاوچ کھولا اور ایک کارڈ نکال کر سعد کی جانب بڑھایا۔

"میں یوشع گیلانی۔۔۔۔اس ملک کے دوسرے بڑے بزنس مین فیصل گیلانی کا اکلوتا وارث۔۔"

دھماکہ۔۔۔

سعد کچھ دیر اس کی شکل دیکھتا رہا۔

ویٹ مطلب اس وقت سر سے پاؤں تک جن چیزوں میں ملبوس تھا وہ سب واقعی ڈیزائنر چیزیں تھیں۔وہ سب چیزیں جن کے بارے میں سعد بس خوابوں میں دیکھ سکتا تھا۔پھر ایک دم اُسے اتھو چھڑا۔

یوشع بیگ بند کر چکا تھا۔اور اب چہرہ موڑے واپس گلاس ونڈو سے اندر دیکھ رہا تھا۔

اور پھر ہالہ اٹھی۔انسپکٹر سے ہاتھ ملایا اور کانفیڈنس سے چلتی باہر آگئی۔

یوشع مسکراتا بڑبڑایا تھا۔

"That's like my girl"

"اوہ یوشع تم یہاں کیوں آگئے؟"یوشع کو دیکھتے ہی ہالہ کے پیروں تلے سے زمین نکلی تھی۔

"Obviously تمہارے سیفٹی کے لیے۔"

اور اتنے میں دو گارڈ اندر آئے تھے اور ہالہ کے پیچھے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔

"آہہہ۔۔۔اتنا بڑا مسئلہ نہیں ہے۔میں بھی criminology کی اسٹوڈنٹ ہوں۔اتنا تو سنبھال ہی سکتی ہوں۔"

سعد ایک دم اس سین سے invisible ہو گیا تھا۔

"خیر چلو آج ہمیں ڈیڈ کی طرف بھی جانا ہے فیملی ڈنر کے لیے۔"یوشع کہتا آگے بڑھ گیا۔

اور ہالہ بھی دوسری نظر سعد پر ڈالے بغیر یوشع کے پیچھے چل دی تھی اور پیچھے اسکے گارڈز۔۔۔۔۔

اور۔۔۔

اور وہ یہ سب ہضم کیوں نہیں کر پا رہا تھا۔

سعد۔۔۔۔۔

وہ یہ سب ہضم کیوں نہیں کر پا رہا تھا۔

"میں آج ایبٹ آباد جا رہی ہوں۔"

ناشتے کی میز پر پلیٹ میں ٹھونگے مارتی علایا نے اعلان کیا تھا۔

"ہاں تو آتی ہی کیوں ہو؟"

چائے کی الیکٹرک کیتلی کا سوئچ نکالتے احمت صاحب بولے تھے۔

"میرا گھر ہے میری مرضی، میں جب مرضی آؤں۔" زبان سے کہا گیا حالانکہ کہ دل میں کچھ اور تھا۔

"بائے دا وے۔ مجھے آپ سے کچھ پوچھنا تھا۔"

احمت صاحب نے جواباً بس اثبات میں سر ہلایا۔

"آپکی اور الہام کی اتنی بنتی کیوں ہے۔ حالانکہ کہ وہ وکیل ہے، اور وکیلوں سے آپ کو چڑ ہے۔"

الہام اور احمت صاحب کی ہمیشہ سے ہی بنتی تھی بچپن میں بھی اور آج بھی۔۔۔ کسی بھی ناول کو ڈسکس کرنے کے لیے وہ گھنٹوں کی نشت لگا سکتے تھے۔

"کیونکہ وہ ایک سمجھدار اور عقلمند بچی ہے۔ تمہاری طرح نہیں ہے۔"

علایا نے آنکھیں چڑھائیں۔

"آپ جانتے ہی کیا ہیں اس کے بارے میں، اسکا ماضی، اسکی زندگی، پروفیشن۔"

"کچھ لوگوں سے آپ کا تعلق مختلف ہوتا ہے۔ میزن لوگوں سے انکی اچھائی یا برائی کی بنیاد پر رشتے نہیں جوڑتا۔ مجھے اس کا انٹیلکٹ (intellect) بہت پسند ہے۔ اسکی intellectual باتیں مجھے بہت امپریس کرتی ہیں اور سب سے بڑھ کر وہ میرے سارے ناول پڑتی ہے۔ honest ریویوز دیتی ہے اور چونکہ اسکا تعلق جرم اور جرائم کی دنیا سے ہے، وہ ہر روز نئے کیس دیکھتی ہے سو وہ سب مجھ سے شیئر کرتی ہے اور میں ان جرائم کو اپنے ناول میں استعمال کر سکتا ہوں۔" وہ پر جوش کہے جا رہے تھے۔

"اپنے ناولز کا تو نا ہی ذکر کریں آپ۔ اس ناول کی وجہ سے آپ ایک مڈر کیس کے سسپکٹ بن چکے ہیں۔"

"آہہہہ۔۔۔۔۔وہ میری پسندیدہ تحریر ہے۔"

"آیا کہاں سے تھا آپکو وہ آئیڈیا۔۔"وہ چڑی تھی۔

"ابھی تو بتایا الہام۔۔۔۔۔الہام میرے آئیڈیاز کا بینک ہے۔"

"ہونہہ۔"

علایا بات ہوا میں اڑاتی ہاتھ میں پکڑا ٹوسٹ کھانے لگی۔

ٹک

ٹک

ٹک

چند لمحے لگے تھے۔realization میں۔۔۔اور علایا کے منہ میں پڑا ٹوسٹ واپس پلیٹ میں آ گرا تھا۔وہ ساکت سی احمت صاحب کو دیکھے گئی۔احمت صاحب اسے اس حرکت پر ڈانٹنے کچھ بول رہے تھے۔پر علایا کے کان اس وقت اور کوئی آواز قبول نہیں کر رہے تھے سوائے ایک گونج کے۔

"ابھی تو بتایا الہام۔۔۔۔الہام۔۔۔الہام۔۔۔الہام۔۔۔"

۔

۔

۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دو لوگ،دو بلکل مختلف، مشرق، مغرب سے لوگ،وہ آمنے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔پھر اچانک انکا قد بڑھنے لگتا ہے۔

علایا ان دو جسموں کو آسمان کی طرف بڑھتا دیکھ رہی تھی۔اور پھر اچانک ایک نکتے پر علایا چہرہ اٹھائے اوپر دیکھا۔

ایک نکتے پر پہنچ کر وہاں صرف ایک ہی شخص ہوتا ہے۔علایا کو وہاں صرف ایک چہرہ کیوں دکھ رہا تھا۔وہ مشرق بھی ہو جاتا ہے اور مغرب بھی۔

ایک ہی وقت، دو شخص، ایک جسم۔

علایا کو وہاں صرف ایک ہی جسم کیوں نظر آ رہا تھا۔

ناشتہ کر کے وہ ایبٹ آباد جانے سے پہلے ہسپتال آئی تھی۔

نرس کے مطابق آرش باہر گارڈن میں واک کے لیے گیا ہے سو وہ وہیں اس کے کمرے میں پڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔ گود میں پڑے میگزین کے صفحے پلٹ رہی تھی۔ وہ پڑھ نہیں رہی تھی۔ صرف ٹیڑھے میڑھے منہ بناتی، ٹانگ پر رکھی ٹانگ جھلاتی صفحے پلٹ رہی تھی۔ اور پھر آخری صفحہ پلٹا اور میگزین بند کرتے سر اٹھایا، ساتھ میں بڑبڑائی تھی۔

"کچھ زیادہ ہی لمبی واک نہیں ہو گئی۔۔۔"

نظر سامنے بیڈ پر بیٹھے وجود پر پڑی جو کہ ٹیب کی اسکرین پر انگلیاں چلا رہا تھا۔

وہ کب آیا؟

"بہت انٹرسٹنگ میگزین تھا۔ رائٹ؟"

ٹیب سے سر اٹھائے بغیر کہا گیا تھا۔

علایا نے لب بھینچے۔

"میں ایبٹ آباد جا رہی ہوں۔"

"نائس۔"

"میں اس کیس پر اپنے طور پر کام کروں گی۔۔ اور ساتھ تمہارے حق میں کوئی ایویڈینس بھی ڈھونڈ لوں گی۔" احسانِ عزیم کیا جا رہا تھا۔

آرش نے پہلی بار چہرہ اٹھایا۔ ماتھے پر ذرا بل نمودار ہوئے۔

"کیا تمہیں مجھ پر ترس آ رہا ہے؟"

ازلی سپاٹ لہجے میں کہا گیا تھا۔

"تو پھر۔۔۔؟۔۔۔۔ ویٹ تمہیں پروموشن چاہیے، ہیں نا۔" کہتا وہ واپس ٹیب پر جھک گیا۔

"انسپکٹر علایا گلزار، چیف آف ڈیٹیکٹو ڈیپارٹمنٹ۔"

علایا نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

ایک لمحے کو علایا کو وہ اُس سب کے قابل لگا تھا۔۔۔ وہ ناپسندیدگی جو ہر شخص کے دل میں آرش کے لیے ہے، وہ اُسے، اُسکے لیے بلکل قابل لگا تھا۔

"مجھے لگتا ہے کہ اس سب میں کہیں نا کہیں میرا قصور بھی ہے۔" کہتی وہ کھڑی ہوئی۔ لہجہ پرسکون ہی تھا۔

"میں نے چیزوں کو پرسنل لے کر سوچا، میری غلطی ہے اور ایز اے پبلک سرونٹ، یہ مجھے سوٹ نہیں کرتا۔ سو میں مکمل کوشش کروں گی کہ اس دفعہ غیر جانبدار ہو کے اس معاملے کو حل کروں۔ حقیقت جو بھی ہو گی چھپا دی جائے گی۔ تم سسپنڈ ہو جاؤ گے۔ پاگل قرار دیئے جاؤ گے۔ پر مجھے پتا ہے کہ اس سب میں سچ بلکل مختلف ہے۔ تم چاہتے تو دورانِ انوسٹیگیشن میرا ذکر کر کے مجھے بھی اس سب میں گھسیٹ سکتے تھے لیکن۔۔۔۔۔

ایک سانس میں کہتی علایا رُکی تھی۔ وہ آرش کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

پر آرش اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ سوالیہ انداز میں۔۔۔

وہ ایک دم اس "لیکن" سے اگلے جملے کے لیے متجسس ہوا تھا۔

علایا نے آرش کی جانب دیکھا۔

سوالیہ انداز میں۔ وہ بھی اس "لیکن" سے اگلے جملے کے لیے متجسس ہوئی تھی۔

ادھورے سوال۔۔۔ مکمل جواب ہوتے ہیں۔۔۔ اس لیے وہ ادھورے چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔

آرش نے پہلے چہرہ جھکایا تھا۔ اور واپس ٹیب اسکرول کرنے لگا۔

"کہیں کچھ غلط ہوا ہے، تو میری پلیننگ میں کہیں کسی کمی کی وجہ سے ہوا ہے۔ میں اپنے نتائج کا بوجھ اٹھانا جانتا ہوں۔۔۔ مس علایا!"

علایا نے خاموشی سے ہاتھ میں پکڑا میگزین صوفے کے ساتھ پڑی چھوٹی میز پر رکھا اور دروازے کی طرف چل دی۔

وہ ابھی اسے کوئی جواب دینا نہیں چاہتی تھی۔ وہ بات ابھی عین اسی نکتے پر ادھوری چھوڑنا چاہتی تھی۔

اور پھر وہ کمرے کا دروازہ عبور کر گئی۔

اگلی بات وہ تب کرے گی جب وہ خود کو اس قابل کرلے گی۔ وہ لوگوں کو اپنے مقابل نہیں آنے دیتا تھا، ساتھ کھڑے کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ آج بھی اس نے علایا کو بہت بہت نیچے دھکیل دیا تھا۔

نفرت، خوف، مصیبت، بے اعتمادی

علایا نے ان سب کو ہمیشہ آرش کے اطراف بہت جم کے بیٹھے دیکھا ہے۔ وہ اپنے فیصلے خود نہیں کرتا، اسکے فیصلے یہ سب کرتے ہیں۔

"ابراہیم کو زہر دیا گیا تھا۔"

"ہاں جانتی ہوں۔"

علایا وہاں سرمد کے سامنے کرسی کھینچے بیٹھی تھی۔اور سرمد سامنے کرسی کی پشت پر دونوں بازو جمائے فائل پر کچھ دیکھ رہا تھا۔

"نئی ٹیم ہم سے اس کیس کے متعلق کچھ شئیر نہیں کرنے والی۔۔۔ہوہ۔۔۔۔بہت اکڑ ہے ان میں۔"

سرمد نے فائل بند کی۔

"یہ تھانہ ہے سرمد یہاں capability کا مقابلہ ہوتا ہے۔وہ ہم سے زیادہ capable ہیں۔سو وہ اس بات پر اکڑ سکتے ہیں۔ان کا حق ہے۔"علایا کہتی اپنا سر پیچھے کرسی کی پشت پر رکھتی آنکھیں موندھ گئی۔

"کوئی تو بات ہے جو اس آر فینیج سے ملنے والی اس لاش کے بعد ابراہیم کا کیس ری اوپن ہوا ہے۔حالانکہ وہ آرش کے غیر حتمی confess کے ساتھ بند ہو چکا تھا۔"سرمد بولے گیا۔

علایا نے فوراً آنکھیں کھولی تھیں۔

"آرش نے کوئی confess نہیں کیا۔"

"اس نے انکار بھی نہیں کیا۔"سرمد نے کہتے ہوئے کندھے اچکائے۔

"ایک نمبر کا manipulater ہے وہ۔مجھے تو یہ سمجھ نہیں آئی کہ وہ اس عہدے تک پہنچ کیسے گیا۔۔۔سائیکو۔۔۔۔اسکے بارے میں افواہیں صحیح سنیں تھیں میں نے۔"سرمدے کے لہجے میں آرش کے لیے قدرے سختی تھی۔

"کونسی افواہیں؟"

"یہی کہ اس نے اپنے ماں باپ کا قتل کیا ہے۔"

اب کے علایا اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی تھی۔

"تمہیں کس نے بتایا۔۔مطلب۔۔۔ام۔۔۔۔مطلب کون کون جانتا ہے یہ بات؟"

"کوئی نہیں جانتا لیکن ابراہیم۔۔۔۔۔ابراہیم نے کچھ ڈھونڈا تھا۔نہیں معلوم کیا لیکن وہ آرش پر کافی دیر سے بیک گراؤنڈ چیک کر رہا تھا۔اس نے کچھ کچھ مجھ سے بھی شئیر کیا تھا۔"

"آرش بچپن میں آر فینیج میں رہ چکا ہے اور تو اور اس آر فینیج سے نکلنے والے پرانے اسٹوڈنٹس اور عملے سے معلوم ہوا تھا کہ اس پر آر فینیج آنے سے پہلے اپنے ماں باپ کے قتل کا الزام تھا۔ لیکن پر اسے دماغی بیمار قرار دے کر علاج کی غرض سے وہاں سے نکال لیا گیا۔ ابراہیم کی تفتیش ابھی یہیں تک پہنچی تھی۔ اور بھلا۔۔۔ بھلا ایک سانپ کو کہاں پسند آئے گا کہ اس کی دم پر کوئی پاؤں رکھنا چاہے۔" سرمد نے کہتے ہوئے مٹھیاں بھینچی تھیں۔

(میں نے انہیں مار دیا۔ میں نے مار دیا۔)

فلیش بیک۔۔۔۔

وہ ڈراؤنے خواب سے جاگا آرش۔۔۔

وہ ڈائری۔۔۔

علایا بے یقینی سے سرمد کو دیکھ رہی تھی۔

"اور ہاں میں کیا بتا رہا تھا نئی ٹیم کے بارے میں۔۔۔" سرمد کر اچانک پہلے والی بات یاد آئی۔۔۔ اور پھر وہ بول رہا تھا شاید۔۔۔

"مجھے وہ سب کہاں ملے گا؟"

علایا نے اسکی بات کاٹی۔

"کیا؟"

"وہ ریسرچ ورک جو ابراہیم نے آرش پر کیا۔"

"اب تک وہ سب نئی ٹیم کے انڈر جا چکا ہو گا۔"

" گریٹ تو پھر مجھے اب یہی کرنا ہے۔" علایا بڑبڑاتی اپنی کرسی کے ہینڈل پر رکھی جیکٹ اٹھا کر پہننے لگی۔

"دال میں کچھ کالا نہیں۔۔۔ پوری دال ہی کالی ہے۔"

(الہام، بیلا اور میرا ماضی۔۔ میرے لیے اتنے ہی ضروری ہیں جتنا آپکے لیے آپکا سانس لینا، مس علایا)

"یہ آرش نامہ، یہ میری سوچ سے زیادہ گہرہ ہے۔"

اور پھر سرمد کی مزید سنے بنا وہ وہاں سے نکل گئی۔

ایبٹ آباد پہنچتے ہی علایا گھر کی بجائے اسٹیشن گئی تھی۔ وہ الہام کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سو ممکنہ دیر سے گھر جانا چاہتی تھی تا کہ الہام کورٹ کے لیے نکل جائے۔

ابھی سرمد سے بات کر کے آئی وہ وہاں گھر کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔ دروازہ لاک تھا۔ مطلب الہام گھر پر نہیں تھی۔ علایا نے لاک میں چابی گھمائی اور دروازے کا پٹ دھکیلتی اندر چلی گئی۔

ٹریلو بیگ اور جیکٹ لاؤنج میں صوفے پر پھینک اور فریج کی طرف چل دی۔ ساتھ ساتھ دماغ میں الفاظ ترتیب دیتی جارہی تھی کہ الہام سے بات کا آغاز کیسے کرے۔

فریج بند کر کے مڑی، پانی کی بوتا کھولتی وہ ذرا ٹھٹھکی تھی۔

وہاں سے پورا گھر دیکھائی دیتا تھا اور۔۔۔۔اور وہ خالی خالی سا کیوں لگ رہا تھا۔؟

بوتل وہیں کچن میں کاؤنٹر پر رکھتی وہ کمروں کی طرف آئی۔ الہام کے کمرے کا دروازہ کھولا۔

وہ وہیں دروازے میں ساکت سی رہ گئی۔

کمرہ خالی تھا۔

چار سفید دیواریں، ایک سفید فرش اور سرمئی چھت بس باقی کمرے میں بس خلاء تھی۔

وقت سست پڑنے لگا۔ ٹک۔۔۔۔ٹک۔۔۔ٹک

وہ اپنی سانسیں سن سکتی تھی۔

مدھم۔۔۔۔۔سست۔۔۔۔۔گم ہوتی۔

اک وقت تھا جب الہام تھی اسکی پرائمری اسکول لائف میں۔۔۔۔

پھر الہام نہیں تھی۔۔۔۔اسکی ہائی اسکول، کالج اور یونی لائف۔۔۔۔۔

اور پھر اچانک الہام واپس آگئی۔

اور اب پھر الہام نہیں ہے۔

"الہام نہیں ہو گی تو کیا ہو گا؟"

اس نے کبھی فرصت سے یہ کیوں نہیں سوچا۔۔۔

علایا کبھی یہ نہیں سوچتی تھی۔۔۔وہ سب جو ابھی ہیں، اگر کبھی نا ہوئے تو تب کیا ہو گا؟

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ابراہیم نہیں ہو گا تو ٹیم میں کام کرنا کیسا ہو گا؟

اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اگر اس چور والے حادثے میں احمت صاحب کو کچھ ہو جاتا تو سب کیسا ہوتا؟

اور آج کے بعد اگر الہام نہ ہوئی۔۔۔۔۔تو سب کیسا ہو گا؟

غیر محسوس انداز میں اس نے آہستگی سے دروازہ واپس بند کیا اور لاؤنج میں پڑے صوفے پر آبیٹھی۔

کہنیاں دونوں گھٹنوں پر جمائے، سر ہاتھوں میں گرا لیا۔ ہر چیز سست رفتار ہوتی جا رہی تھی۔

اچانک اس کی جینز کی جیب میں پڑا فون تھر تھرایا تھا۔ علایا نے جھپٹ کر فون نکالا۔

اسکرین روشن تھی۔ الہام کے نام سے میسج جگمگایا۔

علایا کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔۔۔۔۔آہستگی سے ایپ کھولا گیا۔

جب چھٹی حس کسی بری خبر کا اشارہ دیتی ہے تو دماغ ممکنا طور پر اس عمل کو ہونے سے روکنا چاہتا ہے۔ مرضی کے خلاف کیے جانے والے کام بے دلی اور سستی سے کیے جاتے ہیں۔

آہستگی سے چیٹ کھولی گئی۔

وہاں unread message کے طور پر صرف ایک مختصر سطر درج تھی۔

“I’m sorry alaya,let’s meet again…۔۔someday۔”

چند سیکنڈ کے بعد اسکرین بُجھ گئی۔

علایا کے نظریں نہیں ہلی تھیں۔ وہ وہیں اسی spot پر دیکھتی رہی پر اب وہیں میسج کی بجائے سیاہ اسکرین پر اسکا اپنا عکس تھا۔ علایا نے گہرا سانس کھینچا۔

اگر الہام یہاں ہوتی تو اس کے ہاتھ سے فون کھینچ لیتی۔

"جو مناظر تکلیف دیں، ان سے نظریں ہٹا لیا کرو کتنی دفعہ کہا ہے۔۔۔۔۔۔ان چیزوں کو دیکھا کرو جو تمہیں خوش کرتی ہیں۔"

اور کہتی فوراً کچن میں گھس جاتی تاکہ علایا کے لیے کچھ مزیدار mood lifting کھانا تیار کر سکے۔

گال کب بھیگے وہ نہیں جانتی تھی لیکن احساس ہونے پر فوراً فون پکڑے ہاتھ کی پشت سے چہرہ رگڑا اور قمیض کی آستین سے ناک۔

پھر نا جانے کیا سوجھا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اچھی بات ہے، وہ عقلمند ہے وہ جانتی تھی اگر وہ مزید یہاں رہے گی تو ابراہیم اور دوسرے مرڈرز کیس میں اسے گھسیٹا جائے گا، تفشیش ہو گی۔ وہ اپنا اچھا، برا سب سمجھتی ہے۔

ناجانے کسے تسلی دی جارہی تھی۔

وہ بڑبڑاتی کچن کی طرف آئی تھی۔ کاؤنٹر سے واپس بوتل اٹھائی اور ڈھکن کھولتی منہ کو لگائی۔

"کچھ بھی نہیں ہوگا۔ وہ نہیں ہوگی تو بھی کچھ نہیں ہوگا۔، فرق ہی کسے پڑتا ہے۔"

بڑبڑاتی بوتل کا ڈھکن بند کرتی وہ فریج کی طرف جارہی تھی جب دروازے پر بیل ہوئی۔

علایا نے اکتاہٹ سے ایک گہرا سانس خارج کیا اور فریج بند کرتی دروازے کی طرف آئی۔

مردہ ہاتھوں سے دروازہ کھولا۔

سامنے ہالہ کھڑی تھی۔

علایا نے مرے سے لہجے میں کہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو؟"

ہالہ نے اپنے پیچھے سے ایک بریف کیس نکال کر آگے کیا۔

علایا نے اگلی بات سنے بغیر ہی دروازہ اس کے منہ پر بند کیا اور چلائی۔

"میں نہیں جانتی تم کون ہو سمجھی؟"

اور وہ ابھی مکمل مڑی بھی نہیں تھی کہ اسکا فون بجنے لگا۔ اس نے بھاگ کر لاؤنج سے فون اٹھایا۔

ٹھٹھکی۔

وہاں یوشع کا نام اسکرین پر اپ کمنگ کال تلے جگمگا رہا تھا۔

“What the hell…”

علایا بڑبڑاتی واپس آئی اور دروازہ کھولا۔

اور اب کہ ہالہ خود ہی دروازہ دھکیلتی اندر چلی آئی۔

"شکریہ مجھے ویلکم کرنے کا۔ اس دفعہ میں summer off میں گھر نہیں جارہی سو یہیں رہوں گی۔ پھر میری جاب بھی تو پاس ہی ہے اسٹیشن میں۔۔۔"

ہالہ بولتی رہی۔۔۔۔۔۔۔علایا نے اس پر دوسری نظر بھی نہیں ڈالی اور اپنے کمرے میں جا گھسی۔

دھاڑ سے بند ہوتے دروازے پر ہالہ کو بریک لگی پر پھر کندھے اچکاتی وہ صوفے پر دراز ہو گئی۔

پچھلے دن کی کمرے میں گھسی علایا آج کے دن صبح باہر نکلی تھی۔سلیپنگ ٹراؤزر شرٹ میں بالوں کا گھونسلہ ویسے ہی بکھرا پڑا تھا۔آنکھیں سوجی تھیں،نامعلوم زیادہ سونے سے یہ زیادہ رونے سے پر وہ بے دھڑک آنکھیں مسلتی کمرے سے نکلتے سیدھی لاؤنج میں آگئی۔

اس کی ایک آنکھ کھلی تھی،لیکن ایک آنکھ سے دکھتا سامنے کا منظر ہی اس کی ہوائیاں اڑانے کو کافی تھا۔

"اوہ علایا۔۔۔"

ہالہ لاؤنج میں صوفے پر دراز بولی تھی پھر واپس فون میں گھس گئی۔

پر یہ حیران کن نہیں تھا۔

اسکی حیرت سامنے کھڑی تھی۔کچن میں ایپرن باندھے،ایک ہاتھ میں پکڑے فرائی پین کو چولہے سے ذرا اوپر اٹھائے اس میں موجود چیز کو پ stir کرتا،وہ یوشع تھا۔

"تم۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔؟"

علایا تقریبا چلائی تھی۔

یوشع گڑبڑا کر مڑا۔

"اوہ ہائے علایا۔۔کیسی ہو؟"

علایا کو پہلے ہی اپنے حلیہ پر غصہ آیا تھا اور اب سامنے اوپن کچن میں پڑا ناشتہ دیکھ کر ایک دم اسکے پیٹ کا چڑیا گھر جاگ گیا تھا۔

کچھ کہنے کو منہ کھولا لیکن پھر اگلے ہی پل بھینچ لیا اور ایسے ہی چلتی بالوں کو اسکارف میں باندھتی کچن میں کاؤنٹر کے گرد پڑی کرسیوں میں سے ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"پہلے ناشتہ لاؤ پھر بتاتی ہوں کیسی ہوں۔"

یوشع مسکرایا تھا۔پھر ہالہ بھی اڑتی ناشتے کی میز پر پہنچ چکی تھی۔

یوشع نے دو پلیٹر تیار کیے اور دونوں کے سامنے رکھ دیئے۔ خود اپنی گرما گرم بلیک کافی کا کپ اٹھایا وہیں کاؤنٹر سے ٹیک لگائے گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔

آدھا ناشتہ مکمل ہوا اور علایا نے منہ کھولا۔

"پہلی بات یہ کوئی vacation ہاؤس نہیں ہے۔ تم دونوں کو چھٹیاں منانی ہیں۔۔۔۔ اپنے اپنے فیملی فارم ہاؤسز میں جاؤ۔ دوسری بات۔۔۔۔"

علایا نے یوشع کو دیکھا۔ پھر ہالہ کی طرف کانٹے سے اشارہ کیا۔

"تم جانتے ہو یہ یہاں کیوں ہے؟"

ہالہ نے کاؤنٹر کے نیچے سے علایا کے پیر پر پیر مارا تھا۔

علایا نے مڑ کر کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا۔

"کیوں ہے ہالہ یہاں؟"

یوشع مطمئن سا بولا تھا۔

اس سے پہلے کہ علایا کچھ بولتی

"میرا ریسرچ ورک چل رہا ہے۔ میں یہاں آس پاس کے علاقوں میں کرائمز سے متعلق ریسرچ کر رہی ہوں۔ اور علایا کے تھانے میں بھی ایک دو دفعہ جا چکی ہوں ریسرچ کے سلسلے میں۔۔۔۔" آخری جملے پر زور دیا گیا۔

"نائس۔۔۔۔ ایز لونگ ایز تمہیں کوئی خطرہ نہیں یا تم کسی غلط کام میں انوالو نہیں۔ ڈو واٹ ایور یو وانٹ۔"

یوشع کندھے اچکاتا بولا تھا۔

علایا ابھی تک ہالہ کو کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔

ہالہ اور یوشع کو وہیں چھوڑ کر علایا اپنا کچھ ضروری سامان پر مشتمل شولڈر بیگ اور سیاہ لیڈر کی جیکٹ کمر کے گرد باندھے آرش کے گھر کی طرف جا رہی تھی۔

آرش کے گھر سے کچھ فاصلے پر رکتی وہ ایک دم جائزہ لینے لگی کہ سامنے اس گھر کے دروازے کے عین اوپر نصب کیمرہ کہاں تک کا ایریا capture کر سکتا ہے اور وہ اتنے ایریا میں ہر گز قدم نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

فی الحال اسے ابراہیم کی لاش ملنے والی جگہ یعنی آرش کے گھر کی پچھلی طرف موجود اس چھوٹے سے حصے کا جائزہ لینا تھا۔ وہاں ترتیب سے بنے گھروں کے درمیان اتنا فاصلہ تھا کہ اگر وہ کسی فائدہ مند عمل میں قابل استعمال نہیں تو آٹو میٹک کچرہ دان میں منتقل ہو جاتے تھے۔

جب سامنے کی طرف سے ممکن نا ہو پایا تو علایا پورا چکر کاٹ کر گھروں کی پچھلی طرف کی گلی سے آرش کے گھر کے پیچھے موجود حصے کی طرف آئی۔

ابراہیم کا کیس بند ہونے کے ساتھ اس جگہ سے کرائم سین کے بورڈ اٹھا لیے گئے تھے۔ وہ جگہ اب عام عوام کے پیروں تلے آتی تھی۔

وہاں سے کچھ خاص ملنا ممکن نہیں تھا لیکن علایا نے پھر بھی بیگ سے ربڑ کے دستانے نکالے اور پہنتی، بیگ کو ایک طرف دیوار سے لگا کر رکھ دیا۔

ابراہیم کی لاش کو جگہ دینے والا وہ گڑھا دوبارہ پر نہیں کیا گیا تھا سو اب وہ بس ایک بدنما سا، اندھیرے میں دیکھائی نا دینے والا گڑھا تھا جو کہ جلد کچرے سے بھر جائے گا وہ جانتی تھی۔

کوئی نشان، کوئی سراغ۔۔۔۔۔

کافی دیر سر کھپانے کے بعد بھی اسے کوئی خاص نکتہ نہیں ملا تھا۔

وہ اپنی جگہ چھوڑتی کھڑی ہوئی، ہاتھ جھاڑتے اور دستانے اتارنے لگی۔ چلتی وہ دو قدم آرش کے گھر کی طرف آئی۔ وہاں اس حصے کی طرف آرش کے گھر کے کچن کی کھڑکی اور دروازہ کھلتا تھا۔ علایا ذرا دو قدم اور آگے آئی اور پیروں کے بل اونچی ہوتی کھڑکی سے اندر جھانکا۔ کھڑکی پر پڑے پردے کی جھری سے اندھیرے میں ڈوبا گھر خالی دیکھائی دیتا تھا۔ ذرا محنت کرتی اس نے مزید اندر جھانکا چاہا جب۔۔۔۔۔

اسکے قریب ہی کھڑا کتا بھونکا تھا۔

وہ تقریبا چیخ دباتی پیچھے کو ہوئی۔

"کیا؟"

کتے کی طرف دیکھا۔

"چوری نہیں کر رہی۔۔۔۔۔ ذرا چیک کر رہی تھی۔"

وہ کتے کو صفائی کیوں دے رہی تھی؟

سرمد نے کہا تھا کہ وہ پوری کوشش کرے گا ایوڈنس روم میں جانے کی اور ابراہیم کے کیس کے متعلق چیزیں دیکھنے کی۔

ایویڈنس روم تک رسائی کی اجازت صرف اسپیشل ڈیٹکٹیو ٹیم کو ہی تھی۔اور چونکہ اب وہاں ڈیپارمنٹ پر نئی ٹیم کا قبضہ تھا سو علایا اور اسکی ٹیم کو ایویڈنس روم تک رسائی نہیں تھی۔

علایا سرمد کی کال یا میسج کا ویٹ کرتی وہاں اس پاس کے علاقوں میں گھوم رہی تھی۔

بیگ کندھے پر پہنے اور اب کہ سیاہ جیکٹ بھی پہن رکھی تھی۔

ایک ایک شخص کو روکتی،فون کی اسکرین پر چند سلائیڈز دیکھاتی سوالات کر رہی تھی۔

وہاں اسکرین پر ترتیب سے آرش اور ابراہیم کی تصویریں تھیں۔

"انسپکٹر علایا۔۔۔۔۔ایبٹ آباد پولیس اسٹیشن۔۔۔۔"

علایا نے قریب زمین پر بیٹھی مچھلی بیچتی عورت کے سامنے اپنا کارڈ لہرایا پھر فون کی اسکرین دیکھائی۔

"کیا آپ نے ان دونوں میں سے کسی کو،کسی بھی قسم کی مشکوک حرکت میں ملوث دیکھا ہے؟"

عورت آنکھیں سکوڑتی اسکرین گھور رہی تھی۔

"اماں ڈیڑھ کلو مچھلی تو تول دو۔"

اچانک کوئی شخص علایا کے سر پہ کھڑا والٹ سے پیسے نکالتا بولا تھا۔علایا نے اوپر دیکھا۔

"اوہ سر ایسکیوزمی میں انسپکٹر علایا۔۔۔۔۔ایبٹ آباد سے یوں۔۔۔۔"

علایا کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی کہ پولیس آئی ڈی کارڈ دیکھتے ہی وہ شخص پہلے تو ٹھٹھکا پھر اگلے ہی پل میں وہاں سے دوڑ لگا دی۔

"اوہ ویٹ سر۔۔۔۔۔۔"علایا چلائی۔پر وہ آندھا دھند بھاگے گیا۔

علایا نے فون بند کر کے جینز کی جیب میں رکھا اور اسکے پیچھے دوڑ لگا دی۔

"آئی سیڈ اسٹاپ ڈئیر۔۔۔۔"

وہ دوڑتا بھری مارکیٹ کے اندر گھس گیا۔

علایا رکی۔

"Hell-------------" تیز تیز سانس لیتی جھرمٹ کو دیکھتی اندازہ کرنے لگی۔اور پھر دوسری سمت کو دوڑ لگادی یوں کہ وہ اسے آگے سے جالے۔

مارکیٹ کی پچھلی طرف فرنیچر کے کارخانے تھے۔وہ علاقہ تقریباًانسانوں سے خالی تھا۔وہاں وہ شخص اسے فوراًدیکھائی دے سکتا تھا۔

علایانے اپنی رفتار سست کی اور پھر بغیر قدموں کی چاپ پیدا کیے گلی کا جائزہ لینے لگی۔ہاتھ جینز کی بیلٹ والی جگہ پر گیا۔

"Hell again-------------" وہ گن تو لائی ہی نہیں تھی۔

تیزی سے حرکت کرتی آنکھیں پوری گلی کا جائزہ لے رہی تھیں۔وہ ایک بڑی گلی تھی جس میں مارکیٹ کی چھوٹی گلیاں آکے ختم ہوتی تھیں۔وہ کسی بھی گلی سے برآمد ہو سکتا تھا۔علایانے قریب پڑے لکڑی کے ٹوٹے پھوٹے پھٹوں کے ڈھیر سے ایک پھٹا اٹھایااور پیر کے نیچے دیتی اپنی ضرورت کے مطابق توڑ کر چھوٹا کیا۔

اگلے ہی لمحے اسکی سامنے کی چھوٹی گلی سے وہ برآمد ہوا تھا پر اب کی بار وہ علایا کو دیکھ کر بھاگنے کی بجائے وہیں رکا۔

علایانے ہاتھ سے اسے وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور آہستگی سے چلتی اسکی طرف آئی۔

"دیکھیں سر میں آپکو نہیں جانتی،میں طرف کچھ سوالات پوچھنے آئی ہوں۔آپ یوں بھاگ کر خود کو مشکوک بنا رہے ہیں۔"

"میں نے کچھ نہیں کیا۔"

چلاتا وہ شخص ایک دم حرکت میں آیا۔اسکے ہاتھ میں چاقو تھا۔وہ علایا کے کمزور لمحے میں اسے جالینا چاہتا تھا۔

وہ علایا پر جھپٹا۔اس سے پہلے کہ اسکے ہاتھ میں پکڑا چاقو علایا کے کندھے میں پیوست ہو جاتا،علایانے جھکائی دیتے ہوئے ہاتھ میں پکڑا لکڑی کا پھٹا پوری قوت سے اسکی پنڈلی پر دے مارا۔

وہ ایک دم درد سے دہرا ہوا۔

چاقو علایا کے کندھے سے چھوتا،گوشت پر اپنا اثر چھوڑ گیا۔وہ کندھے پکڑتی دو قدم پیچھے ہوئی۔وہ دہرا ہوتا واپس سیدھا ہوا اور دوبارہ وار کرنا چاہا۔

اب کہ علایا پھرتی سے اس کی پچھلی طرف آئی اور اسکی گردن کو بازو کی گرفت میں جکڑتی،پورے قد سمیت اسے ہوا میں اٹھا کر زمین پر دے مارا۔

چاقو اس کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گرا تھا۔علایا لڑکھڑاتی ذرا پیچھے کو ہوئی تھی شاید اسکے پیر میں موچ آئی تھی۔پر زمین پر پڑا وہ شخص دوبارہ نہیں اٹھ سکا۔وہ وہیں زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔

علایا نے فون نکالا اور کال ملانے لگی۔

"ہسپتال کے بیڈ پر تم زیادہ سکون سے مجھے جواب دو گے۔"

علایا ایک ایک لفظ چباتی، اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورتی بولی تھی۔

"یارررررر۔۔۔۔۔۔مجھے بھی ساتھ لے جاتی میں بھی بلیک بیلٹ ہوں۔"

ہالہ صوفے کے ہتھے پر آڑی ترچھی بیٹھی بول رہی تھی۔

علایا سامنے زمین پر بیٹھی تھی۔ سامنے میز پر فرسٹ ایڈ باکس کھلا پڑا تھا۔

علایا نے ڈھیلی سی شرٹ پہن رکھی تھی جسکا گلا ایک طرف کو کر رکھا تھا یوں کہ اسکا زخمی کندھا برہنہ تھا۔ وہاں ایک کٹ تھا۔ زیادہ گہرہ نہیں پر بڑا۔ زخم صاف کر کے اب وہ اس پر سفید پٹی باندھ رہی تھی۔

"وہ کچھ جانتا ہے۔ پتا نہیں کیا؟" علایا نے یکسر مختلف جواب دیا۔

وہ سرمد کو کال کر کے اس شخص کے پاس ہسپتال پہنچنے کا بول چکی تھی تا کہ ہوش میں آتے ہی وہ بھاگنے کی کوشش نا کرے۔

کندھے کی بینڈیج مکمل کر کے اس نے کندھے پر قمیض کا گلا ٹھیک کیا اور کندھا ڈھکتی اپنے پاؤں کی طرف متوجہ ہوئی۔ وہاں ہلکی سی سوزش تھی۔

"کہیں وہ سر آرش کے لیے کام تو نہیں کرتا؟ کیا پتا اسی نے ابراہیم کی لاش وہاں چھپائی ہو؟" ہالہ کی قیاس آرائیاں جاری تھیں۔

"اتنا بیوقوفانہ تم ہی سوچ سکتی ہو۔"

علایا ٹخنے کی قریب بھوری پین ریلیف بینڈیج باندھتی بولی تھی۔

"کوئی قتل کروا کے اپنے اتنے قریب لاش نہیں رکھتا۔"

"پر سائیکو پاتھ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔"

ہالہ بولتی صوفے پر دراز ہو گئی۔

علایا نے بس ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"میں تم سے کہہ کر گئی تھی کہ تم یہاں نہیں رہو گی۔ ابھی تک تم یہاں کیا کر رہی ہو؟" فرسٹ ایڈ باکس سمیٹی علایا نے ٹاپک بدلا۔

"یارررر۔۔۔۔۔اگر میں ویکیشنز گھر گزاروں گی تو ابو کو دوبارہ سے میری اور یوشع کی شادی کی فکر لگ جائے گی۔یوشع بھی عجیب جا ہی نہیں رہا واپس انگلینڈ۔۔۔۔۔پاکستان ہی پکا ہو گیا ہے۔"

"تمہیں اس سے شادی سے کیا مسئلہ ہے؟۔۔۔۔اچھا ہے جاؤ میرے تھانے کی جان چھوڑو۔"

ہالہ فوراً اٹھ بیٹھی۔

"مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے علایا۔ابھی سے شادی کا مطلب سب ختم۔۔۔۔خلاص۔۔۔۔۔میرے ڈیٹکٹیو کے خواب کا کیا؟"

"میری بلا سے۔۔۔۔"علایا لاپرواہی سے کہتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم یوشع سے بات کر لو۔اسے اپنا خواب بتادو۔تم دونوں کی انڈرسٹینڈنگ ہے وہ تمہیں اجازت دے دے گا،شادی کے بعد بھی۔"

"وہ میرے ڈیڈ کی کاپی ہے علایا۔وہ تو مجھے سانس بھی نا لینے دے کہ کہیں سانس میں کوئی خطرناک چیز نا ہو۔یوشع کے ساتھ ہونا مطلب ہر خطرناک اور ایڈونچر چیز سے کوسوں دور اور محفوظ ہونا۔مجھے اتنی بورنگ لائف نہیں چاہیے۔"

علایا چلتی پھرتی دوبارہ باہر جانے کو تیار ہو چکی تھی۔

"میں بھی آؤں۔"

ہالہ فوراً چھلانگ لگاتی نیچے اتری۔

علایا نے وہیں سے اسے گھورا۔

"میرے کاموں سے سو میٹر دور رہو سمجھی۔"

پھر تنبیہ کرتی باہر کی طرف چل دی۔

ہالہ نے اسکی پشت پر منہ چڑایا تھا اور واپس صوفے پر دراز ہو گئی۔

"مطلبی لوگ۔۔۔۔۔ہونہہ۔۔۔۔"

علایا کی چال میں ذرا لنگڑاہٹ تھی بہت غیر معمولی سی۔تیز تیز قدم بڑھاتی وہ ہسپتال کی تیسری منزل کے کوریڈور پار کرتی آخری کمرے میں داخل ہوئی۔

وہاں ترتیب سے بیڈز لگے تھے۔ہر بیڈ پر ایک آدھ زخمی بندہ موجود تھا۔علایا آخری بیڈ کی طرف آئی۔سرمد جو کہ اس آخری بیڈ پر موجود شخص سے پوچھ گچھ میں مصروف تھا علایا کو آتا دیکھ کر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"کیسا ہے اب؟"

علایا بیڈ کے قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی۔"

سرمد علایا کی لنگڑاہٹ دیکھ چکا تھا۔

"نہیں بس ذرا موچ ہے ٹھیک ہو جائے گی۔ کچھ بتایا اس نے؟"

بیڈ پر موجود شخص خوفزدہ سا دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

سرمد نے نفی میں سر ہلایا۔

علایا نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔ کرسی بیٹھے بیٹھے ہی بیڈ کے قریب کی اور ممکنہ شائستگی سے گویا ہوئی۔

"دیکھیں سر میں آپ کو نہیں جانتی نا میں وہاں آپکے لیے آئی تھی۔ لیکن آپ نے یہ سب سینیریو پیدا کر کے خود کو مشکوک کر لیا ہے۔

سو اب بہتر ہو گا کہ آپ کچھ بتا دیں۔"

کہتے کہتے علایا فون کی اسکرین بھی کھول چکی تھی اور اب وہی تصاویر اسی شخص کے سامنے اسکرول کیں۔

"کیا آپ نے ان میں سے کسی کو مشکوک حرکت میں ملوث دیکھا ہے؟"

شخص نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر آپ وہاں سے بھاگے کیوں؟"

وہ شخص علایا کی شکل دیکھے گیا۔

"یہ ایسے نہیں بولے گا۔ تھانے کا چکر لگوانا پڑے گا۔"

سرمد بولتا آگے آیا۔ علایا نے ہاتھ کے اشارے اسے روکا۔

"ویٹ سرمد۔۔۔۔۔ وہ کچھ جانتا ہے لیکن اسے الفاظ میں بیان کرنا نہیں آ رہا۔" علایا بولی تھی لیکن اگلے ہی لمحے خود ہی چونکی۔ اس شخص کی طرف مکمل متوجہ ہوئی۔

"قتل۔۔۔۔۔ آپ نے قتل ہوتے دیکھا ہے رائٹ؟" سوال بجلی کی طرح علایا کے دماغ میں ٹپکا تھا۔

وہ شخص ابھی بھی علایا کو دیکھے گیا۔ ہاں اب کی بار سر نفی میں نہیں ہلایا گیا۔

علایا نے ماتھا کھجایا۔ وہ مزید بہترین ہنٹ سوچ رہی تھی۔

"وہ زندہ تھا۔" وہ شخص مری سی آواز میں بولا تھا۔

علایا ٹھٹھکی۔ سرمد بھی متوجہ ہوا۔

"میں نے دیکھا تھا وہ زندہ تھا لیکن وہ اسے وہاں دفنا کے چلا گیا۔"

"کون۔۔۔کون زندہ تھا؟" علایا بولی۔

"کیا یہ ابراہیم کی بات کر رہا ہے؟" سرمد نے جیسے ہوا میں تیر مارنا چاہا۔

علایا کے ماتھے کے بل گہرے ہوئے۔

"جو بھی ہوا آپ مجھے شروع سے بتائیں۔ کہاں ہوا؟ آپ وہاں کیا کر رہے تھے؟" علایا نے فون کی ریکارڈنگ آن کی

اچانک سرمد کا فون رنگ کرنے لگا۔

"تھانے سے کال ہے۔اس عورت والے کیس کی پروگریس کے متعلق ہے۔آئی گیس۔"

سرمد نے کال آن کی اور کال سنتا باہر کو نکل گیا۔

علایا واپس اس شخص کی طرف متوجہ ہوئی۔

اس شخص نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ آنکھوں میں خوف ابھی بھی موجود تھا۔

ہسپتال کے کمرے میں پڑے اس صوفے پر آرش وہ فائلز دیکھ رہا تھا۔ ہمدانی صاحب چائے کا کپ لیے سامنے اسٹول پر براجمان تھے۔

"یہ اس نرس کی ساری معلومات ہے۔اب آگے بتاؤ کیا ہوگا؟" ہمدانی صاحب نے گھونٹ سینے میں اتار کر کہا۔

آرش نے چوتھا کارڈ ہمدانی صاحب کے سامنے میز پر رکھا۔

"آرفینج"

ہمدانی صاحب کارڈ پڑھتے زیر لب بڑبڑائے۔

"کیا پچھلے دنوں کسی قریبی آرفینج سے کوئی لاش ملی ہے؟"

آرش بولا۔ ہمدانی صاحب ذرا سیدھے ہوئے۔ کپ میز پر رکھا۔

"ہاں۔ابھی ہی تو ایبٹ آباد آرفینج سے ایک عورت کی لاش ملنے کی خبر آئی ہے۔اور وہ کیس اسی علاقے کی متعلقہ تھانہ ہی کوور کر رہا ہے۔یقیناً تمہاری ٹیم جانتی ہوگی اس بارے میں۔"

آرش پرسوچ سا ہمدانی صاحب کو دیکھے گیا۔

اس شخص سے بات کرنے کے بعد علایا سیدھی سرمد کی کال پر تھانے آئی تھی۔

"ہاں سرمد بتاؤ کیا پتا چلا۔" وہ سرمد کی کیبن میں کرسی کھینچ کر بیٹھی بولی۔

سرمد نے اشارے سے آہستہ بولنے کا کہا۔

علایا محتاط ہوئی۔

"وہ ایک عورت نرس تھی۔ اسی ہسپتال میں یہاں ابراہیم ایڈمیٹ تھا۔"

علایا کے کان ذرا زیادہ کھڑے ہوئے۔

"پر حقیقت میں وہ نرس کے بھیس میں ایک قاتلہ تھی۔ وہ مریض کے دشمنوں کے کہنے پر مریض کو زہر دیتی تھی۔ obviously پیسے کے لیے۔ اور اس سب کے علاوہ وہ میڈیسن سمگلنگ میں بھی ملوث تھی۔ ابراہیم کو بھی زہر دیا گیا ہے۔"

"اور یہ کیسے ثابت ہو گا کہ زہر اس عورت نے دیا ہے، آرش نے نہیں۔" علایا نے بات کاٹی تھی۔

سرمد نے ایک دم رک کر حیرت سے علایا کو دیکھا تھا۔

"وہ نرس لوگوں کے کہنے پر زہر دیتی ہے۔ ابراہیم کو بھی زہر کسی کے کہنے پر دیا گیا ہے۔ وہ آرش بھی ہو سکتا ہے۔ آرش کے جلد ہی انویسٹیگیشن کے لیے دوبارہ بلوایا جائے گا تھانے۔"

آرش پرسوچ سا ہمدانی صاحب کو دیکھے گیا۔

"اس سے پہلے کہ اس کیس کے لیڈ مجرم کے رول پر میرا نام لگایا جائے مجھے اصلی مجرم کا نام معلوم کرنا ہو گا۔"

"اور تم مینٹل ہسپتال میں بیٹھ کر یہ کیسے کرنے والے ہو؟"

"May I come in sir?"

اچانک کمرے کے دروازے پر کوئی نمودار ہوا تھا۔

آرش نے اثبات میں سر ہلایا۔

"یہ کون ہے؟" ہمدانی صاحب اچھنبے سے اس شخص کو آرش کے پاس آ کے کچھ فائلز دیتا دیکھ رہے تھے۔

"کیس کی پروگریس کہاں تک پہنچی ؟"آرش سید ھا مدعے پر آیا۔

وہ نئ تشکیل دی جانے والی اسپیشل ڈیٹکٹیو ٹیم کا ممبر تھا۔

"سر میں نے ہر ممکن طریقے سے کوشش کرتے ہوئے کیس کا رخ اس عورت کو ابراہیم کا قاتل ثابت کرنے کی طرف موڑا ہے۔اور اب تک کافی پروگریس ہو چکی ہے۔کیس اپنے کلوز اپ کی طرف جا رہا ہے۔پر۔۔۔۔۔"وہ رکا۔

"پر ابھی بھی اصل مجرم میں ہی ٹھہرایا جا سکتا ہوں ؟"آرش نے بات مکمل کی۔

"اگلی پیشی کب ہے میری انویسٹیگیشن بیورو میں ؟"

"سر جلد ہی ہے۔میں پوری کوشش کر رہا ہوں کہ اصلی مجرم کا سراغ لگا سکوں لیکن۔۔۔۔۔ایک گڑ بڑ ہو گئی ہے۔وہ شخص جس کے بارے میں، میں نے آپ کو بتایا تھا وہ پرانی ٹیم کے ہاتھ لگ گیا ہے۔"

آرش نے چہرہ اٹھایا۔

"واٹ ؟"

"فی الحال وہ ہسپتال میں ہے اور دوسری ٹیم کو اپنا بیان بھی دے چکا ہے۔اور شاید کچھ خاص معلومات بھی۔علایا گلزار اور سرمد ۔۔۔۔"اس شخص نے بات کے اختیام پر دونوں پرانی ٹیم کے آفیسرز کے نام بھی مینشن کے جو کہ اس شخص سے پوچھ گچھ کر رہے ہیں۔

آرش کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔کیا اس نے غلط سنا۔

"علایا؟۔۔۔وہ بیچ میں کہاں سے آ گئی۔۔۔۔ویٹ۔۔۔۔کیا وہ ایبٹ آباد یہ کرنے گئ تھی ؟"

آرش دل ہی دل میں بڑبڑایا تھا۔

"اوکے تم اپنی پوری کوشش جاری رکھو۔آگے میں سنبھال لوں گا۔"

"اوکے سر۔"کہتا وہ فائلز اٹھاتا واپس چلا دیا۔

ہمدانی صاحب گومگو سے ابھی تک آرش کو دیکھ رہے تھے۔

"وہ آرش بھی ہو سکتا ہے۔اسے جلد ہی انویسٹیگیشن کے لیے دوبارہ بلایا جائے گا۔"

سرمد کے الفاظ علایا کے دماغ میں ابھی تک گھوم رہے تھے۔ وہ کافی دیر تک پیدل چلتی وہاں ایبٹ آباد کی ایک کچی بستی میں داخل ہوئی۔ وہ بستی زیادہ تر دودھ بیچنے والوں کی تھی جو کہ اپنے فارمز کا دودھ شہروں میں لے جا کے بیچتے تھے۔

وہ شخص بھی ایک دودھی تھا اور اس کے مطابق اس رات وہ گاڑی خراب ہونے پر وہاں اس علاقے میں رکا تھا۔ اور اس نے وہاں کسی کو ایک شخص کو دفناتے دیکھا تھا۔

علایا کے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اسکی گاڑی کی اگلی طرف لگا ایک کیمرہ ہوتا ہے جو کہ سی سی ٹی کی طرح آپ کی گاڑی کے سامنے ہونے والے واقعات اور آوازیں رکارڈ کر لیتا تھا۔

علایا ایک گھر کے سامنے رکی وہاں گھر کے گرد بڑا سا صحن تھا جس کے گرد بنی چار دیواری تھی۔ اونچائی میں صرف اتنی کہ علایا آرام سے سر اونچا کر کے اندر جھانک سکتی تھی۔

وہاں بڑے سے صحن میں ایک طرف کافی سارے جانور بندھے تھے اور دوسری طرف ایک گھر تھا چھوٹا سا اور قریب ایک عدد سوزوکی کھڑی تھی۔

صحن میں داخل ہونے کا دروازہ کھلا تھا۔ علایا آہستگی سے چلتی اطراف کا جائزہ لیتی اندر چلی گئی۔ وہاں شاید کوئی نہیں تھا۔ علایا نے خاموشی سے اس شخص سے لے گئی چابی سے گاڑی کھولی اور سامنے کی طرف لگے ڈیش کیم کو جانچتی اپنا کام کرنے لگی۔

ہمدانی صاحب گومگو سے ابھی تک آرش کو دیکھ رہے تھے۔

"تم نے مجھے تو نہیں بتایا اس سب کے بارے میں؟"

"آپ نے مجھے بتایا تھا اس سب کے بارے میں؟"

آرش انہیں کی آواز میں بولا تھا۔ اشارہ آرش کے مینٹل ہیلتھ کی رپورٹس کی طرف تھا۔

"دیکھو اگر یہ بات باہر نکلی تو تمہاری پوسٹ کے ساتھ ساتھ میری ریپوٹیشن اور جاب بھی خطرے میں پڑ جائے گی۔"

"یہ بات آپ کو پہلے سوچنی چاہیے تھی۔"

آرش لاپرواہی سے کہتا اٹھ کھڑا ہوا۔

"حد ہے نیکی کا تو زمانہ ہی نہیں رہا۔"

ہمدانی صاحب بڑبڑاتے کھڑے ہوئے۔

"اب کیا آپ اگلے تین گھنٹے یہاں کھڑے ہو کر یہ ثابت کرنے والے ہیں کہ آپ کتنے ڈرپوک ہیں۔"

آرش اکتاہٹ سے بولا تھا۔

ہمدانی صاحب کانوں کو ہاتھ لگاتے باہر کی طرف چل دیے۔

"توبہ توبہ تمیز نام کی تو کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ گدھا نا ہو تو۔"

جاتے جاتے وہ سنانا نہیں بھولے تھے۔

ہمدانی صاحب کے نکلتے ہی آرش کے حرکات میں ایک دم تیزی آئی۔ اسے آج کا دن ختم ہونے سے پہلے یہ سب نپٹانا تھا۔

علایا۔۔۔۔وہ علایا سے اتنی عقلمندی expect نہیں کر رہا تھا۔

پر اس بہادری کے نتائج۔۔۔۔۔۔علایا نتائج ہینڈل نہیں کر پائے گی۔

مرے قدموں سے چلتی وہ اپنے اپارٹمنٹ پہنچی تھی۔ دروازے میں چابی لگائی اور دروازہ دھکیلتی اندر چلی گئی۔

"الہام۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یارررر میری ٹانگیں۔۔۔۔۔"

اونچی سے بولتی لاؤنج میں آکر وہ رکی۔ منہ بند کیا۔

"الہام نا ہو گئی، ماں ہو گئی جو گھر آتے ہی مجھے وہ چاہیے ہوتی ہے۔"

"مجھے کچھ کہا؟"

سامنے صوفے پر ہیڈ فونز لگائے آڑی ترچھی لیٹی ہالہ سیدھی ہوتی بولی۔

اور اسے دیکھتے ہی علایا کا رہا سہا موڈ بھی خراب ہو گیا۔

اور شاید کہ وہ کچھ بول بھی دیتی لیکن پھر رکی۔ ایک گہرہ سانس لیا۔ پھر جیب سے ایک سیاہ چھوٹا سا باکس نکال کر ہالہ کے سامنے میز پر رکھا۔

شاید وہ ڈیش کیم کی اسٹوریج ڈیوائس تھی۔

"یہ کیا ہے؟" ہالہ وہ باکس پکڑ کر دیکھتی سیدھی ہوئی۔

"ڈیش کیم کی اسٹوریج ڈیوائس ہے اور تم مجھے اس میں سے پچھلے مہینے کی فوٹیج نکال کے دینے والی ہو۔"

"ڈیش کیم صرف 24 گھنٹے کی فوٹیج رکھتا ہے۔" ہالہ نے علایا کی بات ہوا میں اڑائی اور وہ بلیک باکس واپس میز پر رکھتی، ہیڈ فونز چڑھا کر بیٹھ گئی۔

"رائٹ۔۔۔۔۔" علایا نے اثبات میں سر ہلایا پھر جیب سے فون نکالا اور ہالہ کے والد محترم کو کال ملانے لگی۔

کال لگا کر اسکرین ہالہ کے سامنے کی۔ ہالہ کے اسکرین پر لکھا نام پڑھتے پڑھتے ہی دوسری طرف سے کال اٹھا بھی لی گئی تھی۔ اور ہالہ کو جس لمحے سمجھ آئی ہالہ نے فوراً علایا کے ہاتھ سے فون چھیننا چاہا۔

علایا نے فون کان کو لگایا اور سامنے میز پر پڑی ڈیوائس کی طرف انگلی سے اشارہ کیا۔

دھمکی۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ہالہ نے دانت بھینچے تھے۔

علایا کال پر حال احوال پوچھتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ہالہ نے بند دروازہ گھورتے ہوئے سامنے پڑی ڈیوائس اٹھائی تھی۔

آرفنیج

"بیلا کہاں ہے الہام؟"

ہاتھ روم سے نکلتے ہی پہلا سوال جو اس کے کانوں سے ٹکرایا تھا۔وہ اسکی روم میٹ کا تھا۔

الہام ہاتھ میں پکڑے کپڑے انکی جگہ رکھتی نظر چراتی بولی۔

"شاید ناشتہ کرنے لگی ہے۔"

"ناشتہ؟ یہ کونسا ٹائم ہے ابھی تو ناشتہ بنا بھی نہیں ہوگا۔"روم میٹ نے کھڑکی کی طرف اشارہ کیا جہاں ابھی بھی آسمان ہلکی نیلاہٹ لیے ہوئے تھا۔

الہام جہاں تھی وہیں ایک دم جیسے رکی۔ایک گہرہ سانس لیا اور اس لڑکی کی طرف مڑی۔

الہام کا چہرہ سپاٹ تھا۔اکتاہٹ بھرا۔

"وہ جہاں بھی ہو تم مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہو۔اتنی یاد آرہی ہے تو خود جا کر دیکھ آؤ باہر۔"

لڑکی حیرت سے الہام کے تلخ لہجے کو دیکھے گئی۔یہ الہام تو نہیں تھی۔وہ ایسے روڈلی بات نہیں کرتی۔

اور پھر الہام رکی نہیں تھی۔اسٹڈی ٹیبل سے اپنی کتابیں اٹھائیں اور پڑھنے کی غرض سے ڈروم سے باہر نکل گئی۔لڑکی نے پیچھے سے کندھے اچکائے تھے۔

کتابیں سینے سے لگائے،تیز تیز قدم اٹھاتی الہام کوریڈور پار کرتی نیچے گارڈن میں آگئی۔رات بھر بارش ہونے کی وجہ سے وہاں لگے تختے گیلے تھے۔اور گھاس بھی تر تھی۔

وہ کتنی ہی دیر خالی دماغ کے ساتھ سبز گھاس کو گھورتی رہی۔

ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسے اپنی ٹانگوں سے جان نکلتی اور پیٹ میں مروڑ اٹھتے معلوم ہو رہے تھے۔

"اسمبلی میں ہونے والی اٹینڈنس سے پہلے مجھے۔۔۔۔"آگے وہ سوچ نہیں پارہی تھی۔وہ اب کیا کرے کہ اسمبلی سے پہلے کہیں غائب ہو جائے۔

"بھاگنا۔"

دماغ میں کچھ کللک ہوا۔

اس نے آج تک کسی کو آر فینج سے بھاگتے نہیں دیکھا یا اس بارے میں نہیں سنا تھا لیکن ہر چیز کو چھوڑ کر اس کے دماغ میں یہی جواب آیا تھا۔

ناوہ یہاں ہو گی نا اسمبلی ٹائم بیلا کی غیر موجودگی کے بارے میں اس سے پوچھ گچھ ہو گی۔

(وہ دونوں فائلز الہام اور بیلا کے آر فینج چھوڑنے کی تھیں۔ تاریخ ایک تھی اور وجہ۔۔۔۔وجہ نہیں لکھی گئی تھی۔ انہیں اڈاپٹ بھی نہیں کیا گیا تھا۔)

الہام لمحوں میں وہاں سے بھاگنے کا پلان اپنے دماغ میں تشکیل دینے لگی۔ ایک دفعہ اسکی رومیٹس ناشتہ کرنے چلی جائیں تو وہ انکے پیچھے بیگ لے لے گی اور یہاں سے نکل جائے گی۔

اسکا دماغ ممکنہ طور پر بس یہی کچھ سوچ اور سمجھ پا رہا تھا۔

اگر اس نے یہ آج کر لیا تو اگلی پوری زندگی۔۔۔۔وہ مزید سوچ نہیں پا رہی تھی۔

(آر فینج چھوڑنے کے بعد اگلے کئی سال تک الہام کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا۔)

وہ چھپ جائے گی کہیں بھی۔۔۔۔کیسے بھی۔۔۔۔بس اسے آر فینج اور پولیس والوں سے بھاگنا ہو گا۔ اس سے پہلے کہ لوگوں کو پتا چلے کہ الہام سبزواری نے بیلا اکبر کا قتل کر دیا ہے۔

الہام سبزواری کو غائب ہونا ہو گا۔

رومیٹس یقیناً ناشتے کے لیے جا چکی ہوں گی۔ اس سوچ کی ساتھ وہ واپس ڈروم کی طرف گئی تھی۔

ڈروم میں جا کر اندر سے دروازہ لاک کیا اور بجلی کی طرح پھرتی سے بیگ میں اپنا سامان ڈالنے لگی۔

کچھ کپڑے۔۔۔۔۔۔چند کتابیں۔۔۔۔۔اپنی ڈائری۔۔۔۔اور۔۔۔۔۔وہ نیکلس۔۔۔۔وہ نیکلس جو علایا نے اسے الوداعی تحفے کے طور پر دیا تھا۔ اسے وہ بہت عزیز تھا۔ بیگ پیک کر کے وہ اپنے جوتے نکال کر پہننے لگی۔

بس کچھ عرصے میں کہیں چھپ جاؤں گی اور پھر جب سب بھول جائیں گے الہام کو بیلا کو۔۔۔۔جب سب بھول جائیں گے تو وہ واپس لوٹ آئے گی۔ وہ ہنسی خوشی اپنی زندگی میں واپس آ جائے گی۔ ایک پندرہ سالہ لڑکی کی کامیاب پلیننگ۔۔

(آر فینیج چھوڑنے کے اگلے کئی سال تک الہام کا کوئی ریکارڈ نہیں تھا اور پھر ررر۔۔۔۔۔ پھر وہ اچانک ایک وکیل بن کر زندگی کے پنوں پر نمودار ہو گئی۔ ایبٹ آباد کی کامیاب اور مشہور وکیل۔)

جوتے کس کے بیگ پہنا اور چہرے کے گرد اپنا سیاہ اسکارف اچھی طرح لپیٹ کر الہام ڈورم سے باہر آئی۔

تیز تیز چلتی، تقریبا دوڑتی وہ آر فینیج کے پچھلے باغ کی طرف آ گئی۔

وہاں پچھلے باغ سے انکا اسمبلی والے صحن کا آخری حصہ جڑا تھا یوں کہ اسمبلی کی آوازیں وہاں پچھلے باغ میں صاف آتی تھیں۔ ابھی بھی شاید بچے ناشتہ کر کے اسمبلی کے لیے جا چکے تھے۔ وہ صحن کی طرف سے آتی ہل چل سن سکتی تھی۔

الہام ابھی بھی تذبذب میں تھی۔ وہ آر فینیج سے نکل تو جائے گی مگر کہاں جائے گی۔ وہ آر فینیج سے باہر کچھ بھی نہیں جانتی تھی اور اگر ۔۔۔ اگر آر فینیج والوں نے اسے واپس ڈھونڈ لیا تو؟۔۔۔۔۔۔

عمارت کی اوٹ میں کھڑی وہ مسلسل ہونٹ چبا رہی تھی۔ اسمبلی کی آوازیں اب برابر آ رہی تھیں۔

اسکی آنکھ سے ایک آنسو ٹوٹ کر گرا اور سیاہ اسکارف میں جذب ہو گیا۔

"امی۔۔۔۔ ابو۔۔۔۔"

وہ دل ہی دل میں بولی تھی۔ بلکہ تڑپی تھی۔

"علایا۔۔۔۔ آرش۔۔۔۔"

اس کے پاس پکارنے کو زیادہ نام نہیں تھے۔ پر جو تھے وہ اس وقت شدت سے یاد آ رہے تھے۔ بس کوئی ایک۔۔۔۔

سوچتی وہ زمین پر بیٹھی چلی گئی۔

بس کوئی ایک ہی آ جائے۔۔۔ اسے بچانے۔۔۔۔

اب کے وہ باقاعدہ رو رہی تھی۔ آنکھیں رگڑتی وہ سامنے کا منظر بار بار صاف کر رہی تھی۔ پر اگلے ہی لمحے وہ پھر دھندلا جاتا۔

اور پھر۔۔۔۔۔۔

اب کہ آنکھیں رگڑتے ہی جو منظر صاف ہوا تو وہاں سامنے انسانی ٹانگیں تھیں۔ وہ جہاں تھی وہیں فریز ہو گئی تھی۔ منظر پھر دھندلانے لگا۔

موجودہ کہانی

رات مکمل اتر چکی تھی۔ تھانہ بھی آہستہ آہستہ خاموش ہوتا جا رہا تھا۔ آفیسر ز اپنے اپنے ڈیسک سمیٹتے اب وہاں سے اٹھ رہے تھے۔
علایا اپنے اوپن کیبن میں تھی۔ سامنے میز پر اس کے لیپ ٹاپ کی ایک طرف سیاہ فلیش چمک رہی تھی۔ وہاں اسکرین پر کوئی ویڈیو پلے ہو رہی تھی۔ علایا نظریں جمائے اسکرین پر گزرتے لمحے دیکھ رہی تھی۔

ایک، ایک کے بعد دوسری اور تیسری۔۔۔۔

وہ ایک ایک کر کے ساری ویڈیوز چیک کر رہی تھی۔

وہ پچھلے مہینے کا ریکارڈ تھا۔ پر ویڈیو چوبیس گھنٹے کی تھی۔

وہ ہر ویڈیو پلے کرتی، دن اور رات میں وہ منظر ڈھونڈنا چاہ رہی تھی۔

پر نا جانے کیوں۔۔۔۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسکی ہارٹ بیٹ معمول سے تیز ہو رہی تھی۔

شاید کچھ تھا۔ وہ جو بھی دیکھنا چاہتی ہے، شاید وہ کبھی بھی وہ دیکھنا نہیں چاہتی۔

لیپ ٹاپ کے بورڈ پر چلتی انگلیاں مضطرب اور تیز رفتار تھیں۔ پر نا تو ہی وہ پلے سے انکار کر رہی تھی۔

ایک کشمکش تھی۔

اور پھر وہ ایک ویڈیو پر رکی۔ وہ آرش کے گھر کا پچھلا حصہ تھا۔ وہ پہلی نظر میں پہچان گئی تھی۔ اس کا سانس تھما تھا۔

علایا نے ویڈیو روکی۔

کیبن میں مکمل خاموشی چھائی۔

وہاں اسکرین پر رکا منظر تقریباً خاموش اور اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ بس گلی کے آخر پر مین اسٹریٹ لائٹ کی کچھ روشنی بمشکل وہاں تک پہنچ پا رہی ھتی۔ اور اس سب میں علایا دور اندھیرے سے نمودار ہوتا ایک سیاہ ہیولہ دیکھ سکتی تھی۔

علایا نے غیر محسوس انداز میں ماتھے پر آیا پسینہ اپنی آستین سے رگڑا تھا۔ کچھ لمحے سر کے۔

ماؤس کے کللک نے کیبن کی خاموشی میں آرتعاش ڈالا اور اسکرین پر تصویر واپس سے حرکت کرنے لگی۔ وہ سیاہ ہیولہ آہستہ آہستہ قریب آرہا تھا۔ اسکی چال سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک ہاتھ سے کسی بھاری چیز کو گھسیٹا لا رہا ہے۔

علایا کا چہرہ اسکرین کے ذرا قریب آیا۔ آنکھیں سکڑیں۔ سیاہ ہیولا اب مکمل روشنی تلے تھا۔ روشنی کا ذریعہ مدھم تھا پر وہ شخص قابل بصارت تھا۔ اور پھر علایا نے اس شخص کو اپنے ساتھ لائے بھاری کدال سے گڑھا کھودتے دیکھا۔ علایا نے ویڈو فارورڈ کی۔ حتی کہ وہ گڑھا کھود چکا اور اب کہ وہ شخص واپس اندھیرے کی طرف گیا۔

سامنے کا منظر خالی ہوا۔

علایا نے محسوس کیا کہ اسکی سانسیں تیز تھیں۔ جیسے ویڈیو پر لکھا وقت نہیں، وہ دوڑ رہی ہو۔

اسکرین گھورتے گھورتے وہ ٹھٹھکی۔ اندھیرے سے وہ وجود دوبارہ ظاہر ہوا تھا اور اب کے اس کے ساتھ ایک انسان تھا۔ ایک جیتا جاگتا انسان پر شاید وہ چل نہیں پا رہا تھا۔

سو وہ شخص اس انسان کو گھسیٹتا (گویا کوئی زمین پر بیٹھا ہو اور اسے اسی posture میں گھسیٹتا جا رہا ہو) اسی طرف آرہا تھا۔

وہ۔۔۔ہ۔۔۔

علایا یا منہ بے ساختہ کھلا

روشنی تلے آتے ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابراہیم تھا۔

اس سیاہ ہیولے نے ابراہیم کو لا کر اس گڑھے میں پھینکا اور آرام سے کدال اٹھا کر واپس مٹی گڑھے میں پھینکنے لگا۔ ابراہیم کی طرف سے دفاعی کوشش میں علایا ابراہیم کو ہاتھ ہلاتا دیکھ سکتی تھی شاید پورے جسم میں سے ہاتھ اور بازو قابل حرکت تھے۔ پر ثابت تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔

سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں وہ شخص ایک زندہ انسان کو دفنا رہا تھا۔

علایا کو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مٹی خود پر گرتی محسوس ہو رہی تھی۔

ابراہیم آستہ آہستہ دب رہا تھا۔ یقیناً وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

اور علایا کو اپنی سانس کی نالی پر دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔

دفاعی حرکات رکیں۔۔۔

مٹی برابر کر دی گئی۔۔۔۔

اور وہ ہیولہ ہاتھ جھاڑتا سیدھا کھڑا ہوا۔ چہرہ مکمل آسمان کی طرف اٹھایا جس سے اسکی سیاہ ہڈی سر سے ڈھلک کے پیچھے آ گری۔

علایا کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

اسٹریٹ لائٹ کی سفید روشنی میں وہ سرخ سینے تک گرتے، چمکتے بال مزید چمک رہے تھے۔

علایا نے ویڈیو پاز کر کے غور سے دیکھنا چاہا۔ چہرہ اسکرین سے قدرے قریب لا کے۔ ان لال بالوں تلے موجود چہرہ ابھی بھی روشنی نا ملنے کی وجہ سے سیاہ تھا۔

اور اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں پھیلیں۔ دل سینہ پھاڑ کے باہر آنے کو ہوا جاتا تھا۔

لیپ ٹاپ کی اوٹ سے۔۔۔۔۔

اسکے کیبن کے دروازے میں۔۔۔۔

آنکھ کے کنارے سے۔۔۔۔۔

سیاہی میں ڈوبے ہال میں۔۔۔

علایا وہ سیاہ ہیولہ دیکھ سکتی تھی۔

بعض اوقات اندھیرے میں نمودار ہونے والے سیاہ وجود نظر سے نہیں دیکھے جا سکتے وہ نظر کے کناروں سے نمودار ہوتے ہیں۔ انہیں وہیں سے دیکھا جاتا ہے۔

علایا نے اسکرین سے نظر نہیں اٹھائی تھی۔ آخری سانس جو کھینچا تھا، باہر نکالنا بھول گئی۔

کیبن کی مدھم روشنی کے پار باہر سیاہی میں ڈوبے آفس میں کھڑا وہ ہیولہ اوپر سے نیچے تک سیاہ ہیولہ۔۔۔۔

علایا اپنی نظر کے کنارے سے اسے دیکھ سکتی تھی۔

آر فنیج

اب کہ آنکھیں رگڑتے ہی جو منظر صاف ہوا تو وہاں سامنے انسانی ٹانگیں تھیں۔ وہ جہاں تھی وہیں فریز ہوئی تھی۔ منظر پھر دھندلانے لگا۔

الہام نے آنکھیں رگڑیں، چہرہ اٹھایا۔

"امی۔۔۔۔"

"ابو۔۔۔۔"

"آرش۔۔۔۔"

"علایا۔۔۔۔"

(اس سب کو پکارا تھا سوائے بیلا کے)

سامنے کھڑی چودہ پندرہ سالہ لڑکی اپنی ازلی بڑی بڑی آنکھوں اور شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

(اور وہاں کوئی بھی نہیں آیا تھا سوائے بیلا کے)

اس کے سیاہ بال سر کی ایک طرف سے جیسے خون کی وجہ سے لال تھے اور آنکھیں عجیب خوشی سے چمک رہی تھیں۔

"سوری۔۔۔۔۔س۔۔۔۔سوری بیلا وہ میں۔۔۔۔۔"

الہام ہکلاتی کھڑی ہوتی بیلا سے دور ہوئی تھی۔

موجودہ کہانی

آرش علایا کے گھر کے باہر موجود تھا۔ ہسپتال سے سیدھا وہ وہیں آیا تھا۔

ڈور بیل پر ہاتھ رکھنا چاہا۔ پر پھر ہاتھ واپس گرالیا۔

"الہام بھی تو گھر ہو گی۔" سوچ نے اسے ایک منٹ سوچنے پر مجبور کیا۔ تبھی خود ہی دروازہ کھل گیا۔

آرش دو قدم پیچھے ہوا تھا۔

"آرش سر آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟"

ہالہ جو کہ کچرے کا شاپر اٹھائے کھڑی تھی۔ آرش کو یوں دیکھ کر بوکھلائی۔ پھر نا جانے کیا سوجھی اور دروازہ واپس بند کرنے لگی۔ آرش نے فوراً سے پہلے دروازے میں اپنا پاؤں اڑایا۔

"ویٹ ویٹ۔۔۔۔"

ہالہ کے رہے حواس بھی جاتے رہے۔ اس کے لیے اس وقت آرش ہسپتال سے بھاگا پاگل مجرم تھا۔

"ویٹ ہالہ میں تمہیں کھانے نہیں لگا۔" آرش نے دروازہ کھینچ کر کھولا۔

"مجھے علایا سے بات کرنی ہے۔ الہام کو معلوم ہوئے بغیر اسے باہر بھیجو۔"

ہالہ نے کچرے والا شاپر حفاظتی اقدام کے تحت سینے پر کس کے پکڑ رکھا تھا۔

"علایا گھر پر۔۔۔ نہیں ہے اور الہام۔۔۔ بھی گھر پر نہیں ہے۔" وہ توڑ توڑ کر بولی تھی۔

آرش کے ماتھے پر بل ذرا گہرے ہوئے۔

"کہاں ہے علایا اور الہام گھر پر کیوں نہیں ہے؟"

ہالہ نے جواباً کندھے اچکا دیئے۔

"اور یہ کوئی وقت ہے کچرا پھینکنے جانے کا؟"

آرش نے ٹھک سے دروازہ واپس بند کر دیا اور خود گھر کے سامنے کھڑی جیپ کی طرف آیا۔

"وہ اس وقت صرف worst ہی imagine کر پا رہا تھا۔

"علایا کہاں ہو سکتی ہے؟"

گاڑی اسٹارٹ کرتے وہ یہی مسلسل سوچ رہا تھا۔

رات مکمل اتر چکی تھی۔ تھانہ بھی آہستہ آہستہ خاموش ہوتا جا رہا تھا۔ آفیسر ز اپنے اپنے ڈیسک سمیٹتے اب وہاں سے اٹھ رہے تھے۔

علایا اپنے اوپن کیبن میں تھی۔ سامنے میز پر اس کے لیپ ٹاپ کی ایک طرف سیاہ فلیش چمک رہی تھی۔ وہاں اسکرین پر کوئی ویڈیو پلے ہو رہی تھی۔ علایا نظریں جمائے اسکرین پر گزرتے لمحے دیکھ رہی تھی۔

ایک، ایک کے بعد دوسری اور تیسری۔۔۔۔

وہ ایک ایک کر کے ساری ویڈیوز چیک کر رہی تھی۔

وہ پچھلے مہینے کا ریکارڈ تھا۔ ہر ویڈیو چوبیس گھنٹے کی تھی۔

وہ ہر ویڈیو پلے کرتی، دن اور رات میں وہ منظر ڈھونڈنا چاہ رہی تھی۔

پر نا جانے کیوں۔۔۔۔ ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اسکی ہارٹ بیٹ معمول سے تیز ہو رہی تھی۔

شاید کچھ تھا۔ وہ جو بھی دیکھنا چاہتی ہے، شاید وہ کبھی بھی وہ دیکھنا نہیں چاہتی۔

لیپ ٹاپ کے بورڈ پر چلتی انگلیاں مضطرب اور تیز رفتار تھیں۔

ایک کشمکش تھی۔

اور پھر وہ ایک ویڈیو پر رکی۔ وہ آرش کے گھر کا پچھلا حصہ تھا۔ وہ پہلی نظر میں پہچان گئی تھی۔ اس کا سانس تھما تھا۔

علایا نے ویڈیو روکی۔

کیبن میں مکمل خاموشی چھائی۔

وہاں اسکرین پر رکا منظر تقریباً خاموش اور اندھیرے میں ڈوبا تھا۔ بس گلی کے آخر پر مین اسٹریٹ لائٹ کی کچھ روشنی بمشکل وہاں تک پہنچ پا رہی تھی۔ اور اس سب میں علایا دور اندھیرے سے نمودار ہوتا ایک سیاہ ہیولہ دیکھ سکتی تھی۔

علایا نے غیر محسوس انداز میں ماتھے پر آیا پسینہ اپنی آستین سے رگڑا تھا۔ کچھ لمحے سرکے۔

ماؤس کے کلک نے کیبن کی خاموشی میں ارتعاش ڈالا اور اسکرین پر تصویر واپس سے حرکت کرنے لگی۔ وہ سیاہ ہیولہ آہستہ آہستہ قریب آرہا تھا۔ اسکی چال سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک ہاتھ سے کسی بھاری چیز کو گھسیٹا لا رہا ہے۔

علایا کا چہرہ اسکرین کے ذرا قریب آیا۔ آنکھیں سکڑیں۔ سیاہ ہیولا اب مکمل روشنی تلے تھا۔ روشنی کا ذریعہ مدھم تھا پر وہ شخص قابل بصارت تھا۔ اور پھر علایا نے اس شخص کو اپنے ساتھ لائے بھاری کدال سے گڑھا کھودتے دیکھا۔ علایا نے ویڈیو فارورڈ کی۔ حتی کہ وہ گڑھا کھود چکا اور اب کہ وہ شخص واپس اندھیرے کی طرف گیا۔

سامنے کا منظر خالی ہوا۔

علایا نے محسوس کیا کہ اسکی سانسیں تیز تھیں۔ جیسے ویڈیو پر لکھا وقت نہیں، وہ دوڑ رہی ہو۔

اسکرین گھورتے گھورتے وہ ٹھٹھکی۔ اندھیرے سے وہ وجود دوبارہ ظاہر ہوا تھا اور اب کے اس کے ساتھ ایک انسان تھا۔ ایک جیتا جاگتا انسان پر شاید وہ چل نہیں پا رہا تھا۔

سو وہ شخص اس انسان کو گھسیٹتا (گویا کوئی زمین پر بیٹھا ہو اور اسے اسی posture میں گھسیٹتا جا رہا ہو) اسی طرف آرہا تھا۔

وہ۔۔۔۔ہ۔۔۔۔

علایا یا منہ بے ساختہ کھلا

روشنی تلے آتے ہی معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابراہیم تھا۔

اس سیاہ ہیولے نے ابراہیم کو لا کر اس گڑھے میں پھینکا اور آرام سے کدال اٹھا کر واپس مٹی گڑھے میں پھینکنے لگا۔ ابراہیم کی طرف سے دفاعی کوشش میں علایا ابراہیم کو ہاتھ ہلاتا دیکھ سکتی تھی شاید پورے جسم میں سے ہاتھ اور بازو قابل حرکت تھے۔ پر ثابت تھا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔

سر سے پیر تک سیاہ لبادے میں وہ شخص ایک زندہ انسان کو دفنا رہا تھا۔

علایا کو ہر گزرتے لمحے کے ساتھ مٹی خود پر گرتی محسوس ہو رہی تھی۔

ابراہیم آستہ آہستہ دب رہا تھا۔ یقیناً وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔

اور علایا کو اپنی سانس کی نالی پر دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔

دفاعی حرکات رکیں۔۔۔۔

مٹی برابر کر دی گئی۔۔۔۔

اور وہ ہیولہ ہاتھ جھاڑتا سیدھا کھڑا ہوا۔ چہرہ مکمل آسمان کی طرف اٹھایا جس سے اسکی سیاہ ہڈی سر سے ڈھلک کے پیچھے آ گری۔

علایا کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

اسٹریٹ لائٹ کی سفید روشنی میں وہ سرخ سینے تک گرتے، چمکتے بال مزید چمک رہے تھے۔

علایا نے ویڈیو پاز کر کے چہرہ اسکرین کے بلکل قریب لا کے غور سے دیکھنا چاہا۔ ان لال بالوں تلے موجود چہرہ روشنی نا ملنے کی وجہ سے ابھی بھی تاریک تھا۔

اور اگلے ہی لمحے اسکی آنکھیں پھیلیں۔ دل سینے پھاڑ کر باہر آنے کو تھا۔

لیپ ٹاپ کی اوٹ میں۔۔۔۔

آنکھ کے کنارے سے۔۔۔۔

علایا وہ سیاہ ہیولہ دیکھ سکتی تھی۔

علایا نے اسکرین سے نظر نہیں اٹھائی تھی۔

آخری سانس جو کھینچا تھا باہر نکالنا بھول گئی۔

کیبن کی مدھم روشنی کے پار

سیاہی میں ڈوبے آفس میں کھڑا وہ اوپر سے نیچے سیاہ ہیولہ۔۔۔۔۔

علایا اپنی نظر کے کنارے سے اسے دیکھ سکتی تھی۔

مدھم روشنی میں اس چھوٹے سے کیبن میں میز کے پار، لیپ ٹاپ کے اوٹ میں بیٹھے اس وجود کو آرش آسانی سے دیکھ سکتا تھا۔

علایا نے سامنے میز پر پڑے پسٹل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر ٹریگر پر انگلی جماتی پسٹل پر اپنی گرفت مضبوط کی۔ وہ ہیولہ حرکت کرتا اسی کی طرف آ رہا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اندھیرے سے روشنی کا کنارہ، کیبن کا دروازہ پار کر لیتا۔

علایا پھرتی سے گن تھامے دروازے کی طرف تانتی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

خوف نے ذرا گھبرا کر دروازے میں دیکھا۔

خوف کا رقص سست پڑا۔

خوف کی سیاہی مدھم پڑنے لگی۔

آرش نے ایک ہاتھ سے پی کیپ اتاری اور دوسرے سے ماسک چہرے سے الگ کیا۔

علایا کا گن والا ہاتھ نیچے گرا۔

اور سینے میں اٹکا سانس خارج کیا۔

"آرش۔۔۔۔؟ تم۔۔۔؟" علایا کی آواز میں لغزش تھی۔

اگر علایا گھر پر نہیں تھی تو لازماً اپنے آفس میں ہوگی۔ اور یقیناوہ ڈیش کیم ویڈیو بھی ابھی اس کے پاس ہوگی۔ اور پھر اگلے ہی پل مزید کچھ سوچے بنا آرش نے سیاہ سرجیکل ماسک چڑھایا۔ سیاہ پی کیپ آگے کو ذرا جھکائی اور گاڑی سے نکل اسٹیشن کی طرف گیا۔

راہداری میں کوئی نہیں تھا۔ سیڑھیاں میں خاموش تھیں، دوسری منزل تاریک تھی۔ شاید زیادہ تک آفیسرز جا چکے تھے۔ اس نے ابراہیم کا کارڈ جو کہ اس نے اندر داخل ہونے کے لیے استعمال کیا تھا واپس جیب میں ڈالا۔ وہ کارڈ اسے ابراہیم نے ہی دیا تھا۔ Sting operation کے دوران، ایزاے ثبوت، کہ وہ کچھ غلط نہیں کرے گا اور آرش سے loyal رہے گا۔ حیرت کی بات تھی کہ وہ ابھی تک تھانے کی طرف سے dismiss نہیں کیا گیا تھا۔

آرش اپنے تعین اندھیرے میں ڈوبے ہال میں گنتی کے چند روشن کیبنز میں سے علایا کا کیبن ڈھونڈنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اور پھر وہ تکے سے اس مدھم روشنی والے کیبن کے قریب گیا۔ اور عین اسکے اندازے کے مطابق وہ وہاں موجود بھی تھی۔

آرش نے آگے بڑھ کر لیپ ٹاپ کی اسکرین گھمائی اور ٹیبل پر ہاتھ جما کر لیپ ٹاپ پر جھکتا وہ ویڈیو چیک کرنے لگا۔

علایا ابھی تک اسے دیکھ رہی تھی۔بے یقینی سے۔اور پھر منظر دھندلانے لگا۔

علایا نے گن جینز میں اڑستی،اپنی آنکھیں رگڑیں۔

ناجانے اسے کیوں لگا کہ آج وہ اکیلی یہاں دفن ہو جائے گی۔ابراہیم کی طرح۔۔۔بنا کسی کو خبر ہوئے۔۔۔

اسکا اسٹریس،خوف کی شکل میں نکل رہا تھا۔

وہ جو کوئی بھی تھا،پر موت کا خوف۔۔۔۔علایا نے موت کا خوف محسوس کیا تھا۔

"تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔"بیک وقت دونوں کے منہ سے نکلا۔

(شکر ہے تم یہاں ہو)پر بیک وقت دونوں کے دل نے کچھ کہا تھا۔

آرش نے سر اٹھایا۔

علایا بھی اسے دیکھ رہی تھی۔دو آنکھیں چار ہوئیں۔علایا نے چہرہ جھٹکا۔"تمہیں یہاں نہیں ہونا چاہیے تھا۔اگر کسی نے دیکھ لیا تو تمہارے لیے ایشو ہو گا۔"

آرش نے وہ یو ایس بی نکالی۔"مجھ سے زیادہ خطرے میں اس وقت تم ہو۔کیا قاتل کو معلوم نہیں ہو گا کہ تم یہ سب جان گئی ہو۔"آرش نے یو ایس بی علایا کے سامنے لہرائی۔

''میں نے جو غلط کیا ہے میں اسے ٹھیک کر رہی ہوں۔ یہ یو ایس بی آخری حصہ ہے اور اب تمام ثبوت جوڑ کر میں تمہیں بے قصور ثابت کروں گی اور اسپیشل ٹیم میں اپنی جگہ واپس لوں گی۔'' علایا نے یو ایس بی اس کے ہاتھ سے کھینچ لی۔ ''اور تم میری فکر مت کرو اور واپس جاؤ۔'' علایا جلدی جلدی میز پر سے اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ لیپ ٹاپ کی لڈ گرائی۔

''تمہیں اسپیشل ٹیم میں انور سے کانٹیکٹ کرنا ہو گا۔ وہ میرا ہی بندہ ہے۔ تم اسے یہ سارے ثبوت دے سکتی ہو۔'' علایا ٹھٹھکی، حیرت سے آرش کی جانب دیکھا۔

(مطلب وہ اتنا لاچار نہیں تھا جتنا وہ سوچ رہی تھی۔)

''میری مرضی۔'' علایا نے لیپ ٹاپ اٹھایا اور پھر بنا مزید کچھ کہے کیبن سے نکل گئی۔

آرش نے آنکھیں گھمائی تھیں۔

وہ انسانوں سے ہمیشہ کی طرح ہی بے زار تھا۔

''پر وہ ٹھیک اور محفوظ ہے۔'' آخری خیال جو آرش کے دماغ سے گزرا تھا۔

ہالہ دروازے سے ہی چپکی بیٹھی تھی جب علایا کے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھلا۔

''آرش سر آئے تھے۔''

ہالہ جو کہ کچرے کا شاپر ابھی تک سینے سے لگئے بیٹھی تھی اعلان کیا۔

''میں تو خوف کے مارے تب سے یہاں سے ہلی ہی نہیں۔''

"وہ یہاں کیوں آیا تھا؟"

علایار کی نہیں تھی۔ کہتی لاؤنج کی طرف بڑھ گئی۔

"تمہارا اور الہام کا پوچھ رہے تھے۔ عجیب جلدی میں تھے اور شاید غصے میں بھی۔"

ہالہ شاپر وہیں چھوڑ کر بھاگ کر لاؤنج میں آگئی۔ اور علایا کے آگے صوفے پر جا بیٹھی۔

"کیا مجرم کی شناخت واضح ہوئی؟"

علایا نے نفی میں سر ہلایا۔

"میں ابھی سونے جا رہی ہوں ہالہ۔ صبح مجھے اسٹیشن کے لیے جلدی نکلنا ہے اور ہاں۔۔۔۔" جاتی جاتی علایا مڑی۔

"آرش سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔" بات مکمل کر کے وہ اپنے کمرے کا دروازہ پار کر گئی۔

ہالہ کا منہ لٹکا۔

"اف اب میں کچرا پھینکنے کیسے جاؤں مجھے تو یہیں لاؤنج میں بیٹھے ہی chills آرہے ہیں۔"

کمرہ عدالت پہ چھائی پژمردگی ویسی ہی ہمیشہ جیسی تھی۔ آرش اپنے وکیل کے ہمراہ مجرم کی ٹیبل پر موجود تھا۔ دوسری طرف کورٹ کے ایڈووکیٹ جج کے فیصلے کے منتظر تھے۔ علایا تماشائیوں میں وہیں سامنے کی کرسی پر موجود تھی۔ ساتھ سرمد بھی تھا۔

علایا تمام ثبوت پیشی سے پہلے آرش کے بتائے گئے شخص کو دے چکی تھی۔

وہ سوچوں میں گم تھی جب جج نے آخری فیصلہ سنانا شروع کیا۔

"تمام ثبوت اور شواہد کے پیش نظر یہ فیصلہ سنایا جاتا ہے کہ انسپکٹر ابراہیم کا قتل اندرانی نامی نرس نے کیا ہے۔اور چونکہ نرس اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے تو کیس میں کوئی مجرم باقی نہیں رہا۔اختیام پہ انسپکٹر آرش ارمغان کو بے قصور قرار دیا جاتا ہے اور ان کا عہدہ بحال کرنے کی تلقین کی جاتی ہے۔"

جج خاموش ہوئے۔

علایا جو گود میں پڑے ہاتھوں میں گھور رہی تھی، ٹھٹھکی۔

(بس !۔۔۔اور ویڈیو میں موجود اس لال بالوں والی لڑکی کا کیا؟)

علایا نے آرش کی جانب دیکھا۔اسکی ہتھکڑیاں اتاری جا رہی تھیں۔

"کیس یہاں بند نہیں ہونا تھا۔"علایا کے دماغ میں کچھ ٹھٹھکا۔

(کیا آرش نے اپنی پسند کی تبدیلی کروالی ثبوت میں یا اسپیشل ٹیم نے جان بوجھ کر اس ٹاپک کو دبا دیا تاکہ کیس کلوز ہو سکے۔)

فی الحال وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔پر وہ حیران تھی۔آرش تب کمرہ عدالت سے نکل گیا تھا اس نے غور نہیں کیا۔وہ ایک دم بہت ڈسٹرب ہو گئی تھی۔

آرش کے رہائی کے دو دن بعد

ہمیشہ کی طرح اسٹیشن آج بھی اتنا ہی مصروف تھا۔علایا کافی کا بھاپ اڑاتا گلاس لیے اپنے دھیان چلتی اسٹیشن میں داخل ہوئی۔

اسے اسکی اسپیشل ٹیم میں جگہ تو واپس نہیں ملی تھی پر اسکا عہدہ ابھی بھی مرڈر اور کرائم کے سیشن میں ہی تھا۔ہاں البتہ آرش کو اسکا لیڈر کا عہدہ واپس بحال کر دیا گیا تھا۔وہ آج آرش سے سامنا ہونا اسپیکٹ کر رہی تھی۔وہاں کمپلین ڈیسک پر اسے دور سے ہالہ دیکھائی دی تھی۔اور پھر اپنے کیبن کے فلور پر اسے سرمد اور سعد بھی دکھے تھے۔پر آرش وہ کہیں نہیں تھا۔علایا اڑتی سی نگاہ اطراف میں ڈالتی اپنے کیبن میں آگئی۔وہ وہاں کہیں بھی نہیں تھا۔

ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی جب سرمد علایا کے کیبن میں داخل ہوا۔

"گڈ مارننگ"

کہتا وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"ہوں۔۔۔۔"علایا نے سست سے لہجے میں حرف "ہوں" پر ہی اکتفا کیا۔

"سر آرش نے ریزائن کر دیا۔"

بم پھوڑا گیا۔

علایا نے جلدی میں گرم کافی کا گھونٹ بھرا۔

"آآآ۔۔۔۔۔"

ایک دم جلتی زبان کی تکلیف ابھری۔

"واٹ؟۔۔۔۔وائے؟"

پر پھر دکھتی زبان کے ساتھ دبی دبی آواز میں چلائی۔

سرمد نے کندھے اچکائے۔

"میں ان سے معذرت کرنے ان کے آفس گیا تھا۔ وہاں نا پا کر جب الیاس صاحب سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ آرش سر نے دو دن قبل ہی اپنا ریزائن لیٹر جمع کروا دیا تھا۔"

علایا کے دن کا آغاز اس خبر پر رج کے ستیاناس ہوا تھا۔

"خیر یہ فائلز آپکو دینی تھیں جن کا آپ نے کہا تھا۔" سرمد نے کچھ فائلز علایا کے سامنے سرکائیں پھر اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے بڑا افسوس ہے۔" وہ جاتے جاتے بڑبڑایا تھا اور پھر کیبن سے نکل گیا۔

علایا کا جبڑا جو بھینچا ہوا تھا ذرا ڈھیلا پڑا۔ ایک گہرا سانس خارج کیا۔

وہ فائلز ابراہیم کی خفیہ تفتیش کا نتیجہ تھیں جو وہ آرش پر کر رہا تھا۔ سرمد نے کیسے دوسری ٹیم سے یہ فائلز لیں، اسے فرق نہیں پڑتا۔

وہ سست روئی سے مرے مرے ہاتھوں سے فائلز چیک کرنے لگی۔

"اگر اسے غائب ہی ہونا تھا تو اس رات آنے کی کیا ضرورت تھی۔"

علایا فائلز پر فوکس نہیں کر پا رہی تھی۔ دماغ کسی اور جنگ میں مصروف تھا۔

"مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ وہ گیا کہاں ہے، منحوس انسان۔"

منحوس انسان پر دانت رگڑے گئے تھے۔

اپنے تعین وہ اسے کچا چبا چکی تھی۔

"بھگوڑا۔"

وہ اس وقت آرش کے لیے کسی قسم کے اچھے الفاظ استعمال کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

سعد فون کی اسکرین پر جلدی جلدی کچھ ٹائپ کرتا اسٹیشن کے سامنے موجود کھوکھے پر کھڑا تھا۔

مصروف نگاہیں اسکرین پر جمی تھیں۔

''سر آرش نے ریزائن کر دیا؟''

کوئی بلکل اسکی پشت پر بولا تھا۔

وہ ٹھٹھکا نہیں۔اپنی ٹائپنگ کا تسلسل بھی جاری رکھا اور جواباً صرف ''ہوں'' کہا۔

''اوہ۔۔۔'' ہالہ کہتی اسکی پشت سے نکل کر سامنے کی طرف آئی۔

''چاچا ایک کپ میرے لیے بھی۔'' اپنی چائے کا آرڈر دیا اور مزید کچھ کہنے کو منہ کھولا جب سعد نے سامنے رکھا چائے کا گلاس (جو کہ چاچا نے ابھی ابھی رکھا تھا) اٹھایا اور کھوکھے سے نکل کا اسٹیشن کی طرف چل دیا۔چہرہ ابھی بھی برابر اسکرین میں گڑا تھا اور انگلیاں مسلسل چل رہی تھیں۔

ہالہ کھلا منہ لیے اسے جاتا دیکھے گئی۔

''واٹ دا ہیل۔'' پھر چڑ کر کہتی وہاں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ باہر دن اب ڈھلان کی طرف گامزن تھا۔ماحول میں روشنی نارنجی ہو رہی تھی۔

ہالہ کا سوالیہ چہرہ بھی روشنی کے زیر اثر نارنجی ہو رہا تھا۔

"کیا میں اسے دیکھائی نہیں دے رہی؟"

خود سے سوال کرتی، ہوا میں ہی سعد کو لات ماری گئی۔

کھانا شاید پچھلے آدھے گھنٹے سے وہاں دھرا تھا۔

ہالہ اور علایا میز کے آمنے سامنے اپنی اپنی پلیٹوں پر جھکی تھیں پر کھانے کی بجائے مسلسل کانٹا ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔

صدارتی کرسی پر بیٹھا یوشع خالی پلیٹ کے سامنے بیٹھا ان دونوں کو ہی باری باری دیکھ رہا تھا۔

کنفیوزڈ۔

"کیا آج کوئی سوگ ہے؟" یوشع جھجھکتے ہوئے بولا تھا کہیں بس وہی اس سوگ سے بے خبر نا ہو۔

دونوں نے بیک وقت کانٹا پلیٹ میں رکھا

اور پھر بیک وقت کرسی دھکیلتی کھڑی ہوئیں۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" بیک وقت الفاظ ادا ہوئے۔

اور پھر یوشع نے دونوں کو لاؤنج میں موجود دونوں کمروں کے دروازے پار کر کے دھاڑ سے دروازہ بند کرتے دیکھا۔

Awkward silence

"اممم۔۔۔اوکے۔۔۔"

پتا نہیں وہ کس کو جواب دے رہا تھا۔

باہر رات کی سیاہی ایبٹ آباد کو مکمل ڈھانپے ہوئی تھی۔

علایا ہمدانی صاحب کے آفس میں موجود تھی۔ ہمدانی صاحب مریضوں کے چیک اپ ٹور پر تھے۔ سو وہ وہیں آفس میں انتظار کرنے لگی۔ یوشع رات کب گھر گیا وہ نہیں جانتی۔ ہالہ شاید سو کر نہیں اٹھی تھی۔ علایا رات بھر فائلز کا مطالعہ کرتی صبح صبح ہی اسلام آباد آئی تھی۔ آرش کے بعد اسے ہمدانی صاحب سے ہی زیادہ accurate معلومات مل سکتی تھیں۔

"ارے مس علایا آپ یہاں صبح صبح خیریت ہے؟"

علایا کھسیانی سی ہنستی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"ارے بیٹھیں بیٹھیں۔ کیا لیں گی، چائے، کافی، ناشتہ؟"

"میں کچھ معلوم کرنے آئی ہوں آرش کے بارے میں، اس کے بعد چلوں گی بس۔"

"مجھے نہیں معلوم آرش کہاں ہے۔" ہمدانی صاحب نے فوراً سے کہا تھا۔ ساتھ ساتھ کندھے اچکائے۔

علایا یہ نہیں پوچھنے والی تھی۔ پھر بھی اسے ایک نامعلوم سی ناامیدی ہوئی۔

"نہیں دراصل میں۔۔۔" علایا ہاتھ مسلتی واپس بیٹھی۔

"میں آرش کے پیرنٹس کے بارے میں جاننا چاہتی ہوں۔ آئی مین ان کا مرڈر اور آرش کا اس سب سے تعلق؟" ایک ایک لفظ سوچ سوچ کر ادا کیا گیا تھا۔

"ویل ڈیٹکٹیو وہ تو آپ ہیں۔" ہمدانی صاحب نے عینک کے اوپر سے علایا کو دیکھا۔ پھر ہنسے۔

"آپ خود ہی کیوں نہیں کھوج لیتیں؟"

وہ سوال تھا۔

علایا کے پاس کوئی ڈھنگ کا جواب نہیں تھا۔

"ڈیٹکٹیو ہوں اسی لیے رپورٹس اور ریکارڈز میں لکھے گئے فیکٹس پر اندھا اعتماد نہیں کر پا رہی۔ کچھ مسنگ ہے جو کہ میرے لیے جاننا ضروری ہے۔ شاید الہام کو لے کر۔۔۔"

ہمدانی صاحب کی مسکراہٹ ذرا سمٹی۔ الہام کے نام پر ذرا وہ ٹھٹھکے تھے۔

"علایا کو فوراً احساس ہوا کہ اسے یہاں الہام کا نام نہیں لینا چاہیے تھا۔ ہمدانی صاحب ہنس دیئے۔

"حقیقت کیا ہے وہ خود ہی جانتا ہے۔ کیا حقیقت وہی ہے جو حقیقت دیکھائی گئی ہے۔ وہ اسی کی تلاش میں پاکستان آیا ہے۔ شاید وہ اپنا جواب ڈھونڈ چکا ہے، ابھی تک وہ واپس انگلینڈ جا چکا ہو گا۔"

کیا آرش کا جواب اس ڈیش کیم وڈیو میں تھا؟ ہمدانی صاحب بھی نہیں جانتے کیونکہ آرش ایسا ہی ہے۔ وہ اپنے پلینز کی بھنک اپنے فرشتوں کو بھی نہیں پڑنے دیتا۔

"کیا آپ اس سے کوئی امید لگائے بیٹھی تھیں؟ انتظار کا کوئی فائدہ نہیں۔" ہمدانی صاحب علایا کی جانب دیکھے بغیر بولے۔

علایا پھیکا سا مسکرا دی۔

"نہیں میں نے اس سے کسی بھی قسم کی امید نہیں لگائی تھی۔ میں نے اسے ہمیشہ وداع ہوتے مسافر کی طرح دیکھا ہے۔ جو کہ مفلر باندھے، اپنا بریف کیس لیے ٹرین اسٹیشن پر کھڑا ٹرین کا منتظر ہے۔ اسے جانا ہی ہوتا ہے۔" علایا کہتی اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی۔

"آپ کے وقت کا بہت شکریہ۔" کہتی آفس سے نکل گئی۔

ہمدانی صاحب نے اسے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ان کے ماتھے پر آیا پسینے کا ایک قطرہ سامنے کھلی پڑی رپورٹ پر گرا تھا۔

انہوں نے فوراً ماتھا رگڑا۔

وہ پاکستان کبھی بھی اسپیشل ٹیم کا لیڈر بننے کے لیے نہیں آیا تھا۔اس کا پہلا مقصد کچھ اور تھا۔

سامنے کتابوں کے ڈھیر کو گھورتی وہ کسی اور ہی دنیا میں تھی۔

"میں نے انہیں مار دیا۔"

وہ پسینے میں شرابور سہمہ چہرہ

"آرفنیج میں اس کے بارے میں مشہور تھا کہ اس نے اپنے ماں باپ کا قتل کیا ہے۔"

"کبھی آرش سے پوچھنا اس کا محور کیا ہے؟"

احمت صاحب مزید کتابیں لا کے اس کتابوں کے ڈھیر پر رکھ رہے تھے۔

اس کی زندگی میں دوسرے انسان کچھ خاص اہمیت نہیں رکھتے۔پر اس کی اپنی ذات، شاید اس کے لیے اس کے مسائل دوسرے

انسانوں سے زیادہ اہم ہیں۔

"ہو گئی ڈے ڈریمنگ۔" احمت صاحب اس کے سر پر کھڑے ہو کر بولے۔

علایا چونکی پھر انہیں گھورا۔

"میں کچھ سوچ رہی تھی۔" کہتی سامنے پڑی کتابیں آگے پیچھے کرنے لگی۔

احمت صاحب وہ کتابیں کسی اسکول کو ڈونیٹ کر رہے تھے۔ علایا ڈاکٹر ہمدانی سے ملنے کے بعد احمت صاحب کی صرف آگئی۔

احمت صاحب طنزیہ ہنسے۔

علایا لڑائی کے بلکل موڈ میں نہیں تھی۔ سو خاموشی سے ایک ایک کتاب چیک کر کے کاٹن میں سیٹ کرنے لگی۔

"انسپکٹر آرش کا کیا ہوا؟ کیا اس کا عہدہ بحال ہوا؟"

"آپ نیوز نہیں دیکھتے کیا؟"

"واپس چلا گیا وہ۔۔۔۔" احمت صاحب بولے تھے۔

علایا نے سر اٹھایا۔

"پوچھ رہے ہیں یا بتا رہے ہیں؟"

"میں تو صرف بات کرنا چاہ رہا تھا۔" احمت صاحب کندھے اچکاتے دوسرا کاٹن اپنی طرف کھینچ کر بیٹھ گئے۔ اور کتابیں دیکھنے لگے۔

"پتا نہیں۔۔۔۔ شاید۔"

"پتا نہیں وہ ناٹک کر رہا تھا یا وہ واقعی نہیں جانتا کہ میں جانتا ہوں کہ وہ التمش کا بیٹا ہے۔"

علایا کے مصروف سے ہاتھ رکے۔ سوالیہ انداز میں احمت صاحب کی صرف دیکھا۔

"کون التمش؟۔۔۔۔ آرش کا باپ پروفیسر التمش آرمغان؟"

احمت صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آپ انہیں جانتے ہیں؟'' علایا کی آواز بلند ہوئی۔

احمت صاحب نے چہرہ اٹھایا۔ حیرت سے علایا کو دیکھا جس کی بھنویں کھینچی ہوئی تھیں۔

''اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔ تم بھی جانتی ہو میرے دوست پروفیسر التمش کو جنہوں نے میری کتاب لکھنے میں مدد کروائی تھی۔ پر ہاں تمہیں میری کتابی تاریخ میں کبھی دلچسپی ہوتی ہی۔۔۔'' ان کی بات ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔

''آپ مجھے یہ بات اب بتا رہے ہیں۔'' آواز مزید بلند ہوئی۔

احمت صاحب خاموش ہوئے اور اب کے حیران بھی۔

''آپ مجھے یہ بات اب بتا رہے ہیں جب سب ختم ہو گیا؟ میں نے آپ سے اس دن پوچھا تو تھا آپ نے تب کیوں نہیں بتائی یہ بات۔ آپ نے بس میری گلہریوں والی فضول بات کر کے بات ہی غائب کر دی۔ آپ کو اندازہ ہے کہ کیا اہم ہے اور کیا غیر اہم۔۔۔۔'' بولتے بولتے اس کی آواز رندھ کیوں رہی تھی۔

''ایسا کیا غلط کر دیا میں نے؟'' احمت صاحب شرمندگی اور خفگی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ دھیمی آواز میں بولے تھے۔

علایا جواباً اپنا غصہ قابو کرتی اپنے ہی ہاتھ سے اپنا جبڑا بھینچے انہیں دیکھے گئی۔

پھر ٹھٹھکی۔

''تو آپ جانتے ہوں گے نا کہ اسکے امی ابو کے ساتھ کیا ہوا۔ رپورٹس کے مطابق انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا۔ ابراہیم کی ریسرچ کے مطابق آرش نے انہیں قتل کیا ہے۔''

''آپ بتائیں سچ کیا ہے؟'' علایا بولتی ان کے قدرے قریب آچکی تھی۔

احمت صاحب کسی خفا بچے کی طرح چہرہ جھکا کر بیٹھ گئے۔

علایانے ماتھا مسلا تھا۔ کچھ دیر گہرے سانس لیتی رہی۔

"آیم سوری۔۔۔۔ پلیز آپ مجھے بتائیں آپ کیا جانتے ہیں؟" وہ وہیں قریب گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ آواز بھیگی سی تھی۔

تکلیف جس بھی بات کی تھی۔ بس کہنے کا موقع ڈھونڈ رہی تھی۔

احمت صاحب خاموش رہے۔ ظاہر تھا وہ اب ناراضگی میں کچھ نہیں بولیں گے۔

سعد ابھی ابھی اسٹیشن سے نکلا تھا۔ دروازہ پار کیا ہی تھا کہ کوئی بلکل اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

"میں کل یتیم خانے جاؤں گی۔ گفٹس تقسیم کرنے۔ کہو چلو گے؟"

سعد اس سے ٹکراتے ٹکراتے بمشکل رکا تھا۔

ہالہ کی یوں اچانک سے آمد پر سعد کے ماتھے پر بل گہرے ہوئے۔ اسے لگا وہ ایک دفعہ اگنور کر کرے ہالہ سے جان چھڑا چکا تھا۔

"کیوں؟ میں کیوں جاؤں تمہارے ساتھ؟"

"cuz its fun to do stuff with you"

ہالہ چہکی تھی۔

سعد کا چہرہ سپاٹ رہا۔ بھونیں ذرا کھینچی رہیں اور وہ خاموشی سے ہالہ کو دیکھے گیا۔ آنکھیں، آنکھوں پر گڑیں تھیں۔

ہالہ کی مسکراہٹ سمٹی۔ جوش مدھم پڑا۔ وہ سعد کا یہ رویہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

وہ یوشع کے بعد کسی مرد کو ایزائے دوست نہیں جانتی تھی۔ وہ اس روکھے سے لہجے سے بلکل نابلد تھی۔

"کیا بات ہے کوئی مسئلہ ہے؟ یہ تم ایک دم سے اتنے روڈ کیوں ہو رہے ہو۔ لاسٹ ٹائم بھی تم نے جان بوجھ کر مجھے اگنور کیا

تھا۔۔۔ رائٹ؟؟؟"

ہالہ کا لہجہ بھی سخت ہوا۔

"تو تمہیں لاسٹ ٹائم ہی سمجھ جانا چاہیے تھا۔ اور تم اتنی بچی تو نہیں ہو جو اگنور کرنے کا مطلب نا جانتی ہو۔"

ہالہ کو لگا وہ اسکی عزت نفس کو پیروں تلے روندھ رہا تھا۔

"واٹ دہ ہیل سعد؟"

وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ بات ختم نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔ اسے وجہ جاننی تھی۔

"لِیو می ان مائی ہیل۔"

وہ بس وہاں سے چلا جانا چاہتا تھا اور وہ واقعی سر جھٹکتا ہالہ کی دوسری طرف سے ہو کر نکل گیا۔

ہالہ مڑی اور گردن جھکائے تیز تیز سڑک پر جاتے سعد کی پشت دیکھے گئی۔

وہ پشت کسی نفرت کرنے والے شخص کی نہیں تھی۔ وہ خاموشی سے اپنا حصہ چھوڑ کو پیچھے ہٹ جانے والوں کی سی پشت تھی۔

ہالہ کی بے یقینی برقرار تھی۔

سعد بنا پیچھے دیکھے چلتا گیا تھا۔ گویا پیچھے دیکھا گیا تو وہ پتھر کا ہو جائے گا۔ اور پھر اس سڑک کے بلکل برابر بنے گیٹ کے سامنے آکر ہی

دم لیا۔ وہ سیاہ بڑا لوہے کا گیٹ لاکڈ تھا۔ سعد نے جیب سے چابی نکالی اور لاک میں لگا کر گیٹ کھولا اور پھر بنا ار گرد دیکھے دروازہ پار

کر گیا۔دروازہ پار کر کے موجودہ گھر سڑک سے قدرے نیچے تھاسو دروازہ پار کر کے گنتی کی پانچ سیڑھیاں پھلانگتا وہ صحن میں کھلتے کچن کی طرف بڑھ گیا۔

وہاں چھوٹے سے، سامان ضرورت سے بھرے کچن میں ایک طرف پڑی پرانے ماڈل کی فریج جسکا سفید رنگ بھی وقت کے ساتھ پیلا پڑھ چکا تھا۔وہ فریج کی طرف آیا اور وہاں سے پانی کی بوتل نکال کر وہیں کھڑے کھڑے پینے لگا۔

پچھلے ایک ہفتے میں اس نے اپنی پوری کوشش کی تھی کہ اسکا ہالہ کا سامنا نہ ہو اور اس دوران میں اس نے ہر ممکن بہترین الفاظ تیار کر رکھے تھے کہ اگر سامنا ہو گیا تو وہ یہ سب اسے کہے گا۔مگر آج سارے الفاظ کچرے میں اور وہ اپنی اوقات کے مطابق اسے جملے سنا کر آ چکا تھا۔

اس نے کچن کے دروازے سے باہر صحن میں پڑی چارپائیوں کی طرف دیکھا۔ایک پر اس کے دادا سو رہے تھے اور دوسری خالی تھی جو کہ یقیناً اسکی تھی۔اور دادا نے صحن میں پانی کے چھڑکاؤ کے بعد بچھا رکھی تھی۔

اس صحن میں اکلوتے کمرے کا دروازہ کھلتا تھا۔اور اس کے ساتھ ہی اکلوتا باتھ روم تھا۔قدرے بڑے صحن کے ساتھ وہ گھر چھوٹا سا تھا۔اور صرف دو مکینوں کے ساتھ وہ گھر کچھ خاص بھرا ہوا بھی نہیں تھا۔پر سعد کو اپنا آپ بہت نیچے دِکھ رہا تھا۔

سڑک سے پانچ سیڑھیاں اتر کر موجود وہ صحن اس کے لیے بہت بہت نیچے تھا۔

اس سڑک سے دس منزل اوپر چڑھ کر آنے والے اس عالیشان گھر سے بہت بہت نیچے۔

ایک ہفتہ قبل

وہ باتھ روم کے سامنے صحن میں لگے واش بیسن پر کھڑا برش کر رہا تھا۔ گلے میں تولیہ لٹکائے سامنے آئینے میں اپنا عکس جج کر رہا تھا

جب دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔

وہ وہیں کھڑا رہا کیونکہ دادا دروازہ دیکھنے کے لیے اٹھ چکے تھے۔

ہاتھ منہ دھو کر تولیے سے خشک کرتا وہ کچن کی طرف جا رہا تھا جب

"بیٹا یہ دیکھو کوئی تمہارا پوچھ رہا ہے۔ کافی سارے لوگ ہیں پتا نہیں کیا؟" دادا پریشان سے کہتے اندر آئے۔

سعد کی بھنویں سمٹیں۔

"میں دیکھتا ہوں دادا۔" کہتا تولیہ پاس پڑی چارپائی پر رکھ کر وہ دروازے کی طرف آیا۔ دروازے سے باہر نکلتا ٹھٹکا۔

سامنے یوشع کھڑا تھا۔ سوٹڈ بوٹڈ سا اور پیچھے پانچ گارڈز۔

سعد بنا کسی سلام دعا کے سوالیہ انداز میں اسے دیکھتا دروازہ اپنے پیچھے بند کرتا باہر آگیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"آج تمہارا آف ڈے ہے میں جانتا ہوں۔ تمہیں کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ چلنا ہو گا۔ زبردستی نہیں ہے بس ایک دوستانہ سی ریکویسٹ ہے۔"

"ابھی؟"

سعد کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔

"نہیں تم چینج کر لو۔ میں ویٹ کر رہا ہوں۔"

اشارہ سعد کے گھسے پیٹے ایڈیڈاس کے ٹراؤزر اور ٹی شرٹ پر تھا جو کہ یقیناً اس کا نائٹ سوٹ تھا۔

سعد کھانسا۔۔۔ پھر مڑنے لگا پر رکا۔

"ویٹ۔۔۔پر میں تمہارے ساتھ کیوں جاؤں؟"

لہجا ذرا جارحانہ سا تھا۔

یوشع کو دیکھتے ہی وہ عجیب چڑچڑا سا ہو رہا تھا۔

یوشع مسکرایا۔

"ارے گھبراؤ نہیں کل رات مجھے ہالہ کو لے کر جانا تھا اس لیے ہماری بات مکمل نہیں ہو پائی۔ آج میں ذرا تفصیل سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کا لہجہ متوازن اور پر سکون تھا۔ سعد خاموش ہو گیا۔

"اوکے میں چینج کر کے آتا ہوں۔"

وہ دونوں یوشع کے خاندانی مینشن کے سامنے موجود تھے۔

گاڑیاں داخلی دروازہ پار کر کے حویلی کی بجائے متوازی طرف موجود گالف ایریا کی طرف مڑ گئیں۔

"ہم باہر بھی بات کر سکتے تھے یہاں آنے کیا ضرورت تھی؟" سعد خفگی سے بولا۔

"معذرت سعد دراصل ہمارے ہاں گھر کے باہر دروازے پر مہمان کو کھڑا کر کے بات نہیں کی جاتی۔اسے اندر احترام سے اپنے درمیان بیٹھا کر گفتگو کی جاتی ہے۔"

سعد کو لگا اس کا سر،اس کے گھر کے سامنے سے گزرنے والے نالے میں ڈبو کر نکالا گیا ہو۔

"ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"شرمندگی میں بس وہ زیر لب بڑبڑایا۔

ان کی گاڑی گالف کے ٹریک کے قریب آکر رکی۔وہ دونوں گارڈز کی سربراہی میں گاڑی سے نکلے اور ان کے قریب آکر رکی گالف کارٹ میں بیٹھ گئے۔

گالف کارٹ اپنی مخصوص رفتار میں چلتی گالف ایریا میں ایک جگہ آکر رکی۔اور وہ دونوں کارٹ سے اترے۔

"تمہیں گالف پسند ہے"؟

یوشع کار کی پچھلی طرف پڑے سامان میں سے گالف اسٹیک نکالنے لگا۔

(کیا وہ کہے کہ وہ زندگی میں پہلی بار گالف کھیلنے آیا ہے؟)سعد سوچتا یوشع کی شکل دیکھے گیا۔

"نہیں۔"

"کوئی بات نہیں ہم یہاں کھیلنے آئے بھی نہیں ہیں۔یہ تو بس ایک کوراپ ہے تاکہ ہم پر زیادہ باریکی سے نظر نا رکھی جائے۔"

سعد دور فاصلے پر کھڑے گارڈز دیکھ چکا تھا۔سو یوشع کی آفر کردہ گالف اسٹیک تھام لی۔اور پھر اس کی سربراہی میں ڈھلان چڑھنے لگا۔

"لاسٹ نائٹ جب ہم گھر جا رہے تھے تو ہالہ اداس تھی۔"

سعد ذرا چونکہ،ہالہ یہاں کہاں سے آگئی۔

"مے بی وہ کل والے واقع پر اپ سیٹ ہو؟" سعد نے بلا سوچے کہہ دیا۔

حالانکہ سارے راستے وہ سوچتا آیا تھا کہ شاید یوشع کو کوئی پرسنل فیور مانگنا ہے۔

"علایا اور ہالہ نے یہ بات مجھ سے راز رکھی ہوئی ہے لیکن میں جانتا ہوں وہ اس تھانے میں کمپلین ڈیسک پر کام کرتی ہے۔" یوشع کہتا

پیچ پر گالف بال سیٹ کر رہا تھا۔

"اوہ آئی سی۔۔۔"

(تو ہالہ کا بھانڈا پھوٹ چکا تھا) سعد نے دل میں سوچا۔

"پر چونکہ علایا بھی وہاں پر ہوتی ہے تو مجھے تھوڑی تسلی ہے۔ میں اس بات پر آنکھیں بند ہی رکھوں گا۔" یوشع نے بات جاری رکھی۔

"لیکن اصل مسئلہ مختلف ہے۔ اس کا تعلق تم سے ہے سعد۔"

یوشع کے یوں کہنے پر سعد کے جسم میں ایک جھرجھری سے دوڑی۔

"جب رات ہم تھانے سے واپس جا رہے تھے تو وہ بار بار تمہارا ذکر کر رہی تھی غیر ارادی طور پر۔ وہ میرے سامنے تمہارا اچھا امیج رکھنا

چاہ رہی تھی۔ اور میں ہالہ کو بہت اچھے سے جانتا ہوں وہ میرے سامنے یوں کسی کے لیے اتنے محنت صرف ایک ہی وجہ سے کر سکتی

ہے۔"

گالف اسٹک پر دونوں ہاتھ ٹکائے وہ ذرا سا آگے کو جھکے یوشع نے سعد کو دیکھا۔

سعد ابھی بھی لاعلم تھا۔

"آیا وہ اس شخص سے حد درجہ نفرت کرتی ہے یا پھر وہ اس شخص کے لیے اپنے دل میں محبت نامی احساس رکھتی ہے۔ کیا وہ تم سے نفرت کرتی ہے؟"یوشع پوچھتا سیدھا ہوا۔

سعد کو لگا اس کے دونوں کان جل رہے ہیں۔ وہ لال تھے۔ یوشع بتا سکتا تھا۔

"میں نہیں جانتا یوشع تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔ میرے نزدیک وہ صرف ایک کولیگ ہے۔"

"پتا ہے ہم دونوں کو اس منگی سے اعتراض کیوں نہیں ہے۔ کیونکہ ہم دونوں ہی جانتے ہیں کہ ہمارے خاندان میں محبتیں نہیں ہوتیں۔ صرف بزنس اور شادیاں ہوتی ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کمفرٹیبل ہیں۔ دوستوں کی طرح ہم ایک اچھی ازدواجی زندگی گزار سکتے ہیں۔"

اب کے سعد کے ماتھے پر ذرا بل پڑے تھے۔ وہ بولا۔

"تمہیں لگتا ہے کہ میرے اور ہالہ کے درمیان کچھ ہے۔ اور اگر ہے بھی تو تم کون ہوتے ہو مجھے بتانے والے کہ مجھے کیا کرنا چاہے اور کیا نہیں؟"

"کیا تم ہالہ سے شادی کر سکتے ہو؟"یوشع نے بنا لگی لپٹی سیدھا تیر مارا تھا۔

سعد کا منہ بھینچا۔

یوشع ایک سیکنڈ میں سعد اور ہالہ کے درمیان زمین آسمان جیسے فرق کو بیان کر رہا تھا۔

سعد خاموش رہا۔

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ ہالہ کو کوئی اوٹ پٹانگ امید مت دینا۔ وہ جذباتی ہے وہ نہیں سمجھتی کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے۔ آخر میں دل اسی کا دکھے گا۔"

اوہ تو مطلب سعد کے پاس حیثیت کے ساتھ ساتھ، دل بھی نہیں ہے، جو دکھنے کی زحمت کرے گا۔

سعد نے آج تک اپنی زندگی میں اتنی بے عزتی محسوس نہیں کی تھی۔

یوشع نے گالف اسٹیک سعد کی جانب بڑھائی جو کہ سعد نے انجانے میں پکڑ لی۔

"پر اگر تم چاہو تو ہم اچھے دوست بن سکتے ہیں۔ اچھا ہے میری بھی پولیس میں کچھ ذاتی جان پہچان ہو جائے گی۔"

وہ طنز نہیں کر رہا تھا۔ وہ سعد کو بے عزت بھی نہیں کر رہا تھا۔ وہ بس ایک ذمہ دار انسان ہونے کے ناطے سعد کو سمجھا رہا تھا۔

سعد نے یوشع کا ہاتھ پکڑا اور گالف اسٹیک واپس اس کے ہاتھ میں تھمائی۔

"بہت شکریہ یوشع تمہاری اس بہترین نصیحت کا۔ اب میں چلتا ہوں۔" کہتا رکا نہیں تھا۔ تیز تیز قدم چلتا وہ سبز ڈھلان واپس اترنے لگا۔

رات ابھی اسلام آباد پر مکمل طرح سے اتری نہیں تھی۔

علایا اپنی جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بے مقصد وہاں اونچی نیچی سڑکوں پر پچھلے پندرہ منٹ سے چل رہی تھی۔

"ڈیڈ کے مطابق آرش کی ماں کو سزا ہو گئی تھی۔اور اسی بے عزتی اور تکلیف سے بچنے کے لیے التمش ارمغان اسلام آباد چھوڑ کر کہیں دور روپوش ہو گئے تھے۔ان کا کوئی بیٹا تھا۔ڈیڈ کو نہیں معلوم تھا۔لیکن آرش سے ملتے ہی وہ جان گئے تھے کہ آرش التمش کا ہی بیٹا ہے۔التمش ارمغان نے اپنے بیٹے کو دنیا والوں سے کیوں چھپا کر رکھا تھا ڈیڈ نہیں جانتے، کوئی بھی نہیں جانتا۔

ڈاکٹر ہمدانی بھی آرش کے ماں باپ کے قتل سے قبل کی حقیقت نہیں جانتے سوائے اس کے کہ آرش سائیکو پاتھی کے ڈائگناسس پراسس سے گزر چکا ہے۔لیکن کسی حتمی انجام سے پہلے ہی اس کے ماں باپ کے قتل نے معاملہ روک دیا۔"

علایا آرش سے متعلق معلوم ساری معلومات دہرا رہی تھی۔

بار بار بار۔۔۔۔۔۔

کچھ ایسا جو اچانک سامنے آ جائے۔جو علایا کو کوئی نیا راستہ دکھا سکے۔

"یہ معاملہ یوں یہاں ختم نہیں ہو سکتا۔یوں آرش کے غائب ہو جانے سے میرے سارے سوالات اور تجسس دب نہیں جائیں گے۔یوں وہ صیح معنوں میں بے قصور ثابت نہیں ہو سکتا۔کم از کم میری نظر میں تو نہیں۔"

اچانک علایا کے قدم رکے۔ہاتھ ویسے ہی جیبوں میں تھے۔اور آنکھیں سامنے خالی سڑک کو گھور رہی تھیں پر دماغ۔۔۔۔

"ویٹ؟"

علایا کے دماغ کا بلب ایک دم روشن ہوا تھا۔

رات اس نے کیسے گزاری نہیں معلوم لیکن صبح ہوتے ہی وہ اس ہسپتال میں موجود تھی۔

وہ ہسپتال جہاں خبروں کے مطابق پروفیسر التمش اوران کی بیوی کو لایا گیا تھا۔

"ہمارے ہاں پچھلے دس سال سے زیادہ کارکارڈ محفوظ نہیں ہوتا۔" ریسپشن گرل علایا کو مسلسل انکار کر رہی تھی۔

علایا نے فون پر التمسش ارمغان والے واقعہ کی خبر دیکھائی۔

"یہ کوئی چھوٹی خبر یا حادثہ نہیں ہے۔ آدھا ملک اس کے بارے میں جانتا ہے۔ کچھ نا کچھ تو ہو گا نا۔ اس وقت میں صرف وہ ایڈریس جاننا چاہ رہی ہوں جہاں ایمبولینس کو بلایا گیا تھا۔ کیونکہ خبروں میں یا ڈاکومینٹس میں اس پتے کو reveal نہیں کیا گیا۔"

"میم دیکھیں آپ سمجھ نہیں رہی ہیں کہ۔۔۔"

اس سے پہلے کہ ریسپشن گرل اپنی بات مکمل کرتی کوئی علایا کے برابر آن کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کے خیال میں جو انفارمیشن خبروں اور ڈاکومینٹس میں reveal نہیں کی گئی وہ اتنی آسانی سے آپ کو دے دی جائے گی۔ ہاں یہ بات درست ہے کہ ہمارے ہاں دس سال سے پرانا ریکارڈ نہیں ہوتا لیکن اگر ہوتا بھی تو آپ کا کوئی چانس نہیں تھا۔ مس علایا۔"

علایا اس بن بلائے شخص کی طرف مکمل مڑ چکی تھی۔

وائٹ کوٹ میں ملبوس گلے میں سٹھیتواسکوپ لٹکائے چالیس کا ہندسہ عبور کرتا وہ ڈاکٹر اب مسکرا رہا تھا۔

"اسلام وعلیکم ڈاکٹر عدنان، آپ کی شفٹ شروع ہونے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی ہے۔" ریسپشن گرل علایا سے ہٹ کر ڈاکٹر کی جانب متوجہ ہوئی۔

"بہت شکریہ میری معلومات میں اضافہ کرنے کا۔" علایا روکھے سے انداز میں بولی تھی۔

ڈاکٹر عدنان جواباً ویلکم کے طور پر سر کو ذرا جھٹکا دیا۔

علایامزید کوئی بات کیے بنا ریسپشن سے اپنا پولیس کارڈ اٹھا کر جینز کی جیب میں اڑستی باہر کی طرف چل دی۔

وہ ہسپتال کا بیرونی صحن عبور کرتی پارکنگ لاٹ کی طرف جا رہی تھی جب

"سنیئے مس علایا۔ میرے پاس ابھی آدھا گھنٹہ ہے۔" کوئی کہتا تقریباً دوڑتا اس کے قریب آیا تھا۔

"کیا ہم بات کر سکتے ہیں؟" علایا کے قریب پہنچ کر بولا۔

علایا رکی۔

"آئی تھنک آپ مجھے آلریڈی انکار کر چکے ہیں معلومات دینے سے۔" علایا ہاتھ باندھے بولی۔

"وہ سچ تھا۔ ہسپتال کے پاس واقعی وہ رکارڈ نہیں ہے۔"

"گریٹ پھر مجھے اپنا وقت ضائع کرنے کا بلکل شوق نہیں۔ اُف یہ گلہریاں۔" علایا کا انجانا چڑچڑا پن غیر ارادی طور پر ہر جگہ نکل رہا تھا۔

وہ واپس جانے کو مڑی۔

"لیکن میری یاداشت اس ہسپتال کے ریکارڈ سے بہت زیادہ اچھی ہے۔" ڈاکٹر عدنان علایا کی پشت پر چلائے۔

"مجھے آپ کی یاداشت میں کوئی دلچسپی کیوں ہو گی۔" علایا بغیر مڑے بولی۔ وہ دور جا رہی تھی۔

"لیکن مسٹر التمش ارمغان کے مرڈر کیس میں تو ہو گی؟" وہ تقریباً چلائے۔

علایا وہیں الٹے قدم واپس مڑی۔

"گریٹ ہم اگلے تین گھنٹے بھی بات کر سکتے ہیں۔ بتائیں ہمیں کہاں جانا ہے؟"

وہ علایا کو دیکھتے ہنسے تھے۔تالیاں بجائیں۔

"واؤو۔۔۔آئی کین سی داڈیڈیکیشن۔"

وہ دونوں ہسپتال کے کیفے ٹیریا میں موجود تھے۔کیفے ٹیریا جو کہ صرف ہسپتال کے اسٹاف کے لیے مختص تھا۔

علایا سامنے پڑی کوک میں اسٹرا گھمارہی تھی۔ایک سنجیدہ، منتظر نظر ڈاکٹر عدنان پر گڑی تھی۔ڈاکٹر عدنان بات کرنے سے پہلے اپنا لنچ مکمل کرنا چاہتے تھے۔

دس منٹ گزرے اور ڈاکٹر عدنان کی پلیٹ خالی تھی۔

" گریٹ اب ہمارے پاس بیس منٹ موجود ہیں۔تو ہم کیا بات کر رہے تھے۔"رومال سے منہ تھپکاتے ڈاکٹر عدنان گویا ہوئے۔ٹرے ایک طرف کھسکائی اور کوک میں اسٹرا لگایا۔

"آپ مجھے اس مرڈر کیس کے بارے میں بتانے والے تھے۔اپنی مہان یاداشت کی مدد سے۔"

"اوہ ہاں۔۔۔وہ مرڈر کیس۔۔۔"ڈاکٹر عدنان نے کوک کا سپ لیا پھر بات جاری رکھی۔

"بعض اوقات کچھ واقعات اتنے اہم نہیں ہوتے جتنے بنا دیئے جاتے ہیں۔آپ کے لیے وہ تاریخ کسی اور معنی میں مخصوص ہے۔میرے لیے اس تاریخ کی خاصیت مختلف ہے۔اور شاید میرے لیے وہ آپ سے زیادہ اہم ہے۔"

"کیا ہم بیس منٹ میں صرف پہلیاں بجھانے والے ہیں؟"علایا نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر عدنان ہنس دیئے۔

"بہت بے ذوق ہیں آپ۔ بلا تمہید باندھے بات کرنا بہت بورنگ ہے۔"

علایا جواباً خاموشی سے انہیں گھورتی ایک لمبا سپ لیے گئی۔ وہ دل میں ڈاکٹر عدنان کا خون چوس رہی تھی۔

"یقیناً دل ہی دل میں آپ میرا خون چوس رہی ہونگیں۔"

علایا کو اتھو چھڑا

ڈاکٹر عدنان پھر ہنسے تھے۔

"آپ بلکل اوپن بک ہیں مس علایا۔ پتا ہے ایسے لوگوں کو manipulate کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔" ہنستے ہوئے ایک اور سپ بھرا گیا پھر بات جاری ہوئی۔

"اس تاریخ کو میں نے اپنے والد کو کھویا تھا۔"

وہ ہنستے ہوئے کہہ گئے۔ اور علایا کے چہرے کے کھینچے اعصاب ایک دم ڈھیلے پڑے۔

"اوہ۔۔۔"

پہلے وہ بس اتنا کہہ سکی۔

"بلکہ آئی ایم سوری۔"

ایک دم بہت سا گلٹ آن گرا۔

"نو نو اٹس فائن۔۔۔۔ ضروری نہیں کہ ہر یاد کے ساتھ رویا اور اداسی منائی جائے۔"

علایا کے دل میں ڈاکٹر عدنان کے لیے عزت کا پیمانہ ایک دم اونچا ہوا تھا۔

"کیا آپ کے والد کی موت کا تعلق مسٹر التمش کے مرڈر سے ہے؟"

"پتا نہیں شاید وہ میرے باپ کی قسمت تھی یا پھر بدقسمتی۔ میرے والد ایبولینس کے ڈرائیور تھے جس میں مسٹر التمش کو لایا گیا تھا۔ مجھے وہ پتہ بھی من وعن یاد ہے۔ اس لیے نہیں کہ اس کا تعلق کسی مشہور پروفسر کے کیس سے ہے بلکہ اس لیے کہ میرے والد اس دن مجھے کہہ کر گئے تھے کہ وہ یہاں جا رہے ہیں اور جلد ہی واپسی پر وہ میرے لیے کچھ لے کر آئیں گے۔"

"میں آپ کو وہ پتا دے سکتا ہوں کیونکہ آپ ایک ڈیکٹیو ہیں۔ لیکن پتہ ہے کچھ مشہور واقعات کو مشہور کرنے کے پیچھے ایک مختلف وجہ ہوتی ہے۔"

"وہ واقع جو دنیا کو دیکھا یا جاتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک واقع ہوتا ہے جو دنیا سے چھپایا جاتا ہے۔"

"سب کو پتا ہے کہ اس ایمبولینس میں دو لاشیں لائی گئی تھیں اور بلکل حقیقت یہی ہے لیکن۔۔۔۔"

علایا کی آنکھیں پھیلی تھیں۔

اور پھر جو اس نے سنا تھا وہ اس کی ساری معلومات کو ایک سوال بنا کر اس کے سامنے کھڑا کر دینے کے لیے کافی تھا۔

ڈاکٹر عدنان اب پتا ایک پرچی پر لکھ کر علایا کی جانب بڑھا رہے تھے۔

علایا نے دماغ میں چلتی آندھیوں کے ساتھ وہ پرچی تھامی۔

سوالات کا ایک نیا انبار تھا۔

کار اسلام آباد کے ہائی وے پر دوڑ رہی تھی۔

علایا کو عجیب گلٹ تھا۔

یوں لگ رہا تھا گویا سینے پر بہت سا بھار آگیا ہو۔

"وہ کچھ دیر انتظار کر لیتا۔ جہاں اس نے اتنی محنت کی وہ مزید کچھ دیر انتظار کر لیتا۔ وہ بہت قریب تھا یہ جاننے کے لیے کہ اس رات کیا ہوا تھا۔"

علایا کل کی ڈاکٹر عدنان کے ساتھ ہوئی ملاقات کے بعد سے مسلسل سوچوں میں ڈوبی تھی۔

اتنا بڑا انکشاف تھا۔ آرش کو معلوم ہونا چاہیے تھا۔ آرش کا فون نمبر بھی مسلسل آف جا رہا تھا۔

علایا کا گلٹ بڑھتا جا رہا تھا۔

آرش اپنی طرف سے سب سے تعلقات ختم کر چکا تھا۔

وہ اپنی سوچوں میں ہی گڈمڈ تھی۔

اب کار ہائی وے سے اترتی اب ایک کچی چھوٹی سڑک پر داخل ہوئی۔

علایا نے رفتار ذرا کم کی۔

سامنے فون پر کھلا گوگل میپ اب اس کے مطلوبہ فاصلے کو بس پندرہ منٹ کا فاصلہ بتا رہا تھا۔

وہ سید پور کی حدود میں داخل ہو چکی تھی۔

ڈاکٹر عدنان کا بتایا گیا ایڈریس، سید پور کے اختتامی بارڈر پر تھا جہاں سے آگے جنگلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

گاؤں کے باہر سے گزرتی سڑک سے ہوتی وہ تقریباً آبادی پار کر چکی تھی۔

اور اب وہ ذرا اونچائی پر جا کر میدان پر اپنی گاڑی ڈالے ایک آدھ گھر کو دیکھنا متوقع کر رہی تھی۔

گوگل میپ تو آبادی کو ہی منزل بتا چکا تھا۔ پر ڈاکٹر عدنان کے مطابق مسٹر التمش کا گھر آبادی سے ہٹ کر تھا۔ عام عوام کی پہنچ سے ذرا آگے۔

اور پھر وہ چلتے چلتے چوٹی کے آغاز پر پہنچ چکی تھی۔ جہاں سے آگے گھنے جنگلات کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

علایا نے گاڑی کو بریک لگائی۔ فون اسٹینڈ سے نکال کر آف کر کے جیکٹ کی جیب میں رکھا۔

تھکاوٹ الگ لیکن گھر نا ملنے کی مایوسی اس کے چہرے سے صاف جھلک رہی تھی۔

اور کسی گزرتے لمحے میں اسے شک ہوا کہ کہیں وہ ڈاکٹر اس کے ساتھ پرینک تو نہیں کر رہے تھے۔

لیکن پھر اس خیال کو فوراً جھٹکا۔

دن اس کے سید پور میں داخل ہوتے ہی ڈھلنے لگا تھا۔ گاڑی سے نکل کر وہ جنگل کے آغاز پر کھڑی ہاتھ باندھے سوچنے لگی۔

کیا وہ ایک نظر ذرا اندر تک دیکھ آئے؟

جیکٹ تلے ذرا چھو کر یقین دہانی کی، پسٹل اپنی جگہ موجود تھی۔

ایک نظر اطراف میں ڈالی۔ وہاں دور دور تک کوئی ذی روح موجود نہ تھا۔

پہلے پہل تو واپس جانے کا سوچا لیکن پھر اندرونی ضدی علایا چلائی۔

"اب اتنی دور آ ہی گئی ہو تو دو قدم آگے بھی ہو لو۔ نا کچھ ملا تو قسم کھا لینا کہ آئندہ کسی چالیس کا ہندسہ عبور کرتے، عدنان نامی ڈاکٹر کی بات پر یقین نہیں کرو گی۔"

"ہاں یہ آئیڈیا اچھا ہے۔"

فون کی ٹارچ آن کی۔ ابھی دن نہیں ڈھلا تھا لیکن احتیاطاً۔

اور چڑھاتی چڑھتی وہ جنگل میں داخل ہوئی۔

پودوں کے قریب خنکی میدان کی نسبت کم تھی۔ آغاز پر فاصلے فاصلے پر موجود درخت اب گھنے ہوتے جا رہے تھے۔ وہاں بھی دور دور تک کسی گھر کا نام و نشان نہیں تھا۔

مایوسی اب کہ مکمل آن پڑی تھی۔

" گریٹ تو یہاں واقعی کچھ نہیں ہے۔" ایک جگہ رک کر علایا نے واپس مڑنے کا فیصلہ کیا۔

اور عین کہ وہ مڑ جاتی اس کی نگاہ دور ایک طرف، درخت کٹے ہوئے دیکھائی دیئے۔

علایا نے آنکھیں بھینچتے ہوئے دیکھنا چاہا۔ اسے کوئی ممکن پر اپرٹی تو نظر نہیں آئی پر غیر محسوس انداز میں وہ ادھر کو ہولی۔

چند قدم چلے اور اچانک سے اسے وہ سیاہ کوٹھری نظر آئی۔

علایا کی آنکھیں پھیلیں۔

تیز تیز قدم اٹھاتی وہ اس سیاہ کوٹھری کے قریب آئی۔

قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ کوٹھری نہیں بلکہ ایک جھونپڑی۔ ہٹ ہے۔ لکڑی اور سوکھی گھاس سے بنایا گیا ہٹ۔

("سب جانتے ہیں کہ اس ایمبولینس میں دو لاشیں لائی گئی تھیں۔ اور بلکل حقیقت یہی ہے لیکن۔۔۔ یہ بات نہیں بتائی جاتی کہ وہ دو لاشیں تھیں کس کی۔" ڈاکٹر عدنان بولے۔

"میں جانتی ہوں، وہ دوسرے لاش، مسز التمش کی تھی، حالانکہ عام عوام میں یہ بات ایک کنسپائریسی تھیوری ہے، لیکن ہمارے

پولیس ڈیٹا، میں اسکا ریکارڈ موجود ہے۔")

علایا اب کہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی اس جھونپڑی کے دروازے تک آئی جہاں دروازہ نہیں تھا بس اندر داخل ہونے کا کھلا راستہ تھا۔

ایک عجیب سرد سی سیاہی اس جھونپڑی کو گھیرے ہوئی تھی۔

(ویل، آپکا ریکارڈ تو میں نے نہیں سیکھ رکھا پر۔۔۔ ان میں سے ایک لاش مسٹر التمش کی تھی اور دوسری۔۔۔)

علایا کے احساس ایک دم جاگے۔ مغرب اب اپنے اختتام کو تھی۔

رات کی سیاہی کسی بھی وقت اس جنگل کو نگل لینے کو تھی۔

علایا نے کچھ محسوس کیا تھا۔

(اور دوسری لاش میرے والد محترم کی۔ اور وہاں کوئی تیسری لاش نہیں تھی۔)

علایا کی گردن پر بھورے بال کھڑے ہوئے، جیسے ایک کرنٹ سا پورے جسم میں گزرا ہو۔

علایا وہاں کسی کی موجودگی محسوس کر سکتی تھی۔

کوئی تیز دھاتی چیز اس کی گردن کی جگہ سے ٹکرائی۔

(مسٹر التمش کی بیوی کی لاش کبھی ہسپتال پہنچی ہی نہیں تھی۔)

علایا جہاں تھی۔ وہیں فریز ہو گئی۔

"علایا آج گھر نہیں آئے گی؟"

یوشع اوپن کچن کی سینٹرل سلیب کے پار کرسی پر بیٹھا سامنے پڑے انگور کھاتا پوچھ رہا تھا۔

ہالہ جو کہ آڑی ترچھی صوفے پر دراز اپنے ٹیب پر انگلیاں چلا رہی تھی جواباً صرف کندھے اچکائے۔

پھر سیدھی ہوتی بولی۔

"وہ احمت انکل کی طرف نکل گئی ہے شاید وہیں رکے گی۔" کہتی وہ صوفے سے اتری اور سلیپرز میں پاؤں اڑسنے لگی۔رخ کچن کی جانب تھا

"تم گھر کب واپس جاؤ گی؟" یوشع نے سوال اس کی جانب موڑا۔

"جب تم واپس چلے جاؤ گے اور ابو نیکسٹ الیکشنز میں بزی ہو جائیں گے، تب۔" کہتی وہ یوشع کی پلیٹ سے چند انگور اٹھاتی فریج کی جانب بڑھی۔

"ایک بات بتاؤ ہالہ۔۔۔۔۔۔ تمہیں مجھ سے شادی کرنے پر کوئی اعتراض ہے؟"

یہ ٹاپک کہاں سے نکل آیا تھا؟

ہالہ کے حرکت کرتے ہاتھ سست پڑے۔۔۔۔اس موضوع سے وہ ممکنہ بھاگتی تھی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے بس میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔میری تعلیم ابھی پوری نہیں ہوئی۔" نارمل سے انداز میں بات ختم کرتی وہ ہاتھ میں پکڑا ٹن لیے واپس لاؤنج میں آگئی۔

پر اب کے وہ ترچھی نگاہوں سے یوشع کو دیکھ رہی تھی کہ آیا اس کا کیا ردِ عمل ہو گا۔

پر وہ انگوروں کی پلیٹ پر نظریں ٹکائے ایک ایک انگور چننے میں مصروف تھا۔

پھر ایک دم چہرہ اٹھایا۔چہرے پر ایک تھکاوٹ سی تھی۔

ہالہ نے اپنی ترچھی نگاہیں فوراً سیدھی کیں اور ٹن کھولنے لگی۔

"پر میں اس دفعہ کسی لٹکے فیصلے کے ساتھ واپس نہیں جانا چاہتا۔"

ہالہ نے چہرہ اٹھایا۔وہ کہتا ہالہ کو ہی دیکھ رہا تھا۔

"ہماری منگنی ہوئی تو ہوئی ہے یوشع۔۔۔۔تم۔۔۔۔تم یہ ایک دم ایسے کیوں بات کر رہے ہو جیسے تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟"

ہالہ کے لہجے کی نرمی غائب ہوئی تھی۔وہاں سنجیدگی در آئی تھی۔

یوشع جواباً اسے دیکھے گیا۔خاموشی سے۔پھر کرسی دھکیلتا اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

ہالہ کے وجود میں ایک سرد لہر دوڑی تھی۔

اس نے غیر محسوس انداز میں صوفے پر پڑے کشن کو اپنی گرفت میں لیا۔اسے یوشع کی اس سرد سنجیدہ نگاہ سے خوف آیا تھا۔

یوشع پلیٹ سنک کے قریب رکھتا، کچن سے لاؤنج کی طرف آیا۔پر وہ ٹھٹھکا۔

اس نے ہالہ کی کشن پر گرفت دیکھی۔

ایک انجانے سوالیہ انداز سے ہالہ کو دیکھا۔

اور پھر جہاں کھڑا تھا وہیں رک گیا۔

"ہالہ میں تمہیں کبھی ان کمفرٹیبل کرنے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا۔"

لہجے میں تکلیف تھی۔وہ جہاں کھڑا تھا وہیں سے دو قدم واپس پیچھے کو گیا۔

"اور اگر تم میری وجہ سے ان کمفرٹیبل ہو تو تمہیں مجھے بتانا چاہیے۔"

نظر ہالہ کے کشن کو پکڑے ہاتھ پر تھی۔

ہالہ نے اچانک شرمندگی سے کشن چھوڑا۔

"نہیں یوشع تم غلط سمجھ رہے ہو۔میں ان کمفرٹیبل نہیں۔۔۔"

ہالہ کی بات ابھی بیچ میں ہی تھی اور اس نے یوشع کو دروازے کے قریب لگے ہینگر سے اپنا blazer اتارتے دیکھا۔

وہ جا رہا تھا۔

"میں تمہیں ان کمفرٹیبل کرنے کے بارے میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا ہالہ۔" اب کہ وہ بنا ہالہ کی جانب دیکھے اپنے واپس نرم لہجے میں بولا تھا۔

اور پھر ہالہ کا جواب سنے بغیر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

ہالہ دھپ واپس صوفے پر گری تھی۔

"شٹ، میں نے یوشع کو ناراض کر دیا۔"

(مسٹر التمش کی بیوی کی لاش کبھی ہسپتال پہنچی ہی نہیں تھی۔)

علایا جہاں تھی۔ وہیں فریز ہو گئی۔

اس کی زندگی کے پچاس فیصد سے زیادہ فیصلے غلط ہی ہوتے تھے۔ اور اس بات کا احساس علایا کو اس وقت شدت سے ہوا تھا۔

اور وہ ہر وہ ناممکنا چیز سوچ رہی تھی جو وہ عام حالات میں ممکن نہیں سمجھتی

وہ سخت پچھتا رہی تھی۔

"کیا تم ابھی تک کسی سسپکٹ کی چھان بین کر رہی ہو؟"

علایا آواز پر کسی بجلی کی رفتار سے مڑی تھی

سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر رہے حواس بھی جاتے رہے۔

"تم۔۔۔۔"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"تم تو واپس جا چکے تھے نا؟"

وہ آرش تھا۔

آرش نے وہ دھاتی چیز علایا کے کندھے سے اتاری۔ وہ پتے جمع کرنے والے آلے (rake) کا ہینڈل تھا۔ اور اب وہ اسے لیے جھونپڑی کی طرف بڑھ گیا۔

علایا کے سوالات تھمے۔

یقین ہوا کہ وہ ابھی زندہ ہے۔، پھر سکون کا سانس خارج ہوا۔

کچھ سوچتی آرش کے پیچھے جھونپڑی کی طرف آئی۔

وہ ایک لیمپ سے روشنی کرتا کچھ آلات اپنی جگہ رکھ رہا تھا۔ وہ باغبانی کے جیسے آلات تھے۔

"ہاں میں چھان بین کرنے کے لیے ہی یہاں آئی ہوں۔ پر مجھے نہیں پتا تھا کہ تم بھی یہاں ہو گے۔ تمہیں یہاں کا پتہ کس نے دیا؟"

آرش نے قابل بصارت روشنی میں ایک مصروف سی نگاہ علایا پر ڈالی۔

"یہ میرے باپ کی پراپرٹی ہے۔"

(اوہ ہاں۔۔۔ گریٹ۔۔۔ علایا کا دماغ ہمیشہ اتنا پیچھے کیوں رہتا تھا)

جواباً علایا نے صرف سوچتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

(اسے ایڈریس معلوم کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ اس کا اپنا گھر ہے۔)

بہت جلدی سمجھ آگیا۔ لیکن پھر فوراً دوسرا سوال آن وارد ہوا۔

"پر تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں ہوں؟"

"میں بمشکل پانچ فٹ کی گھنگریالے بالوں والی ایک ہی عورت کو جانتا ہوں،"

کہتا وہ علایا کے قریب آیا۔

"جو کہ مجھے ڈھونڈنے آسکتی ہے۔"

اور کہتا قریب سے گزر گیا۔

بمشکل پانچ فٹ ؟۔۔۔وہ بمشکل پانچ فٹ کی نہیں تھی۔۔۔۔"ڈھونڈنے ؟وہ اسے ڈھونڈنے نہیں آئی تھی۔علایا کا میٹر گھوم جاتا پر ایک دم جھونپڑی کی بتی بجھ گئی۔

علایا کا کچھ بولنے کے لیے کھلا منہ واپس بند ہوا۔

آرش روشنی بجھا کر اب واپس جا رہا تھا۔بنا علایا کا جواب سنے۔

علایا فوراً وہاں سے نکلتی باہر کو آئی۔

"میں یہاں تمہیں ڈھونڈنے نہیں آئی تھی،خوش فہمی نا رکھو۔"بڑبڑاتی وہ آرش کے برابر آچکی تھی۔اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔

"میرے لیے یہ خوش فہمی نہیں ہے،"وہ خوش فہمی پر زور دیتا بولا تھا۔

ایک دم دونوں کے درمیان خاموشی آن حائل ہوئی۔

"مجھے یہاں کوئی گھر نہیں ملا۔"

جنگل کی خاموشی میں قدرتی آوازوں کے علاوہ علایا کی آواز گونج رہی تھی۔

"آپ تو بڑی بڑی چیزیں نہیں ڈھونڈ پاتی انسپکٹر علایا گلزار۔۔۔مجھ بندہ ناچیز کا گھر آپکو کہاں دیکھائی دے گا۔"

وہی آپ،وہی طعنے۔

"تمہیں نہیں بتانا تو نا بتاؤ۔پر اپنے طعنے اپنے پاس ہی رکھو۔"

علایا نے اس کی پشت پر منہ بنایا تھا۔

کہتی اب وہ دھپ دھپ پیر مارتی آرش سے قدرے ہٹ کر چلتی جلدی جلدی جنگل سے باہر آئی۔

اس کی گاڑی وہیں موجود تھی۔سو وہ گاڑی کی طرف آئی۔آرش بھی درختوں سے نکلا تھا۔

اس کے قدم سست ہوئے۔وہ علایا کو گاڑی کے قریب جاتا دیکھ رہا تھا۔

علایا نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے فون آن کیا۔

"کرنے میں کیا آئی تھی اور اب اس کی وجہ سے مجھے واپس جانا پڑھ رہا ہے۔"

دانت پسیے تھے۔ پھر گاڑی اسٹارٹ کی۔ایک مخصوص آواز کے ساتھ انجن اسٹارٹ ہوا۔

اور پھر اگلے ہی پل۔۔۔

بند ہو گیا۔

علایا نے باہر دیکھا۔ وہ دور کھڑا اِدھر ہی دیکھ رہا تھا۔

ایٹ لیسٹ اسکے سامنے نہیں، پلیز۔

علایا نے جلدی سے پھر گاڑی اسٹارٹ کی۔

پر بے سود، وہ پھر بند ہو چکی تھی۔

وہ دور کھڑا ابھی تک اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

علایا نے اسٹیرنگ پر رکھے ہاتھوں پر اپنا سر گرا لیا۔

رات کی سرد سیاہی اپنی ہنسی بمشکل روکے ہوئی تھی

" گریٹ۔۔۔بس یہی ہونا باقی تھا۔"

وہ کچن میں تھا۔ شاید وہ ڈنر تیار کر رہا تھا۔

علایا اپنے ہاتھ دھو کر جو گاڑی چیک کرتے ہوئے کالے ہوئے تھے، باتھ روم سے نکلی۔ ساتھ ہی لگے اسٹینڈ پر لٹکے تولیے سے ہاتھ صاف کیے۔اور پھر خاموشی سے لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی۔

اگر وہاں کوئی چھوٹا موٹا سا کوئی اور گھر ہوتا بھلے کسی انجان شخص کا۔۔۔وہ آرش کی بجائے اس کے گھر جانا پسند کرتی۔

پر نہیں قسمت کو اس کے ساتھ مزاق کرنا ہمیشہ سے ہی پسند تھا۔

وہاں لاؤنج سے وہ کچن میں سلیب کے سامنے کھڑے کھٹاک کھٹاک کچھ کاٹتے آرش کی پشت دیکھ سکتی تھی۔

آرش کی کار سروس کے لیے گئی ہوئی تھی اور علایا کی کار اس وقت صحیح نہیں ہو سکتی تھی۔ سو اس کے پاس دو ہی راستے تھے۔

یا تو وہ جھونپڑی یا آرش کا گھر۔

آرش اب کچن میں رکھے ڈائنگ پر کھانا لگا رہا تھا۔

وہاں گھر میں ایک خشک سی خوشبو رچی بسی تھی۔ علایا کے لیے وہ خوشبو قدرے غیر مانوس تھی۔ خاموشی میں صرف کچن سے آتی آوازیں اور پھر علایا کے پیٹ نے دہائی دی۔

علایا نے پیٹ پر ہاتھ رکھتے ہوئے لب بھینچے تھے۔

آرش

"پتا نہیں وہ واقعتاً ضرورت سے زیادہ نڈر ہے یا محض بیوقوف" میں نے دوسری پلیٹ میز پر لگاتے ہوئے اسے دیکھا۔ واضح تھا اسے بھوک لگی تھی لیکن وہ نہیں کہے گی۔

"پر آج تک میں نے کسی کو اپنے ساتھ کھانے کی دعوت نہیں دی۔"

سامنے کچن میں اس کی ماں سلیب سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ سیاہ جوڑے میں، گہری لال لپ اسٹک لگائے۔

وہ ہنسیں۔

"بے حس لوگ دوسروں کی پرواہ نہیں کرتے۔ تم نے کیا سوچ کر اسے اندر بلا لیا۔"

"پتا نہیں۔"

"دیکھنا تم وہ غلطی نا کر بیٹھنا جو تمہارے باپ نے کی تھی۔"

ان کی نازک باریک انگلیاں، الفاظ کے ساتھ میرے کندھے پر رینگ رہی تھیں۔

"کوئی بات نہیں اسے بلاؤ۔ پر ہمیشہ کی طرح اسے یہ بتانا مت بھولنا کہ عقلمند صرف تم ہو۔۔۔ تم اور میں۔۔۔ باقی سب انسان محض کیڑے مکوڑے ہیں۔"

(get lost۔۔۔۔۔۔ نا مجھے آپ پر اعتماد کرنے کی ضرورت ہے اور نا آپ کو مجھ پر۔۔۔۔۔۔ سو دیکھئے گا یہاں کہیں میرے لاؤنج میں آپ کا تھوڑا بہت اعتماد پڑا نا رہ جائے۔ اُسے بھی اپنے ساتھ لے جایئے گا۔۔۔۔ بہت شکریہ۔)

ماضی میں اپنے منہ سے نکلے الفاظ مجھے آج بھی ازبر تھے

میں نے خالی سی نظروں سے اپنی ماں کو دیکھا۔

میں ماں بتا نہیں سکتا کہ لاسٹ ٹائم یہ بولنے پر میں پچھتایا تھا۔ماں یہ سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔میں نے گلٹ محسوس کیا تھا۔اور میں دوبارہ کچھ ایسا کہنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

"کیا تم کچھ بنا رہے ہو؟"

علایا کچن کے دروازے میں کھڑی تھی۔

وہ وہاں کب آئی۔

ہاں میں اس کی پلیٹیں لگا چکا ہوں۔

میں نے خود کو میز پر رکھی دوسری پلیٹ کی جانب اشارہ کرتے پایا۔

"پتا ہے اس لڑکی کی کوئی سیلف رسپیکٹ نہیں ہے۔دیکھو تو کیسے چلی آ رہی ہے۔"

امی نے علایا کو کرسی کھینچ کر بیٹھے دیکھ کر کہا تھا۔

علایا کچھ کہہ رہی تھی پر میں سن نہیں سکا۔

امی کا قہقہہ بہت بلند تھا۔پورے کچن میں اسی کا شور تھا۔

وہ ہمیشہ کی طرح اپنا سکوت لیے میز پر پاستا کی ڈش اور سوسز رکھ رہا تھا۔

علایا کرسی کھینچتی بیٹھ گئی تھی۔

"واؤ تم ایک اچھے کُک بھی ہو۔"

صرف الہام جانتی تھی کہ علایا کچھ بھی برداشت کرے گی لیکن بھوک نہیں۔اور ایک ویل کُکڈ میل ہی اسے تسلی دیتا ہے۔

آرش کی جانب سے کوئی جواب نہیں آیا۔اور پھر علایا نے اسے کرسی کھینچ کر بیٹھتے دیکھا۔

وہ اپنی پلیٹ میں کھانا نکال رہا تھا۔

"میں نے ڈیڈ کو کال کی ہے وہ اپنی گاڑی بجھوا رہے ہیں۔ پھر میں نکل لوں گی۔اس سے پہلے کہ تم مجھے دفعہ ہونے کا کہو۔۔۔اٹ ہرٹس آلٹل۔۔۔یونو۔۔۔" علایا کندھے اچکاتی طنزاً بولی تھی۔

آرش کا ہاتھ رکا تھا۔

علایا اپنی پلیٹ میں پاستا نکال رہی تھی۔

"سوری فار ڈیٹ۔" وہ بنا نظریں اٹھائے بولا۔وہ جانتا تھا علایا نے ایسا کیوں کہا۔

(امی کی ہنسی تھمی تھی۔وہ اب غصہ ہو رہی تھیں۔اب وہ چیخیں گی۔جیسے وہ ابو پر چیختی تھیں۔ان کی چیخ گھٹن پیدا کرے گی۔)

علایا کی ہنسی تھمی۔

وہ اتنے آرام سے کہہ گیا تھا۔جیسے وہ ہمیشہ سے کہتا آیا ہو۔

علایا کو لگا جیسے اس چند فٹ کی میز کے فاصلے میں ان دونوں کے درمیان موجود کئی دیواروں میں سے ایک دیوار گر گئی تھی۔

"تم نے ریزائن کیوں کیا؟" اسے لگا وہ پوچھ سکتی ہے۔

"آپ جان کر کیا کریں گی مس علایا۔" وہ طنز نہیں تھا پر۔۔۔

علایا نے ایک گہرہ سانس خارج کیا۔

ہر آپ سے شروع ہو کر مس علایا پر ختم ہونے والا جملہ علایا کو طنز ہی لگتا تھا۔

یہ آپ اور مس علایا۔۔۔۔ایک دم سے ان دونوں کو بہت فاصلے پر کھڑا کر دیتا تھا۔

گویا زمین پر موجود بیوقوف علایا گلزار

اور آسمان پر موجود عقلمند آرش ارمغان

پر اس کا تم۔۔۔

علایا کوئی جواب دیئے بنا خاموشی سے کانٹے میں پاستا رول کرتی منہ میں رکھنے لگی۔

پراس کا "تم" انہیں برابری میں کھڑا کردیتا تھا۔

اور نا جانے کیوں علایا کو وہ برابری ان کمفرٹیبل لگتی تھی۔ پر اسے وہ برابری پسند تھی۔

"کیونکہ وہاں میرے لیے مزید کچھ باقی نہیں تھا۔"

آرش نے اپنے سوال کا جواب خود ہی دیا تھا۔

ایک تو وہ پل پل میں بدلتا انسان۔

علایا کی حرکات ذرا سست ہوئیں۔

پھر چہرہ اٹھائے بنا بولی۔

"تم پاکستان یہی جاننے آئے تھے نا کہ تم نے اپنے ماں باپ کو قتل کیا ہے کہ نہیں؟" وہ بہت سنجیدگی سے پوچھ گئی تھی۔

آرش کا کانٹا پلیٹ میں ٹھہرا تھا۔

اس نے علایا کی جانب دیکھا۔

علایا نے بھی چہرہ اٹھایا۔

اس نے آرش کو نفی میں سر ہلاتے پایا تھا۔ "نہیں"

علایا کی بھنویں ذرا سکڑیں۔

"تو پھر تم یہاں کیوں آئے؟"

"جس لیے تم یہاں آئی ہو؟"

"میں یہ جاننے آیا تھا کہ اگر اس دن میری ماں کی لاش ہسپتال نہیں پہنچی تھی تو کہاں گئی۔ جبکہ میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے ماں باپ کے وجود کو اس ایمبولینس میں رکھے جاتے دیکھے تھے۔ میں جاننے آیا تھا، کہ کیا مر جانے والے، زندہ لوگوں کو لکھے بلاوے بھیج سکتے ہیں۔"

علایا سن سی اسے دیکھے گئی۔

کیا یہ حیران ہونے کا لمحہ تھا یا اس کے ماں باپ کے لیے معذرت کا۔

"تم بھی یہی جاننے آئی تھیں؟"

"اوراس ویڈیو میں موجود لال بالوں والی عورت کا کیا؟"

علایا نے ایک ایک لفظ چن چن کر بولا۔

اسے ایک دم وہاں سید پور سے باہر اس ویرانے میں موجود اکلوتے گھر میں اس شخص کے سامنے بیٹھے ہونے سے خوف آیا تھا۔

ایک بے اعتمادی کا لمحہ۔

وہ خاموش رہا۔ نظریں پلیٹ پر مرکوز تھیں۔

"تم نہیں جانتے؟" پھر آہستگی سے بولی۔

آرش نے جھکے چہرے کے ساتھ نظریں اٹھائیں۔

اب کہ علایا کے جسم میں ایک سنسنی دوڑی تھی۔

"الہام جانتی ہے۔"

--

--

--

علایا کے ماتھے پر بل نمودار ہوئے تھے۔ آرش نہیں جانتا تھا یہ کہہ کر اس نے ایک دم ماحول میں کتنی کرواہٹ گھولی تھی۔

آج علایا کی برتھ ڈے تھی۔ اور الہام یہاں نہیں تھی۔

پر اس وقت جو پاستا وہ کھا رہی تھی۔ الہام یہ پاستا بلخصوص اس کی برتھ ڈے پر بنایا کرتی تھی کیونکہ علایا کو یہ پسند تھا۔

پاستا دیکھتے ہی علایا کے گلے میں ایک گرہ پڑی تھی۔ پر وہ اگنور کر گئی۔

اور اب آرش نے یوں بلا تکلف الہام کا نام لے دیا تھا۔ میز کے اطراف میں ایک دم خاموشی چھائی۔

"پر الہام یہاں نہیں ہے۔" علایا نے ایک ایک لفظ چبا کر کہا۔ "سو تم مجھے بتاو وہ کون ہے۔"

لہجے میں بے اعتمادی سی تھی۔

آرش خاموش رہا، سو یہ جواب تھا۔

علایا نے ایک گہرہ سانس خارج کیا پھر بولی۔ "میں نے وہ وڈیو دیکھ رکھی ہے، اور میں کبھی بھی کورٹ میں جا کر اسکا ذکر کر سکتی ہوں، کیس وہیں سے ری اوپن ہو گا جہاں پر تم نے بہت نفاست سے اسے بند کیا ہے۔۔۔ سو اب مجھے بتاو وہ کون ہے؟"

صاف معلوم ہوتا تھا کہ دونوں پلیٹوں میں کانٹے ٹھہرے ہوئے تھے۔

"تم نے کبھی اعتبار کر کے بھی دیکھا ہے آرش؟" وہ اس وق نہایت ہی غیر ضروری دخل اندازی کر رہی تھی، اور وہ یہ جانتی بھی تھی، پر نا جانے اسے لگا یہ اسکا حق ہے۔ اتنا سچ جاننا اسکا حق ہے۔

آرش کے چہرے پر ایک ناگوار سا لمحہ آیا اور گزرا تھا۔

اچانک علایا کے فون پر میسج کی بیپ ہوئی، ڈیڈ کا مسج تھا۔

وہ فوراً فون کی جانب لپکی۔

اسکرین آن کی، "ڈرائیور نہیں آ رہا۔ اس کے خاندان میں ایمرجنسی فوتگی ہو گئی ہے۔ میں بھی گاڑی نہیں لاؤں گا۔ سو اب تم ایک کام کرو کہ جہاں ہو وہیں رہو۔ صبح آرش کے ساتھ آ جانا اسلام آباد۔"

کبھی کبھی علایا کو پکا یقین ہو جاتا تھا کہ وہ احمت صاحب کی سگی اولاد ہے ہی نہیں۔

وہ پہلے ہی دانتوں تلے اپنا نچلا ہونٹ دبائے اپنے ہونٹوں کی کپکپاہٹ روک رہی تھی اور اب تو غصے میں منہ بھینچا کہ اچانک ہونٹ میں دانت پیوست ہوا اور خون نکل آیا۔

ایک اور تکلیف۔۔۔۔۔

علایا نے چہرہ اٹھا کر اپنے ہاتھوں سے ہونٹ رگڑا۔ ہاتھوں کی کپکپاہٹ بھی واضح تھی۔

اور اس کی آنکھیں۔۔۔

اس کی لال ہوتی آنکھیں دیکھ کر آرش کا چہرہ سراپہ سوال بن گیا۔

علایا کے ہاتھ کی پشت پر خون تھا۔

علایا نے ایک نظر اپنے ہاتھ کی پشت اور دوسری نظر آرش پر ڈالی۔

آنکھ کے کنارے پر کچھ پھسلا۔

علایا کا اسٹریس آج پھر ہر ممکنہ طریقے سے باہر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کوئی بھی دیکھ کر بتا سکتا تھا کہ آرش اس عین وقت میں بلکل نہیں جانتا کہ اسے کیا ردِ عمل ظاہر کرنا چاہیے۔

اس سے پہلے کے وہاں دریا جاری ہوتا اور علایا کی قسمت میں ایک بڑی شرمندگی لکھی جاتی۔ علایا کرسی دھکیلتی کھڑی ہوئی۔

فون اٹھایا۔ کچن سے نکل گئی۔

آرش نے کچھ کہنے کو منہ کھولا ہی تھا کہ اس نے علایا کو بنا رکے لاؤنج پار کر کے باہر جاتے دیکھا۔ گھر سے باہر۔

آرش کے ماتھے کے بل لوٹے تھے۔

ایک گھنٹہ قبل:

پاستا بوئل کرنے کا پانی چڑھاتے ہوئے آرش کا فون بجا تھا۔

وہاں اسکرین پر احمت صاحب کا میسج جگمگا رہا تھا۔

"ڈرائیور نہیں آسکتا علایا کے لیے۔ وہ خود نہیں کہے گی۔ لیکن اگر ہو سکے تو اسے ڈراپ کر دینا۔ میں نے اسے ابھی نہیں بتایا اور ہاں آج اس کا برتھ ڈے ہے۔ وہ اپنی برتھ ڈے پر کریم چیز پاستا کھانا پسند کرتی ہے۔"

آرش بھنویں سکڑیں۔

وہ یہ سب اسے کیوں بتا رہے تھے۔ پھر بنا جواب دیئے فون سلیب پر اوندھا رکھ دیا۔

As if I care

چند لمحے سرکے، اور۔۔۔

چند منٹ پہلے اوندھا پڑا فون اب اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ پاستا کی ریسپی سرچ کر رہا تھا۔

علایا سیدھی اپنی گاڑی میں آکر بیٹھی تھی۔ دروازہ دھاڑ سے بند کیا تھا۔ فون نکال کو پچھلی سیٹ پر پھینکا۔ گویا احمت صاحب کو ہی اٹھا کر پھینکا ہو۔

جلدی میں، الجھے دماغ کے ساتھ اس نے غور ہی نا کیا، وہاں احمت صاحب کے علاوہ بھی، کچھ میسیجز تھے، لگاتار میسجز منہ میں خون کا ذائقہ پھیل گیا تھا پر وہ غصے میں ابھی تک نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبائے ہوئے تھی۔

سامنے جنگل کی تاریکی گھورتی گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

الہام کی غیر موجودگی میں علایا صرف ایک mess ہے، بمطابق علایا۔

سانس متوازن ہوا تو پھر اپنے گال رگڑے۔ سر سیٹ کی پشت پر ٹکا دیا۔

"الہام" اس کے دل میں اتنا بڑا زخم ہے وہ نہیں جانتی تھی۔

بھینچتی آنکھوں کے کنارے سے بہتی لڑی اس کے جبڑے تک پہنچی پھر کچھ سوچتی اس کے کندھے پر گرنے لگیں۔

"الہام جانتی ہے۔"

("آپ کو یہ آئیڈیاز کون دیتا ہے؟"، "الہام")

بازگشت تھی۔

کیوں؟

الہام کیوں جانتی ہے؟

ہر وہ خالی دائرہ جہاں علایا سمجھ نہیں پاتی تھی کہ کون کھڑا ہو سکتا ہے؟

وہاں الہام کیوں آکھڑی ہوتی تھی۔

وہ ساری دنیا پر شک کر سکتی ہے۔

وہ الہام پر شک نہیں کر پا رہی۔

ایسا کیا ہے جو سب کو الہام میں دکھتا ہے۔

ایسا کیا ہے جو مجھے دیکھائی نہیں دیتا۔

وہاں کوئی نہیں تھا۔

وہ کھل کر رو سکتی تھی۔

وہ کھل کر رو رہی تھی۔

علایا رونے میں کبھی کنجوسی نہیں کرتی۔

(یہ کیا ہوا؟)

آرش ابھی تک لاؤنج میں کھڑا، کھلا دروازہ دیکھتا سوچ رہا تھا۔

(پاستا اتنا برا تو نہیں تھا۔)

دوسرا خیال جو اس کے دماغ میں آیا۔

علایا کی آنکھوں کی پچھلی طرف درد کی ٹیس اٹھی جب اس نے اپنا بھاری ہوتا سر سیدھا کرنا چاہا۔

دکھتی آنکھیں بمشکل کھولتی وہ ٹشو تلاش کرنے لگی۔

اب وہ اپنی ناک مزید آستین سے نہیں رگڑ سکتی تھی۔ اب اسے ٹشو چاہیے تھا۔

اور تبھی عین اس کے چہرے کے سامنے ٹشو لہرایا گیا۔

علایا کی آنکھیں پھیلیں۔

فوراً ہاتھ کی سمت میں پیسنجر سیٹ کی جانب دیکھا۔

وہ سیٹ پر بیٹھا خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ٹشو والا ہاتھ ابھی تک ہوا میں کھڑا تھا۔

"میں نے صرف چیک کرنا چاہا۔۔۔ پر مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم واقعی اس جنگل کے سامنے بنا گاڑی کا دروازہ لاک کیے بیٹھی رو رہی ہو۔۔۔ تم بہت۔۔۔۔۔۔ نڈر۔۔۔۔ ہو علایا۔۔۔"

وہ بیو قوف کہنا چاہتا تھا پر پھر۔۔۔نڈر پر ہی اکتفا کیا۔

وہ اندر کب آیا؟ اتنی خاموشی سے؟ کیا وہ اپنا دماغی سنتلن کھو رہی ہے یا اسکے کان کام کرنا چھوڑ گئے ہیں؟

علایا نے ابھی تک آنکھیں نہیں جھپکی تھیں۔

علایا کی نظر ذرا نرم پڑی۔

وہ آہستگی سے اس کا آنسوؤں سے تر ہاتھ پکڑے ٹشو سے صاف کر رہا تھا۔

علایا کے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"سڑڑڑ۔۔۔" اپنی بہتی ناک کو قابو کرنے کی کوشش کی۔

نظریں آرش کے ہاتھ کی پشت پر تھی۔

"نہیں میں اس میں تمہاری مدد نہیں کروں گا علایا۔" وہ دوسرے ہاتھ سے ٹشو علایا کی ناک کے سامنے لہراتا بولا تھا۔

(سیریئسلی بے حس، بدتمیز انسان)

علایا نے آرش کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ کھینچا، ٹشو جھپٹا اور چہرہ صاف کرنے لگی۔

بلکل سیدھ میں رخ پھیرا اور ماتھے کے بلوں کے ساتھ سامنے جنگل کی تاریکی میں گھورنے لگی۔

سامنے موجود جنگل کی تاریکی دیکھ کر ایک دفعہ تو اس کے وجود میں ایک جھر جھری دوڑی۔

اس نے آرش کو اپنی سیٹ کے پاس نیچے ہاتھ مارتے دیکھا اور پھر آرش کی سیٹ پیچھے کو گرنے لگی۔ حتی کی وہ رکی اور آرش ایک آرام دہ پوسچر میں آنکھیں موندھے سر سیٹ کی پشت سے لگائے دراز ہو گیا۔

علایا نے اسے کچھ سنانے کو منہ کھولا ہی تھا کہ

"ڈاکٹر ہمدانی کے مطابق میں بائیولوجیکلی ایموشن لیس ہوں۔schizoid Personality Disorder"

وہ کہہ رہا تھا۔

علایا نے اس کے چہرے کے تنے پٹھے ڈھیلے پڑتے دیکھے۔

"اور پتا ہے کہ ایموشن لیس ہونے کا ایک بڑا ڈِس ایڈوانٹیج کیا ہے؟"

وہ موندھی آنکھوں سے ہی بول رہا تھا۔ گاڑی میں چلتی پیلی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔

علایا نے وہاں تھکان کو پیر پسارتے دیکھا۔

"کہ دوسرے کے احساسات سمجھنا مجھے تھکا دیتا ہے۔ دوسروں کے جذبات کو سمجھنا میرے لیے بہت overwhelming ہے۔"

علایا یک ٹک اسے دیکھے گئی۔

وہ علایا کے احساسات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا؟

وہ۔۔۔۔آرش ارمغان۔۔۔۔۔وہ علایا کے احساسات سمجھنے کی کوشش میں تھک رہا تھا؟

"اگر یہ اتنا ہی مشکل ہے تو تم کیوں کوشش کر رہے ہو میرے احساسات سمجھنے کی؟"

پتا نہیں کیوں پر وہ کہہ گئی۔

آرش نے آنکھیں کھولیں۔ چہرہ آہستگی سے علایا کی جانب موڑا۔

"کیونکہ میں سمجھنا چاہتا ہوں۔" لہجہ متوازن تھا، علایا کا منہ جہاں کھلا تھا وہیں کھلا رہ گیا۔

"میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ اتنے آنسو کیوں ہیں تمہارا اندر۔ ناک پر ہر وقت کا دھرا غصہ۔ اور یہ کہ اتنی بیوقوف کیوں ہو تم؟"

وہ سنجیدگی سے بول رہا تھا۔ اسکے الفاظ کا چناو،۔۔۔وہ کبھی نہیں بدل سکتا تھا۔

یہ کیا ہوا تھا؟

اس ایک کمزور لمحے میں

علایا نے کچھ محسوس کیا تھا، وہ یہ پہلے بھی محسوس کر چکی ہے، وہ کیبن والی رات، وہ حقیقت بدلنے والی رات، وہ خواب۔۔

آرش ابھی تک سنجیدگی سے علایا کو ہی دیکھ رہا تھا۔

دونوں نظریں۔

اس ایک کمزور لمحے میں وہ دونوں غیر ارادی طور پر سختی سے جکڑے گئے تھے۔

آرش

کوئی مجھے سمجھ نہیں سکا اور نا ہی کبھی کوئی میرا دماغ پڑھ سکا۔ اور یہ خاصیت ہمیشہ سے میری طاقت رہی تھی۔

لیکن۔۔۔۔

لیکن ناجانے کیوں آج زندگی میں دوسری دفعہ مجھے اتنی شدت سے خواہش ہوئی تھی کہ وہ مجھے سمجھ سکے۔ وہ ابھی تک مجھے لاجواب سا دیکھ رہی ہے۔ یقیناً وہ نہیں سمجھی کہ ایموشن لیس ہونا کیسا ہوتا ہے۔ یقیناً وہ ہمیشہ کی طرح مجھ پر بے حسی کا ٹیگ لگائے اندر ہی اندر مجھ سے نفرت کر رہی ہو گی۔

"اگر یہ اتنا ہی مشکل ہے تو تم کیوں کوشش کر رہے ہو میرے احساسات سمجھنے کی؟"

میں نے آنکھیں کھولتے ہوئے علایا کی جانب دیکھا تھا۔

"کیونکہ میں سمجھنا چاہتا ہوں۔"

میں نے خود کو کہتے پایا۔ وہ ایک کمزور لمحہ تھا۔ کم از کم میرے لیے تو کمزور لمحہ

۔۔۔ اور میں نے وہ کہہ دیا جو میں بہت دفعہ کہنا چاہتا تھا۔

تب جب وہ میرے گھر کے سامنے رو رہی تھی۔

تب جب وہ ابراہیم کے زخمی ہونے والے دن اداس تھی۔

تب جب وہ اپنے کیبن میں خوف زدہ بیٹھی تھی۔

پر میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ نہیں سمجھے گی، میرے باپ کی طرح

اور میں کبھی اس پر اعتبار نہیں کر پاؤں گا، میری ماں کی طرح

رات سید پور سمیت ایبٹ آباد تک چھا چکی تھی۔ رات جو کہ عموماً دن بھر مصروف رہنے والے لوگوں کا می ٹائم ہوتا ہے۔

سعد کمرے میں اسٹڈی ٹیبل پر بیٹھا سامنے پڑے پی سی کے کی بورڈ کے سارے بٹن نکالے بیٹھا تھا۔ وہ اپنے گیمنگ پی سی کے کی بورڈ کی lubbing کرنے میں مصروف تھا۔ قریب ہی میز پر باریک باریک آلات موجود تھے اور ساتھ کی بورڈ کے سویچز بکھرے پڑے تھے۔

وہ مگن سا تھا جب دادا نے اسے صحن سے آواز لگائی۔

"سعد بیٹا یہ دیکھو تمہارے فون پر کال آرہی ہے۔"

سعد کا فون باہر ہی پڑا تھا۔ پر پھر وہ ملنے کا مارا وہیں سے بولا۔

"کس کی کال ہے دادا۔۔۔" عموماً اس وقت اسے کال نہیں آتی تھی۔

"پتا نہیں مجھے تو فون میں اپنی شکل نظر آرہی ہے۔"

دادا بولے تو سعد نے ہنسی دبائی تھی۔

"دادا وہ ویڈیو کال ہے۔ ابا کی ہو گی آپ اٹھا لیں۔"

سعد کو صرف اس کے ماں باپ کی ہی ویڈیو کال آتی تھی۔ سو وہ لاپرواہی سے بولا۔

اس کے اس جواب کے بعد دادا کی جانب سے مزید کوئی سوال تو نا آیا

لیکن پھر کچھ دیر بعد دادا خود ہی اندر چلے آئے۔

"یہ کوئی بول تو رہا نہیں ہے سعد اس میں۔ بس کمرے کی چھت پر چلتا پنکھا ہی گھومے جا رہا ہے ویڈیو میں۔"

سعد نے گلاسز اتارتے ہوئے دادا کے ہاتھ سے فون پکڑا۔

دادا ٹھیک کہہ رہے تھے وہاں اسکرین پر کوئی موجود نہیں تھا۔

سعد نے نمبر دیکھا۔

ویٹ۔۔۔ سعد ٹھٹھکا۔

وہ نمبر ابا کا تو نہیں تھا۔

وہ کوئی unknown نمبر تھا۔

اور پھر اگلے ہی پل سعد کو وہ آوازیں سنائی دیں۔ کوئی چلا رہا تھا اور پھر کوئی فون پر سے گزرا۔

یوں جیسے فون فرش پر پڑا ہوا ور اس پر کال آن ہو۔

"دادا میں دیکھتا ہوں۔ آپ جائیں آپ کے سونے کا وقت ہو گیا ہے۔ ابا کی کال آئے گی تو میں آپ کو بتا دوں گا۔"

دادا اثبات میں سر ہلاتے واپس صحن کی طرف چل دیئے۔

اسکا می ٹائم خراب ہو چکا تھا۔

سعد کا سارا ارتکاز lubbing سے ہٹ کر اس کال میں جا گھسا تھا۔

اور پھر اگلے ہی پل سعد کی آنکھیں پھیلیں۔

رات کی سیاہی تلے کھلنے والے سچ ایسے ہی چونکا دیتے ہیں، ان سے واپسی ممکن نہیں ہوتی۔

ہالہ دھپ صوفے پر واپس گری تھی۔

"شٹ میں نے یوشع کو ناراض کر دیا۔"

کچھ دیر گزری تھی۔۔ یوشع جا چکا ہو گا، لیکن وہ اس سے معافی مانگنے کے لیے کل تک کا انتظار نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے فوراً فون نکالا اور یوشع کو فون کرنے لگی۔

رنگ جا رہی تھی اور پھر اچانک

ہالہ کے جسم میں ایک جھرجھری دوڑی۔

یوشع کی رنگ ٹون کی آواز گھر کے داخلی دروازے سے ہی آ رہی تھی۔ وہ بھی اندر کی جانب سے۔

وہ گیا ہی نہیں تھا۔

دروازہ کھلنے کی آواز تو آئی ہی نہیں تھی۔ ہالہ کے دماغ نے کلک کیا تھا۔

اسکے دماغ نے بہت دیر سے کلک کیا

مطلب یوشع گیا ہی نہیں تھا۔

ہالہ فون کان سے لگائے لگائے ہی لاؤنج کے آخر پر موجود راہداری کی طرف آئی جو کہ داخلی دروازے پر ختم ہوتی تھی۔

یوشع وہیں کھڑا تھا۔ فون ہاتھ میں لیے۔ چہرہ سیدھ میں ہالہ کے چہرے پر تھا۔

یوشع کے تاثر سنجیدہ تھے۔

پہلے پہل تو ہالہ کو عجیب لگا، لیکن پھر خود کو کمپوز کرتی بولی

"سوری یوشع تم نے غلط سمجھا۔ میں بلکل بھی ان کمفرٹیبل نہیں ہوں۔" ہالہ نے فون نیچے کیا۔

چہرے پر مسکینیت تھی۔

جواباً یقیناً یوشع مسکراتا اور کہتا کہ "اٹس اوکے میں سمجھتا ہوں"

پر۔۔۔۔۔

پر وہ اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ ہالہ کی جانب بڑھا۔

"بلکل ہالہ تم میری موجودگی میں کبھی ان کمفرٹیبل نہیں ہو سکتی۔" لہجہ ایسا تھا کہ جیسے وہ خود کو بھی یقین دلا رہا ہو۔

ہالہ کے ہونٹ مسکرانے کو اٹھے تھے۔

لیکن پھر اگلے ہی لمحے واپس سمٹے۔

"تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو یوشع؟" کہتی وہ دو قدم پیچھے گئی۔

یوشع کی نظریں ہالہ کی آنکھوں میں گڑی تھیں۔

ماتھے پر اب بل نمودار ہو رہے تھے۔

"اس دفعہ میں کسی حتمی فیصلہ کی بنا نہیں جاؤں گا۔" وہ مسلسل ہالہ کی جانب بڑھ رہا تھا اور ہالہ لاؤنج کی جانب الٹے قدم چلتی جا رہی تھی۔

اسے یوشع سے خوف آرہا تھا۔

یوشع ایسے بی ہیو نہیں کرتا۔، وہ بہت ٹھنڈے مزاج کا ہے تو پھر آج وہ اسے عجیب عجیب سی باتیں کیوں کر رہا ہے۔

اور اوپر سے اسکے تاثرات۔۔۔ وہ ایک دم ایک نرم مزاج یوشع سے بدل کر ایک سو شیو پیتھ لگنے لگا تھا۔

ہالہ کا ایک دم فائیٹ آر فلائٹ موڈ جاگا تھا۔

اس کے دماغ میں ایک دم بہت سے نام ایک ریل فلم کی طرح دوڑنے لگے۔

"فنرا۔۔۔ ردا۔۔ ابو۔۔۔ علایا۔۔۔"

ساتھ ساتھ ہر نام مسترد ہوتا جا رہا تھا۔

اور پھر۔۔۔

"علایا۔۔" اس نام پر فلم تھمی۔

ہالہ نے فوراً فون آن کیا اور علایا کا نمبر ملانے لگی۔

یوشع اس کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اتنا قریب کہ اس نے ہالہ کے ہاتھ سے فون اُچکا اور صوفوں کے قریب پھینک دیا۔

اور اس کے اچکنے میں ہالہ کی انگلی لگی اور ویڈیو کال آن ہو گئی۔ پر انگلی علایا کے نمبر پر لگی یا پھر اسکے بلکل ساتھ موجود سعد کے نمبر پر وہ نہیں دیکھ پائی۔۔۔

"ہماری شادی ہو گی۔ اور یہ بات ہمیشہ سی طے تھی۔ یہ ایک دم سے تم مجھ سے بھاگنے کیوں لگی ہو۔ یہ سب اس سعد کی وجہ سے ہے نا۔ اوقات ہی کیا ہے اسکی۔ کیا سوچ کر تم نے اس کی جانب دیکھا بھی۔"

یوشع کا لہجہ سخت تھا۔ کاٹ دار۔

"یوشع پلیز اسٹاپ ہیئر۔۔۔ ہم کل بات کریں گے۔ ابھی تمہیں جانے کی ضرورت ہے۔" ہالہ کانپتی ٹانگوں کے ساتھ حتی المقدور خود کو نارمل رکھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"ہم کسی قسم کی بات نہیں کرنے والے۔"

یوشع نے ہالہ کا بھاگنے کا ارادہ بھانپ کر اس کے بال گردن کے قریب سے پکڑے۔

ہالہ چیخی۔اس نے آج سے پہلے یوشع کا یہ رویہ نہیں دیکھا تھا۔

"انکل بہت عرصہ پہلے سے تمہیں میری ذمہ داری بنا چکے ہیں۔ میں ہر چیز پر کمپرومائیز کر سکتا ہوں پر تم کسی سے محبت کرنے کا سوچو اس بارے میں بلکل نہیں۔ تمہیں صرف میں خوش رکھ سکتا ہوں۔ تم صرف مجھے ڈیزرو کرتی ہو۔"

ہالہ کی آنکھیں دھندلا رہی تھیں۔ وہ یوشع کا چہرہ نہیں دیکھ پا رہی تھی۔

دونوں ہاتھوں سے زور لگاتی وہ اپنے بال چھڑوا رہی تھی۔

بے یقینی۔۔۔۔تکلیف۔۔۔

بلیک بیلٹ ہالہ اس وقت بے یقینی کے ہاتھوں کمزور پڑھ رہی تھی۔

تھوڑی بہت ہمت جمع کی اور پوری قوت سے اپنا گھٹنہ یوشع کے پہلو میں دے مارا۔

پسلیوں میں لگے وار پر یوشع اپنا توازن برقرار نا رکھتا دو قدم پیچھے کو لڑھکا۔

اور ہالہ نے موقع غنیمت جانتے ہوئے وہاں سے دوڑ لگا دی۔

دروازے پر آکر دروازہ دھکیلا اور ننگے پاؤں پاؤں ہی باہر کی جانب لپکی۔

وہ اس سے بہتر کر سکتی تھی۔ وہ یوشع کو جواباً بہت اچھے سے پیٹ سکتی تھی۔ باتوں سے بھی اور لاتوں سے بھی ۔۔۔پر وہ یوشع تھا۔

اور یوشع کی جانب سے ایسی حرکت ہالہ کے لیے ناممکنات میں سے تھی۔

بے یقینی اور بے بسی نے اس کی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کو دبا دیا تھا۔

اور پھر وہ گھر کی حدود چھوڑتی سڑک کی طرف بھاگتی بری طرح رپٹ کر گری۔

یوشع دروازے تک پہنچا۔ آنکھیں سکیڑیں۔۔۔،اٹھنے کی کوشش کرتا ہالہ کو دیکھا۔ پھر قدم قدم چلتا سڑک کی طرف آیا۔

"سی۔۔۔اگر میں تمہاری جانب نہیں ہوں گا تو دنیا بہت تنگ ہو جائے گی۔ میری امان سے نکل کر کہاں جانے کا سوچ رہی تھی تم؟"

ہالہ کا پاؤں بری طرح مڑا تھا۔وہ گرتی پڑتی سڑک پر بڑھنے لگی۔

کنکریٹ سے ٹکرانے پر اس کا دماغ شل ہو رہا تھا اور نچلے پھٹے ہونٹ سے بہتا خون اس کی تھوڑی پر آ جما۔

"میری غلطی ہے جو میں نے تمہیں ہمیشہ صرف اپنی محبت دیکھائی پر تم نے مجھے مجبور کیا اس سخت وارنگ کے لیے۔"

وہ کہتا دونوں ہاتھ پینٹ کی جیب میں ڈالے چلتا ہالہ کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا۔

ہالہ کا رخ اسٹیشن کی جانب تھا۔

اچانک وہاں بہت سے گارڈز نمودار ہوئے۔

ہالہ کے چاروں اطراف میں۔

"بس کرو ہالہ خود کو زیادہ تکلیف مت دو۔گارڈز تمہیں آرام سے ہسپتال لے جائیں گے۔"گارڈز اب ہالہ کو دونوں بازؤں سے پکڑ چکے تھے۔

ان بھاری بھر کم وجود کے حامل گارڈز کے سامنے ہالہ کا ہاتھ پیر مارنا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

اب وہ اسے گھسیٹے گاڑی کی طرف جا رہے تھے۔

"یوشع۔۔۔"

وہ چہرہ موڑ کر چلائی۔

"میں مر جاؤں گی لیکن اب تم سے شادی نہیں کروں گی۔ سمجھے تم۔"آنکھوں میں نمی تھی،دھوکے کی تکلیف

یوشع سنجیدگی سے اسے جاتا دیکھ رہا تھا۔

"مجھے یہ سب کچھ کر کے بلکل اچھا نہیں لگا ہالہ۔پر تم بھی اب بچی تو نہیں ہو۔تمہیں خیال ہونا چاہیے تھا ان باتوں کا۔"

چہرے پر معصومیت اور مصنوعی تکلیف سجائے وہ بولا تھا۔

رات اتنی لمبی کیوں ہو گئی تھی۔اسکی سیاہی چھٹ کیوں نہیں رہی تھی۔کیونکہ اس سیاہی تلے سب غلط ہوئے جا رہا تھا۔

وہاں ایک سیاہ دھندلاہٹ تھی۔

چھٹتی دھندلاہٹ ایک تیز روشنی میں بدلنے لگی۔

بصارت روشنی سے مانوس ہوتی چیزوں کی پہچان کرنے لگی۔

منظر واضح ہوتے ہی اطراف میں نگاہ دوڑائی۔

رات ہی کا کوئی پہر تھا اور وہ ہسپتال کے پرائیوٹ روم میں تھی۔پہلی نظر دروازے تک گئی واں باوردی سیاہ گارڈز چوکنے کھڑے تھے۔

سر میں اٹھتی مسلسل درد کی لہر کے ساتھ، پھر ساتھ موجود شخص کو دیکھا۔

دھندلاہٹ مکمل چھٹی۔

وہی معمول کی شفیق سی مسکراہٹ لیے یوشع اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

ہالہ مسکرانے لگی تھی۔اور پھر اچانک اس کے دماغ نے پیغام بھیجا کہ وہ یہاں کیوں ہے۔

اور ہالہ کو یوشع کی وہ مسکراہٹ دیکھ کر سخت متلی ہوئی۔

ہالہ نے اٹھنے کی کوشش کی۔

بیٹھے بیٹھے اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھایا تھا۔

تب ہی کوئی دروازہ دھکیلتا کمرے میں داخل ہوا۔

ہالہ کی نگاہ فوراً اس جانب گئی۔اور اگلے ہی لمحے۔

"ابووو۔۔۔۔"

بزدار صاحب سیدھا اس کی جانب آئے، اسے سینے سے لگایا۔

ہالہ پر سے ایک دم سارا بوجھ چھٹا۔اب سب ٹھیک ہو جائے گا۔وہ ابو کو سب بتادے گی۔

اور۔۔۔۔

"بیٹا تمہارے خیال میں، میں تمہیں کیوں اس سب سے دور رکھنا چاہتا ہوں۔یوشع نے تو مجھے نا بتانے کی قسم کھائی تھی لیکن پھر میں نے ایک گارڈ سے سب اگلوا ہی لیا۔ تم وہاں اکیلی کسی مجرم کا پیچھا کیوں کر رہی تھی۔"

یہ ابو کیا کہہ رہے تھے۔؟

ہالہ کی سانس کی نالی پر جیسے دباؤ پڑا۔

بھنویں بھنچیں۔

بزدار صاحب کی بغل کے نیچے سے یوشع کی جانب دیکھا۔

وہ مسکرا رہا تھا۔

"نہیں انکل ایسی بات نہیں ہے۔ میں صرف آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔اور پھر یہ میرا اور ہالہ کا سیکرٹ تھا۔"

آخری الفاظ ہالہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولے گئے تھے۔

"نہیں ڈیڈ یہ۔۔۔"یوشع کی جانب انگلی کی۔

"یہ جھوٹ ہے۔۔۔۔یہ۔۔۔۔"

"اٹس او کے بیٹا مجھے پتا ہے کہ تم ابھی ٹراما میں ہو۔ تم فکر مت کرو ہم جلد ہی اسے پکڑوا لیں گے۔"اور پھر وہ کچھ کہتے چلے گئے۔

اور ہالہ حیرت اور خوف کے ملے جلے احساس تلے یوشع کو دیکھے گئی۔

یہ وہ کہاں پھنس گئی تھی۔

ہالہ کی سانس کی نالی پر دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

اچانک بزدار صاحب سیکٹری کے بلانے پر کسی ضروری میٹنگ کے لیے وہاں سے چل دیئے، یوشع وہاں تھا، سو انھیں کسی قسم کی فکر نہیں تھی۔

یوشع یہاں تھا اور ہالہ کو یہی ایک فکر تھی،

کچھ لمحے سرکے اچانک اس وارڈ کا دروازہ کھلا، ہالہ کا سانس اٹکا، وہاں دروازے سے سعد داخل ہو رہا تھا۔ یوشع اپنی جگہ سے اٹھا، سعد کو اندر آنے کا اشارہ کیا اور خود وہاں سے نکل گیا۔ ہالہ کی حیرت سوا نیزے پر تھی، سعد اسکے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

لمحوں کو پوری فرصت سے گزرنے کی اجازت تھی۔

"آئی ایم سوری ہالہ۔"

کیا اسکے پاس کہنے کو صرف یہی تھا، ہالہ جوابا خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

سعد کے چہرے پر ٹھہرا ضبط واضح تھا۔

"تو اب تم مجھے اگنور نہیں کرو گے، دراصل سعد تمہیں اپنا اگنور گیم جاری رکھنا چاہیئے، ایسے یہ تمہارے لیے آسان ہو گا"

وہ شکوہ نہیں کر رہی تھی، سچائی بتا رہی تھی۔

"تم یوشع کے خلاف بیان دو گی۔" سعد تحکمہ سا بولا۔

"نہیں سعد میں ایسا کچھ نہیں کروں گی، جو کچھ ہوا، میری غیر ذمداری کی وجہ سے ہوا، وہ دوبارہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، اور نا ہی میں فی الحال اسکا کچھ بگاڑ سکتی ہوں۔"

"میرے پاس ثبوت ہے ہالہ، میں تمہاری مدد کروں گا۔"

"میں نے کہا میں فی الحال اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتی، میں یہ نہیں کہا کہ میں کبھی بھی اسکا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ مجھے بس تھوڑا انتظار کرنا ہے۔ حتی کی میں اس قابل ہو جاوں کے اسکی گردن اپنے ہاتھوں سے دبوچ سکوں۔ اور تب تک۔۔"

اب کے ہالہ سعد کو دیکھتی مسکرائی، "تب تک تم میرے خاموش رازدار رہو گے، اور سیکرٹ پارٹنر۔ کہو قبول ہے؟"

سعد ابھی تک لاجواب سا اسے دیکھ رہا تھا۔

ایک طویل دن

دن طلوع ہونے کی قریب تھا جب آرش کی گاڑی علایا کے ایبٹ آباد والے گھر کے سامنے موجود تھی۔

ایبٹ آباد پر ایک طویل دن طلوع ہو رہا تھا۔

ایک طویل دن کیا ہوتا ہے؟

گاڑی کا انجن خاموش ہوا۔

گاڑی کی اندر موجود دونوں فرد سامنے سڑک پر دیکھنے میں مصروف تھے۔

ایبٹ آباد پر ابھی صبح طلوع نہیں ہوئی تھی سو وہاں سڑک پر انسان ابھی دیکھائی نا دیتے تھے۔

"تمہاری کار احمت صاحب کی طرف پہنچا دوں گا۔اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔اور ابھی تمہیں آرام کرنا چاہیے۔"

وہ بنا دیکھے بولا تھا۔

اسے الوادع کہنے نہیں آتے تھے۔

وہ الفاظ کا کچھ خاص خزانہ نہیں رکھتا تھا۔

"مجھے ایک فیور چاہیے آرش۔"

وہ مدھم سے لہجے میں گویا ہوئی۔ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے نظریں ڈیش بورڈ پر گاڑے،اگلی بات کہنے کے لیے صحیح الفاظ کا چناؤ کرنے لگی۔

آرش چونکا تھا۔علایا کی جانب دیکھا۔

"میں فیور نہیں دیتا علایا۔"

لیکن علایا نے فوراً چہرہ آرش کی جانب موڑا۔ وہ جو کچھ بھی بن پڑا کہہ دیا۔

"کیا تم مجھ سے رابطے میں رہ سکتے ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے بنا بتائے غائب نا ہو۔" وہ خود بھی حیران تھی کہ اس نے یہ کہ کیسے دیا۔

علایا کی نظریں سوالیہ تھیں۔

آرش کی کنفیوزڈ۔

لمحے خاموشی سے سرکنے لگے۔

آرش نے نظریں پہلے پھیری تھیں۔

علایا کے سینے میں کچھ بھینچا۔مایوس نظریں واپس لوٹیں اور وہ گاڑی کا دروازہ دھکیلتی اترنے لگی۔

وہ آرش سے کچھ زیادہ امید لگا بھی نہیں سکتی۔ وہ سمجھ گئی تھی۔

"بدلے میں تمہیں مجھے ایک فیور دینا ہو گا۔"

آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

علایا کی دروازے پر گرفت مضبوط ہوئی تھی۔

علایا کو چھوڑ کر آرش اپنے ایبٹ آباد والے اپارٹمنٹ کی طرف آیا تھا۔ گاڑی پارک کی اور گھر میں داخل ہوا۔

کھڑکیوں پر پڑے پردے گھر میں روشنی کا داخلہ ناممکن کیے اپارٹمنٹ کو مکمل تاریک کیے ہوئے تھے۔ آرش نے لائٹ جلانے کی زحمت نہیں کی تھی۔ بنا چاپ کے چلتا وہ لاؤنج میں آیا۔

"کیا تم مجھ سے رابطے میں رہ سکتے ہو؟"

اسے ایسی پابندیاں پسند نہیں تھیں۔

وہ خاموشی سے منظر سے غائب ہونے میں ماہر تھا۔ یوں جیسے وہ وہاں کبھی موجود ہی نہیں تھا۔ وہ اپنے نشانات نہیں چھوڑتا تھا۔

اور وہ جانتا تھا۔

وہ یہی کرے گا۔

آنکھیں موندھیں۔

اور تب ہی اسے احساس ہوا

آنکھیں کھولیں۔

اس کے نتھنوں سے وہ بو ٹکرائی تھی۔

مدھم سے اب تیز ہوتی۔۔۔۔۔

مردار کی بو۔۔۔

مردار جانور کی بو۔۔۔

اس کے اعصاب ایک دم چوکنا ہوئے۔

ایک طویل دن بہت سے راز لیے ہوتا ہے۔

اس کے اعصاب ایک دم چوکنا ہوئے۔

وہ غیر آرام دہ سا صوفے سے کھڑا ہوا۔اس کے گھر میں کسی چوہے یا جانور کا مرنا ایک ناممکن سی چیز تھی اور وہ پھیلی بو اس وقت اس کے حواسوں پر سخت گراں گزر رہی تھی۔

بو کے تعاقب میں وہ اوپن کچن کی طرف آیا۔دیوار پر ہاتھ مار کر لائٹ آن کیں۔

ایک دم کچن اور لاؤنج روشن ہوا۔

اور پھر چند لمحوں میں اس کی بصارت وہ کریہہ منظر دیکھنے کے قابل ہوئی۔

آرش کے ماتھے پر بل پڑے تھے۔

سامنے کچن کی شفاف ماربل کی سلیب پر ایک ننھا سفید وجود پڑا تھا۔جس کا سفید روئی کی مانند جسم لال رنگ کی وہ گاڑھی لکیر کسی اعزاز کی مانند گردن کے گرد لیے ہوئے تھا۔

وہ ایک خرگوش کے بچے کا مردہ وجود تھا۔

وہ سرخ لکیر، خشک ہو چکا خون تھا۔

اس کا جسم گلنے کی عمل میں داخل ہو چکا تھا۔

آرش پھیلتی آنکھوں کے ساتھ سلیب کے قریب آیا تھا۔

"میں اسے R.I.P کہتی ہوں۔"

اچانک اس کے کانوں میں وہ آواز ایکو کی طرح گونجی تھی۔

بے ساختہ اس کا ہاتھ اپنی کنپٹی پر گیا جہاں درد کی ایک ٹیس اٹھی تھی۔

نظروں کے سامنے وہ منظر جھلملایا۔

ایک سات آٹھ سالہ بچی گود میں ایک خرگوش کا بچہ لیے کھڑی ہے۔بچے کی گردن سے نکلتا خون ایک سرخ لکیر کی شکل میں اس کے سفید وجود کو سرخ کر رہا ہے۔

"میرا نام بیلا ہے۔اور تمہارا؟"

آرش نے اپنا سر جھٹکا۔حال میں میں واپس لوٹا۔

سامنے سلیب پر اس مردہ وجود کے ساتھ ایک کتاب اوندھی پڑی تھی۔

"Mother" عنوان کی وہ کتاب، آرش اس کتاب سے آشنا تھا۔کسی انجانے احساس کے تحت وہ کتاب جھپٹنے کے انداز میں اٹھائی۔

وہ ایک مخصوص صفحے پر اوندھی کی گئی تھی۔

اور وہاں صفحے پر ایک مخصوص لائن کو لال رنگ سے ہائی لائٹ کیا گیا تھا۔

خون کی ایک باریک لکیر سے۔

"ماں تمہیں اکثر یاد کرتی ہے اور تمہارا انتظار کرتی ہے۔" آرش نے وہ لائن پڑی تھی۔

بلکہ اس نے وہ لائن اپنے اطراف میں گونجی سنی تھی۔جیسے کوئی شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ مکار لہجے میں کہہ رہا ہو۔

"ماں تمہیں اکثر یاد کرتی ہے آرش۔"

وہ، وہ سطر پڑھتا گیا، پڑھتا گیا۔ حتی کہ اس کی زبان ایک دم تھمی۔

آرش کی گاڑی اسلام آباد کی سڑک اترتی سید پور کے داخلی راستے پر آچکی تھی۔

گاڑی کی رفتار کم کرتا وہ مسلسل اپنے خیالات کو کسی ایک نقطے پر لانے کی کوشش کر رہا تھا۔

یوں محسوس ہر رہا تھا گویا اس کی سر کی نسیں پھٹنے کے قریب ہوں۔ اسے بار بار اپنے کانوں میں سنسناتی گھنٹیاں محسوس ہو رہی تھیں۔

وہ قصبی علاقے سے ابھی فاصلے پر تھا۔

اپنی غیر واضح یادوں میں وہ ایک لمبا عرصہ الہام اور بیلا کو گڈ مڈ کرتا آیا تھا۔

اسے الہام یاد ہے۔

اسے بیلا یاد نہیں۔

جس الہام سے وہ سالوں بعد ملا وہ، وہ الہام نہیں جیسے وہ جانتا تھا۔

اور بیلا کے نام پر جو بچی اس کی یاداشت میں محفوظ ہے وہ کبھی اس سے نہیں ملا۔

پر وہ مرا ہوا خرگوش کا بچہ۔۔۔۔

صرف دو ہی لوگ اس کا مطلب سمجھ سکتے ہیں۔

ایک وہ خود اور دوسری وہ بچی بیلا۔

بیلا اسے خود بلا رہی تھی۔

بیلا اس سے خود ملاقات کرنا چاہتی تھی۔

پر وہ جملہ۔۔۔

"ماں تمہیں اکثر یاد کرتی ہے۔"

اچانک ایک منظر نظروں کے پردے کے پیچھے سائے کی طرح لہرایا۔

رات کے اس نامعلوم پہر، جب وہ ہسپتال میں تھا۔۔وہ مخصوص ہیلز کی آواز اور وہ دروازے میں کھڑے وجود کے چہرے پر موجود سرخ ہونٹوں پر پھیلی مسکراہٹ۔

اسکی گاڑی اسکے گھر کے سامنے موجود تھی۔وہ کسی بجلی کی سی تیزی سے گاڑی چھوڑتا گھر کی طرف بھاگا تھا۔عجلت میں دروازے میں چابی لگاتا دروازہ دھکیلا اور دروازے کا ہینڈل پکڑے پکڑے ہی وہ دروازے کے چوکھٹ پر جہاں کھڑا تھا وہیں فریز ہو گیا۔

وہ تب بھی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ خواب تھا یا حقیقت۔۔۔

وہاں سامنے لاونج میں دروازے کی جانب ہی کرسی کا رخ کیے رکھے کوئی بیٹھا تھا۔

سیاہ پیروں تک چھوتا وہ چمکدار لباس،ٹانگ پر رکھی ٹانگ تلے پیروں میں سیاہ ہیلز۔اور چہرے پر موجود سرخ ہونٹوں پر بیٹھی وہ بڑی سی مسکراہٹ۔ہونٹوں کے کناروں پر موجود جھریاں۔

وہ آج بھی فیصلہ نہیں کر پارہا تھا کے وہ خواب ہے یا حقیقت۔۔۔۔

اسکی ماں کبھی اسکے ساتھ نہیں تھی اور اسکی ماں ہر وقت ایک الوزن کی طرح اسکے ساتھ تھی۔

"تم نے مجھے disappoint کیا آرش۔"آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی،وہ آواز۔۔۔وہ آواز کتنی حقیقی تھی۔

کانوں میں ایک تیز گھنٹی کی آواز دوڑی، سر میں اٹھتی ٹیس اور اسے لگا۔۔

حقیقت، جھوٹ، خوف، خواب سب ایک دم دھندلا رہا تھا۔

اور دھندلاتے مناظر ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوتے اسکی سوچنے سمجھنے کی صلاحیت چھین رہے تھے۔

منظر تھما۔

اسے لگا وہ واپس پچیس سال پرانے اس منظر میں موجود ہے۔

اسکے ہاتھوں پر خون ہے پر۔۔۔پر اب کی بار

اسے یاد آ گیا تھا

وہ قتل

اسنے اس دن ایک قتل کیا تھا

اپنے باپ کا قتل،

آرش

میں نے اس دن ایک قتل کیا تھا،

اپنے باپ کا قتل

میں آج خاموشی سے ابو کی غیر موجودگی میں ابو کے کمرے میں گیا تھا۔وہاں ابو کا کافی ریسرچ روک،ڈائریزاور فائلز پڑی تھیں۔ابو کا لیپ ٹاپ بھی ویسے ہی کھلا پڑا تھا۔میں نے اسکرین جو کہ تھوڑی سی گرائی ہوئی تھی اٹھا کر دیکھی۔وہاں ایک پورا ریسرچ ورک کھلا ہوا تھا۔میں آہستہ آہستہ وہ سب دیکھنے لگا۔وہاں بہت سارے قیدیوں اور مجرموں کی اور ہسٹری موجود تھی۔اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ابو نے تقریبا جھپٹتے ہوئے لیپ ٹاپ میرے آگے سے اٹھالیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"وہ غصے سے بولے۔

"ابو آپ کو لگتا ہے میں بھی ان لوگوں جیسا ہوں؟"میں نے ابو کی آنکھوں میں انکھیں ڈال کر پوچھا۔

ابو خاموش ہو گئے۔

"آپ کو لگتا ہے کہ میں بھی ان کی طرح کا مانسٹر ہوں گا؟"

جب سے میرا Diagnosis process چل رہا تھا۔میں سائیکو پاتھی کے بارے میں کافی کچھ جان اور سمجھ گیا تھا گیا تھا۔

میری امی بھی ایک سائیکو پاتھ تھیں۔میں جانتا تھا۔

"نہیں بیٹا۔۔۔"ابو نے بس اتنا ہی کہا۔

"آپ بھی امی جیسے ہی ہیں۔" میں روتے ہوئے چلایا اور وہاں سے بھاگ گیا۔ گھر سے۔۔۔۔ قصبے سے۔۔۔۔ اندھا دھند پہاڑی پر آ کے جنگل میں بھاگتا رہا حتی کہ اس جھونپڑی میں پہنچ گیا۔

Oh my child

Please don’t weep

گھپ اندھیرے میں وہاں کوئی روشنی کا ذریعہ بھی نہیں تھا۔ لیکن مجھے فرق نہیں پڑتا۔ مجھے کبھی اندھیرے سے خوف نہیں آیا۔ مجھے جنگلات اور بھوتوں سے کبھی خوف نہیں آیا۔ مجھے ان سب سے ڈر نہیں لگتا۔۔۔ لیکن۔۔

As a child ‘so hard you’re trying

But soon you’ll realize

In people there is no peace lies

لیکن۔۔۔۔۔۔ مجھے امی اور ابو سے خوف آتا ہے وہ دونوں ایک دن مجھے مار دیں گے۔۔۔۔ مجھے ان دونوں سے ہی خوف آتا ہے۔۔۔۔ دونوں سے ہی۔۔۔۔

Delusive is empathy

And love is a lie

روتا روتا میں وہیں جھونپڑی کے فرش پر سو گیا۔

جھونپڑی کی اکلوتی کھڑکی سے آتی چاندنی کی مدھم روشنی میں اس کا سایہ اور جھونپڑی کا اندھیرا ایک دوسرے میں گھلنے لگے۔ ایک بڑا سایہ سا اس کے اطراف میں رقص کرنے لگا

The only place you can hide

Is the gloom & the blight

The only friend you can rely

Is the monster live in your inside

صبح میری آنکھ کھلی تو میں وہیں جھونپڑی کی زمین پر پڑا تھا۔ شاید میں رات وہیں سو گیا تھا۔ آنکھیں رونے کی وجہ سے درد کر رہی تھیں۔ آنکھیں مسلتا میں جھونپڑی سے باہر آیا تو باہر کا موسم پر سکون تھا۔ آسمان سرمئی بادلوں سے مکمل ڈھکا ہوا تھا۔ ممکن تھا کے کچھ دیر میں بارش شروع ہو جاتی۔ میں آہستہ آہستہ گھر کی طرف چل دیا اور پھر۔۔۔۔۔۔۔

بیچ کے مناظر۔۔۔ وہ سب بیچ کے مناظر واپس آ گئے تھے۔

میں گھر میں داخل ہوا تھا جب میں نے امی اور ابو کو لڑتے دیکھا۔ امی معمول کی طرح ابو پر چلا رہی تھیں۔

لیکن آج ابو بھی جواباً اور اونچا چلا رہے تھے۔

"تمہارے خیال میں وہ ایسا کس کی وجہ سے ہے؟ تمہاری وجہ سے، وہ تمہاری سائیکو پیتھی لے کر پیدا ہوا ہے۔ تمہارا جنون، تمہارا پاگل پن۔"

یہ ابو کیا کہہ رہے ہیں، میں۔۔ میں ایسا تو نہیں ہوں، میں تو کبھی انھیں تنگ بھی نہیں کرتا، میں امی کی طرح چلاتا بھی نہیں ہوں۔

میں نے امی کو وہ سیب کاٹنے والی چھری اٹھاتے دیکھا تھا، انکے چہرے پر وہ مسکراہٹ تھی۔ اور وہ میری ہی طرف دیکھ رہی تھیں، انکی آنکھوں میں اتنا یقین کیوں ہے؟

اُنکی آنکھوں میں اتنا یقین کیوں ہے کہ میں انکے جیسا ہوں۔

وہ مجھے کیوں بتا رہی ہیں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

"یہ تم کیا کر رہی ہو؟"

میں نے ایک دم ابو کا لہجہ بدلتے دیکھا، وہ امی کے ارادہ بھانپ گئے تھے،

وہ قدم قدم پیچھے جا رہے تھے، امی قدم قدم آگے۔

"وہ مانسٹر ہے التمش، میرا پیدا کیا مانسٹر، وہ میرا فخر ہے۔"

اور پھر میں نے ابو کو بھاگ کر لاونج میں پڑے شو کیس کی طرف جاتے دیکھا، وہ اوپر لی دراز میں ہاتھ مارتے کچھ تلاش رہے تھے وہ مڑے اور انکے ہاتھ میں پسٹل تھا۔

امی کا قہقہہ گونجا۔

"دیکھا۔۔۔ہم دونوں میں کچھ خاص فرق نہیں ہے۔بس تمہارا دماغ ذرا کم چلتا ہے،"

میں جانتا ہوں امی ایسا کیوں کہہ رہی تھیں، اس منظر میں صرف میں تھا جو اس بات کے پیچھے موجود مطلب بوجھ سکتا تھا۔۔۔کیونکہ۔۔۔

ابو میری موجودگی سے بے خبر تھے۔

ابو میری موجودگی کے خطرے سے بے خبر تھے۔۔اور وہ خطرہ جس سے آپ بے خبر ہوں آپ اس سے خود کو کیسے بچا سکتے ہیں۔

ابو بھی نہیں بچا سکے۔وہ میرے ہاتھ میں موجود اس تیز دھارے نما آلے، جو کہ میں جھونپڑی سے اٹھالایا تھا، نہیں بچا سکے۔۔

وہ دھاتی تیز دھار والا آلہ، گوشت چیرتا اانکے پیٹ میں داخل ہو چکا تھا۔۔۔خون بھل بھل کے باہر آنے لگا

میرے کپڑوں پر خون تھا۔۔۔۔

میرے ہاتھوں پر خون تھا۔۔۔

میں نے ابو کو ہی کیوں چنا،

"مانسٹر۔۔۔مانسٹر۔۔۔۔مانسٹر۔" لاشعور میں ایک قائل کرنے والی گونج تھی ایک پہچان سی۔

وہ آلہ میرے ہاتھ سے گر گیا۔

"ام م م۔۔۔می۔۔۔امی۔۔۔"میرے ہاتھ جل رہے تھے، وہ خون گرم تھا، بہت گرم۔۔۔

میرے قدم امی کی جانب اٹھے۔۔۔امی تھیں یہاں، وہ ابھی یہاں ہیں۔۔۔ا

میں دوڑ کر ان تک پہنچ سکتا تھا، وہ مجھے خود میں چھپ لیتیں،

پر میں اتنی تیز نہیں دوڑ سکا۔۔۔ میں تیز نہیں دوڑ سکا۔۔۔امی تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ اپنی کہنی سے اوپر کی طرف اپنے بازو میں وہ چھری اتار چکی تھیں۔

اور پھر انکی وہ ہزیانی ہنسی۔

مجھے پہلی دفعہ کچھ محسوس ہوا تھا، وہ جسے خوف کہتے ہیں۔

وہاں کوئی باقی نہیں رہا تھا جس کی طرف میں دوڑ کر جا سکتا۔

کیونکہ میں بچہ ہی تھا۔

اور میرے نزدیک خون موت تھا۔

ایک مانسٹر بچہ، جس نے اپنے ماں باپ کو مار دیا۔

فرش پر خون تھا، میرے ہاتھوں پر کون تھا۔

"کیا میں نے اپنے ماں باپ کو مار دیا؟"

"میں نے انہیں مار دیا؟"

اور تبھی کوئی دروازے سے داخل ہوا، وہ باوردی سے لوگ تھے، باہر ایمبولینس کی آواز تھی۔

"تم نے مجھے disappoint کیا آرش۔"

امی نے وہ خون سے رنگین ہاتھ میری جانب اٹھاتے ہوئے کہا۔اور پھر وہ ہاتھ گر گیا۔

"تم نے مجھے disappoint کیا آرش۔"

وہ آواز۔۔۔وہ آواز کتنی حقیقی تھی۔ آرش نے سرخ ہوتی آنکھوں سے سامنے اس کرسی پر بیٹھے وجود کو دیکھا، اتنے سالوں بعد۔۔۔وہ آواز۔۔۔وہ آواز اتنی ہی حقیقی تھی۔

کیا ایک طویل دن وہ دن ہوتا ہے جب آپ کسی الوزن سے جاگے ہوں، کسی بے نام خوف سے یا وجود نہ رکھتے ایک سچ سے فرار ہوئے ہوں؟

یا پھر ایک طویل دن وہ ہوتا ہے جب آپ کسی حقیقت سے ممکنا بھاگنا چاہ رہے ہوں؟اور وہ حقیقیت اپنے پورے وجود کے ساتھ آپکے سامنے آکھڑی ہو۔

وہ آواز۔۔۔وہ آواز کتنی حقیقی تھی۔ آرش نے سرخ ہوتی آنکھوں سے سامنے اس کرسی پر بیٹھے وجود کو دیکھا،اتنے سالوں بعد۔۔۔وہ آواز۔۔۔۔وہ آواز اتنی ہی حقیقی تھی۔

اتنی حقیقی کے اسے،حال میں واپس کھینچ لانے کے لیے کافی تھی۔

"مجھے لگا تھا میرا بیٹا مجھے ڈھونڈ لے گا،"میرا بیٹا زور دیکر کہا گیا تھا۔

"پر افسوس تم نے پاکستان آنے کے بعد مجھے ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہیں کی،سو مجھے خود ہی آنا پڑ آ۔۔۔تم سے ملنے۔

how disrespectful , but it's ok"

آرش دروازہ پار کرتا اندر داخل ہو چکا تھا۔

آرش کا ہاتھ غیر محسوس انداز میں کوٹ کی جیب کی اندرونی طرف بڑھا،اور پھر واپسی پر وہاں ہتھکڑیاں تھیں۔

وہ حیران نہیں تھا۔

اسکا ریزیگنیشن پراسس ابھی مکمل نہیں ہوا تھا،اسکے ایکوپمنٹس ابھی اس سے لیے نہیں گئے تھے۔اور وہ سامنے بیٹھی عورت آج بھی انٹیلیجنس کی وانٹڈ لسٹ میں تھی۔

کچھ لمحے خاموشی سے سرکے،۔۔۔

اور پھر وہ ایک دم مڑا،بجلی کی سی تیزی سے۔۔۔لیکن یہ کیا۔

سامنے کوئی عین اسکے ماتھے پر گن تانے کھڑا تھا۔

آرش کی آنکھیں پھیلیں۔

سفید ڈاکٹر کے لبادے میں ملبوس،ڈھلتی عمر اور ماتھے پر پھسلتا پسینہ۔

"آپ؟"

آرش کی آواز میں سکتہ تھا۔

ماضی، مسٹر اور مسسز التمش ارمغان کے قتل والا دن

موسم ابر آلود تھا، معلوم ہوتا تھا کہ بادل کسی وقت بھی اپنا قابو کھو بیٹھیں گے۔

سید پور کے اختتام پر، پہاڑی جنگل کے آغاز پر موجود اس گھر کے سامنے کھڑی ایمبولیس کا دروازہ بند کیا گیا۔ مسٹر التمش کی حالت تشویش ناک تھی، انھیں اسٹریچر پر لیٹایا گیا تھا، الہام بتانی کی حالت قدرے بہتر تھی، انکے صرف بازو سے خون بہ رہا تھا، جسے فوری طور پر مہیا کی گئی طبی امداد سے روک دیا گیا تھا۔ وہ بھی اسی ایمبولینس میں crew bench پر موجود تھیں۔

انکا مضطرب تاثر بتاتا تھا کے وہ اپنے شوہر کے لیے کس قدر پریشان ڈری ہوئی ہیں، لیکن خوف نے انھیں خاموش کرر کھا ہے۔

ساتھ موجود نرس ہوئے نے مسز التمش کے سامنے پانی کی بوتل بڑھائی، جسے انھوں نے کانپتے ہاتھوں سے تھاما اور پھر بمشکل ایک گھونٹ حلق سے اتار کر بوتل واپس نیچے کر دی۔

ایمبولینس پہاڑی سلسلے پر بنی سڑک پر اپنی پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی، سڑک جس کے ایک جانب پہاڑ اور دوسری جانب کھائی تھی۔

بارش نا جانے کس وقت شروع ہوئی

وہاں کے ڈرائیور زان سڑکوں پر ڈریو کرنے کے ماہر ہوتے ہیں، اور سو وہ ایمبولینس کا ڈرائیور، لیکن۔۔۔

لیکن کبھی کبھی چیزیں غلط بھی ہو جاتی ہیں،

ایسی کے جس بارے میں سوچا نا تھا،

شاید سڑک گیلی تھی، یا شاید کوئی پتھر پہاڑی سے لڑھکتا نیچے آن پڑا تھا

کسی نامعلوم رکاوٹ کے باعث، ایمبولینس اچانک چلتی چلتی لڑکھڑا گئی اور سڑک سے اترتی دوسری طرف موجود کھائی میں جا گری۔

ایمبولینس میں موجود افراد فی لحال مریض کی فکر سے ہٹ کے اپنی جگھوں پر اپنا وجود ٹکانے کوشش کر رہے تھے، جو بل کھاتی کھائی میں گرتی ایمبولینس کے ساتھ ہی ایمبولینس میں چکر کھا رہے تھے، اور پھر ایمبولینس ایک بڑے پہاڑ سے اٹکتی ایک جگہ ساکت ہوئی، یوں کے اگلا حصہ آسمان کی جانب اٹھا تھا جہاں سے ڈرائیور کا کھڑی سے نکل کر لٹکتا بازو اور ایمبولینس کی ٹوٹی چھت میں پھنسا سر صاف بتاتا تھا کے وہ شخص اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔

اور ایمبولینس کا پچھلا حصہ زمیں پر لگا تھا، دوپٹ والے دروازے میں سے ایک دروازہ جو کہ اسٹریچر کے سامنے تھا، ابھی تک بند تھا، لیکن دوسرا دروازہ کھول کے زمیں کی جانب لٹک رہا تھا، وہاں قریب ہی زمیں پر دو وجود آڑے ترچھے پڑے تھے، ایک نرس بوئے کا وجود اور دوسرا الہام بتانی کا۔

نرس بوئے کے وجود میں حرکت ہوئی، اسکا ماتھا ایک طرف سے خون آلود تھا اور ایک ہاتھ کی کہنی کی ہڈی قدرے بری حالت میں۔

اسنے اٹھنے کی کوشش کی اور بمشکل بیٹھتا اپنے اطراف کا جائزہ لینا چاہا، کسی احساس کے تحت اپنا وجود گھماتا اپنے پیچھے موجود زمین پر پڑے وجود کو دیکھنا چاہا۔

کیا کچھ لوگوں سے موت بھی ڈرتی ہے؟

سامنے زمیں پر پڑا وجود جسکا چہرا مکمل خون سے لال تھا، بال ماتھے سے ناک اور ہونٹوں تک چہرے پر چپکے تھے، اور بالوں تلے موجود آنکھیں مکمل کھلی تھیں۔ مکمل باتاثر تھیں۔

گردن بے ڈھنگے سے انداز میں ایک طرف کو لڑھکی ہوئی تھی۔

اور پھر ناک تلے موجود ان سرخ ہوٹوں کے کنارے اٹھے تھے۔

نرس بوئے کے پورے وجود میں ایک دم جھجھری دوڑی۔ آنکھیں پھیلیں۔

نرس بوئے نے الہام بتانی کو اسکے پیچھے دیکھتے پایا، مسکراہٹ مزید گہری ہوئی۔

"تمہیں پتا ہے کون آیا ہے ؟"

وہ مسکراتے ہوئے نرس بوئے سے مخاطب تھیں۔

نرس بوئے نے کسی خوف سے گردن گھما کے، چہرے پیچھے کی جانب موڑا،

وہاں سامنے سے سفید رین کوٹ میں ملبوس، چہرے پر کوٹ کی ہڈ قدرے آگے کو ڈالے وہ شخص اسی طرف آرہا تھا، وہ اک عدد اسٹریچر گھسیٹتا لا رہا تھا۔

"پتا ہے کھائیوں میں غائب ہو جانے والوں کو لوگ زیادہ عرصہ تلاش نہیں کرتے، وہ یقین رکھتے ہیں کہ کھائیوں میں کھو جانے والے صرف موت تک ہی پہنچتے ہیں۔"

وہ عورت اس حالت میں بھی ایسے کیسے بول رہی تھی، نرس بوئے ایک اعصاب تن رہے تھے، اسنے اپنے جگہ سے ہلنا چاہا ، وہ بھاگنا چاہتا تھا۔

"لوگ تمہیں بھی تلاش نہیں کریں گے۔۔۔اور لوگ مجھے بھی تلاش نہیں کریں گے۔"

وہ اسٹریچر انکے قریب لا کر روکا گیا، اس شخص نے کسی احتیاط سے الہام کا وجود اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا۔ اور وہ اسٹریچر گھسیٹتا نا جانے کہاں غائب ہو گیا۔ کچھ لمحے سرکے، وہ نرس بوائے اپنی پوری قوت لگاتا بمشکل خود کو سیدھا کر پایا، اپنی جیب میں فون تلاشنا چاہا، اور تبھی۔

وہ سفید رین کوٹ واپس لوٹ آیا۔ اسکے ہاتھ میں ایک عدد کئی تھی، زمیں کھودنے کا آلہ۔

وہ اس نرس بوئے پر احسان کرنے والا تھا،

اب چونکہ وہ مر تو چکا ہی تھا تو وہ اسے باعزت دفنانے والا تھا۔

"تت۔ت۔ت۔تم کون ہو؟ مجھے مت مارو، میں نہیں جانتا یہاں کیا ہوا، مجھے بس یہاں سے جانے دو۔"

نرس بوئے گڑگڑاتا اپنی بچی کچھی قوت لگاتا اپنا وجود گھسیٹ کر دور لے جانا چاہ رہا تھا۔

نرس بوئے کے قریب آ کر اس سفید رین کوٹ نے اپنی ہڈ سر سے اتار کر پیچھے گرائی، بارش کے تیز ہوتے قطرے اسکی باریک فریم کی عینک بھگونے لگے۔

نرس کے چہرے پر ایک شناسائی ابھری، شناسائی اور پھر خوف، اس سامنے کھڑے شخص کو وہ بہت اچھے سا پہچانتا تھا

"ڈاکٹر ہمدانی!"

کچھ لمحے خاموشی سے سرکے،۔۔۔

اور پھر وہ ایک دم مڑا، بجلی کی سی تیزی سے۔۔۔ لیکن یہ کیا۔

سامنے کوئی عین اسکے ماتھے پر گن تانے کھڑا تھا۔

آرش کی آنکھیں پھیلیں۔

سفید ڈاکٹر کے لبادے میں ملبوس، ڈھلتی عمر اور ماتھے پر پھسلتا پسینہ۔

"آپ؟"

آرش کی آواز میں سکتہ تھا۔

وہ آرش...ہر ایک پر شک کرنے والا، کسی پر اعتماد نا کرنے والا آرش ارمغان بھی دھوکھا گیا تھا۔ صاف اور شفاف دھوکہ۔

"اگر تم پر ایک دفعہ ایک قتل پلانٹ کیا جا سکتا ہے تو دوسری دفعہ کرنا مزید آسان ہو گا۔" اور انکا جواب کسی تیز برچھی کے جیسا تھا۔

آرش پر پلانٹ کیا گیا ایک قتل۔ وہ ابراہیم کی بات کر رہے تھے۔

نہیں، انہیں کہنا چاہیے تھا کہ "اگر میں تم پر ایک دفعہ قتل پلانٹ کر سکتا ہوں تو دوسری دفعہ کرنا بھی مشکل نہیں ہو گا۔ "

"وہ آپ تھے۔" آرش استہزایہ سا بولا۔ وہ حیرن نہیں تھا، پر وہاں ایک مسکراہٹ تھی، جیسے کچھ صحیح ثابت ہونے کا گمان۔

"کیا آپ میری ماں کا الزام اپنے سر لینا چاہتے ہیں میرے باپ کی طرح۔"

آرش کی آواز بلند ہوئی

"کیا آپ بھی اس عورت کی محبت میں اندھے ہیں، میرے باپ کی طرح۔" لہجے میں بے یقینی تھی۔

وہ تقریباً چلا رہا تھا، جب اسکی پشت پر ایک ہنسی ابھری۔

"آرش ہم سب ایک طرف کے لوگ ہیں۔ تم، میں، ہمدانی۔۔۔ یہ ہم کیسے ہتھکڑیوں اور پستول کے درمیان الجھ رہے ہیں؟ وہ دوسری طرف سے ہے۔ وہ تمہارے باپ کی طرح کبھی مکمل تمہاری نہیں ہو گی۔ تمہارے باپ کے قانون اور انصاف نے اسے مار دیا، وہ مجھے امان دینے کے بعد پچھتاوے میں چلا گیا اور ایک دن اس نے اپنی اصلیت دیکھا ہی دی۔ وہ بھی دیکھائے گی۔ کسی دن جب اسے یہ احساس ہو گا کہ تم ایک قاتل ہو۔ بالکل جیسے اس نے اپنی بچپن کی دوست کو ایک جھٹکے سے الگ کر دیا یہ جان کر کہ وہ ایک قاتلہ ہے۔"

(وہ یہی کرتی ہیں، وہ ہمیشہ یہی کرتی ہیں۔۔۔ میری ماں۔۔۔ یہ عورت۔۔۔ یہ پوری طاقت رکھتی ہیں مجھے اس بات کا یقین دلانے کی کہ میں ان سے ہوں، میں ان میں سے ہوں۔ مجھے اس عورت سے نفرت ہے۔۔۔ مجھے نفرت ہے کہ میں اس عورت جیسا ہوں۔)

آرش مڑا، ہمدانی صاحب کی یہ حرکت وہ ہضم نہیں کر پا رہا تھا، اور آدھا دماغ ویسی ہی ایبٹ آباد میں اٹکا تھا۔

"الہام۔۔۔ الہام اور بیلا سے آپکا کیا تعلق ہے؟"

آرش ایک دم پلٹ کر الہام بتانی کو دیکھتا بولا، لہجے میں عجلت تھی،

"کیوں تم اس پولیس آفیسر کا نہیں پوچھو گے، جسے تم وہاں چھوڑ کر آئے ہو؟"

آرش نے کھڑے کھڑے پہلو بدلا تھا۔

اچانک گھر کے باہر رچے سناٹے میں گاڑیاں رکنے کی آوازیں ابھرنے لگیں، ایک نہیں دو نہیں، بیشتر گاڑیاں۔۔۔ اور پھر گنوں کی لوڈنگ، پوزیشن کی سیٹنگ۔۔۔

اچانک باہر الہام بتانی کی گرفتاری کا اعلان کیا جا رہا تھا،

آرش ہمیشہ سے ہی پاکستانی انٹیلیجنس سے منسلک تھا، اسکے پچھلے، اوور سیز مشن میں کامیابی کے بدلے ملنے والے ایک لمبے وقفے پر جانے والا تھا، جب اسکے سامنے وہ فائل کھولی گئی تھی،

الہام بتانی۔۔۔جب اسکے سامنے الہام بتانی کی فائل کھولی گئی تھی۔

"مس الہام بتانی، آپکو اسی وقت حراست میں لیا جاتا ہے، آپکو خاموش رہنے کا مکمل حق ہے۔۔۔"

وہ کہہ رہا تھا اور وہ خاموشی سے الہام بتانی کی عمر رسیدہ مگر صحت منداور سفید کلایاں پکڑتا انھیں ہتھکڑیوں میں جکڑ رہا تھا۔

"آپکے منہ سے کہی گئی کوئی بھی بات یا الفاظ، آپکے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں، آپکو اپنا اٹارنی۔۔۔"

آرش کہتے کہتے رکا تھا، ایک تھکی سی نظر سامنے اس بے خوف بیٹھی عورت پر ڈالی، اور ایک گہرہ سانس خارج کیا۔

اسکی ماں ابھی بھی اسے یوں ہی دیکھ رہی تھی۔

"اپکو اپنا اٹارنی کرنے کا پورا حق ہے اور اگر آپکے پاس اٹارنی نہیں ہے تو اپکو مہیا کیا جائے گا۔"

بات مکمل کی۔ پھر الہام بتانی کے ہاتھ چھوڑتا، فون نکال کر کال ملانے لگا۔ اسکا اسائنمنٹ مکمل ہو چکا تھا۔ بھلے سے اسکی آدھی محنت اسکی ماں نے خود ہی نمودار ہو کر ختم کر دی تھی۔

ہمدانی صاحب کے چہرے پر ایک دم سوال ابھرا۔ سوالیہ انداز میں آرش کو اور پھر، الہام بتانی کو دیکھا۔

"آپ اس میں خود داخل ہوئے ہمدانی صاحب،، آپ اس سب کے نتیجہ نہیں جھیل پائیں۔" آرش کا لہجہ ایک دم قدرے غیر شناسا ہو گیا تھا، وہ، وہ آرش ارمغان نہیں تھا، جسے ہمدانی صاحب جانتے تھے۔

"تمہیں لگتا ہے 'تم' نے مجھے ڈھونڈا ہے، آرش تم کبھی مجھے نہیں ڈھونڈ سکتے تھے، آخر کو ماں ہوں تمہاری۔۔۔"

آرش کا جبڑا بھنچا۔

"رائٹ، بہت اچھا فیصلہ کیا آپ نے میرا کام کم کر کے،"

ہمدانی صاحب کی پشت پر گھر کا ادھ کھلا دروازہ، ایک جھٹکے سے مکمل وا ہوا، اور وہاں سے گروپ کی شکل میں اسلحے سے لیس انٹیلیجنس پولیس کا ایک پورا دستہ اندر داخل ہوا،۔

الہام بتانی کی مسکراہٹ سمٹی تھی۔ سوالیہ انداز میں آرش کی جانب دیکھا۔

"کیا تم نے اپنی ماں کا سودا کر دیا؟"

آرش کے ہونٹ کا ایک کنارا اٹھا۔

"آخر آپ ہی کا بیٹا ہوں۔"

پھر ایک نظر دونوں کو دیکھا، "آپ دونوں کو کیوں لگا کہ آپ ایک دفعہ پھر سب کی آنکھوں میں چکما دے کر یہاں سے جا سکتے ہیں۔ آپ کو کیوں لگا کہ آپ مجھے چکما دے سکتی ہیں، میں التمش آرمغان نہیں ہوں۔"

انٹیلیجنس پولیس الہام بتانی اور ہمدانی صاحب کو اپنے ساتھ لے جا رہی تھی، وہیں ان میں سے انکا ایک سینئر آفیسر نکل کر آرش کے قریب آیا، اس سے پہلے کہ وہ آرش کا کندھا تھپکتا آرش کسی چھلاوے کی طرح وہاں سے نکلا تھا، ان سب کے درمیان سے راستہ بناتا، گھر سے داخلی دروازے کی طرف آیا، تب ہی الہام بتانی کی کھنکھناتی آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی،

"اگلا باکس ملنے کا انتظار کرو، اس ہی کی بدولت تمہیں پتہ چلے گا کہ وہ لڑکی کہاں ہے، اوہ سوری لڑکی نہیں ۔۔۔لاش۔۔"

اور پھر وہ آفیسرز کے درمیان کہیں آرش کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیں، آرش انکی مکمل بات نہیں سن پایا تھا، خاص کر آخری لفظ۔

باکس؟

باکس اسے کب ملتا ہے؟

ہمیشہ ایک مرڈر کے بعد۔

پر وہ باکس کا ذکر کیوں کر رہی تھی؟

آرش کی گاڑی ابھی ابھی ایبٹ آباد میں داخل ہوئی تھی۔ سامنے اسکی فون اسکرین پر لگا ٹریکر اسگنل سے مسلسل وہ لوکیشن بھیج رہا تھا۔

صبح کا واقع، جب آرش نے علایا کو ڈراپ کیا تھا۔

"مجھے ایک فیور چاہیے آرش۔"

وہ مدھم سے لہجے میں گویا ہوئی۔ ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے نظریں ڈیش بورڈ پر گاڑے، اگلی بات کہنے کے لیے صحیح الفاظ کا چناؤ کرنے لگی۔

آرش چونکا تھا۔ علایا کی جانب دیکھا۔

"میں فیور نہیں دیتا علایا۔"

لیکن علایا نے فوراً چہرہ آرش کی جانب موڑا۔ وہ جو کچھ بھی بن پڑا کہہ دیا۔

"کیا تم مجھ سے رابطے میں رہ سکتے ہو۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے بنا بتائے غائب نا ہو۔" وہ خود بھی حیران تھی کہ اس نے یہ کہ کیسے دیا۔

علایا کی نظریں سوالیہ تھیں۔

آرش کی کنفیوزڈ۔

لمحے خاموشی سے سرکنے لگے۔

آرش نے نظریں پہلے پھیری تھیں۔

علایا کے سینے میں کچھ بھینچا۔ مایوس نظریں واپس لوٹیں اور وہ گاڑی کا دروازہ دھکیلتی اترنے لگی۔

وہ آرش سے کچھ زیادہ امید لگا بھی نہیں سکتی۔ وہ سمجھ گئی تھی۔

"بدلے میں تمہیں مجھے ایک فیور دینا ہوگا۔"

آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی۔

علایا کی دروازے پر گرفت مضبوط ہوئی تھی۔

"کیسا فیور؟"

آرش نے گاڑی کا ڈرا کھولا اور وہاں سے ایک ننھا سا آلہ نکال کر علایا کی جانب بڑھایا، بمشکل ایک بٹن جتنا وہ لوکیشن ٹریکر تھا۔

علایا نے عجیب نگاہوں سے پہلے تو ٹریکر کو دیکھا پھر آرش کو، سوالیہ انداز میں کندھے اٹھائے۔

آرش نے جواباً ہاتھ واپس پیچھے کھینچا، علایا نے آگے بڑھ کر وہ ٹریکر اس سے پکڑ لیا، "کیا کرنا ہے مجھے اس کے ساتھ؟ کہاں لگانا ہے اسے؟" عجلت میں بولی

"الہام، تمہیں یہ الہام کے پرس یا کوٹ میں ڈالنا ہو گا، یا کچھ بھی ایسا جو سب سے زیادہ اسکے استعمال میں ہو۔ وہ تم سے ملنے آئے گی، میں جانتا ہوں۔" علایا ساکت سی اسے دیکھے گئی۔ پھر وہ ٹریکر اپنی جیب میں گرایا اور ایک گہرا سانس خارج کیا۔

وہ علایا کا ہاں تھا، اور پھر وہ کار سے نکل گئی۔

آرش فی لحال اسی ٹریکر کی لوکیشن پر جا رہا تھا، اسے الہام تک الہام بتانی کی خبر پہنچنے سے پہلے الہام کو پکڑنا تھا۔ اور بیلا، بیلا وہیں ہو گی، جہاں الہام ہو گی، اسے پورا یقین تھا۔

آرش کی گاڑی، land from heaven کی عمارت کے سامنے آ کر رکی، فون جھٹ سے اسٹینڈ سے الگ کیا، ویسٹ میں گن چیک کرتا وہ گاڑی سے نکلا، چوکیدار کو اپنا پولیس کارڈ دیکھایا۔

"کیا یہاں کسی قسم کا غیر ضروری داخلہ ہوا ہے؟"

"نہیں جی، ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی ایک تھانیدارنی صاحبہ یہیں پوچھ رہی تھیں۔"

چوکیدار کی بات پر آرش ٹھٹکا۔ "کیا وہ اندر ہے؟"

"جی وہ ابھی اندر ہی ہیں۔"

آرش ناسمجھی کے انداز میں دروازہ پار کر گیا۔ ٹریکر کی لوکیشن، عمارت کے پیچھے موجود جنگل کی طرف سے آ رہی تھی۔ ڈھلان اترتا اپنی چال متوازن رکھے۔ آرش چوکنا سا ڈھلان میں نیچے اترا۔

جیسے جیسے لوکیشن قریب آ رہی تھی۔ اسکے احساسات مزید چوکنے ہو رہے تھے۔ حتی کہ وہ ایک دم رکا، لوکیشن کے مطابق وہ اس ٹریکر سے صرف چند قدموں کے فاصلے پر تھا، پر یہ کیا۔

وہاں چند قدم کے فاصلے کیا، دور دور تک کسی کا نام و نشان نہیں تھا۔

آرش کا چہرہ جھکا، اگلے لمحے میں وہ وہاں زمین پر موجود نشانات دیکھ رہا تھا۔ وہاں تین جوتوں کے نشان تھے اور ساتھ ایک گھسیٹے جانے کا نشان، جو کہ چند قدم کے فاصلے پر جا کر ختم ہو گیا، اور عین اسی جگہ سے وہ ٹریکر سگنل بھیج رہا تھا۔ آرش پاؤں کے بل وہاں بیٹھا۔ مٹی کو ہاتھ سے ادھر ادھر کرتا وہ ٹریکر وہاں تلاشنا چاہا۔ وہ سطح پر نہیں تھا۔

آرش نے فون جیب میں ڈالا اور دونوں ہاتھوں سے وہ گڈھا کھودنے لگا۔ آرش کے ماتھے پر بل پڑے۔ وہ گڈھا اتنا ہی گہرا تھا، جتنا کہ ابراھیم والا گڈھا، ایک دم منوں سا بھار اسکے سینے میں بیٹھنے لگا، کچھ غلط ہے۔ اتنا تو وہ بتا سکتا تھا۔

اچانک اسکے ہاتھ رکے۔ وہاں کچھ نمودار ہوا تھا، وہ بال تھے۔ گھنگریالے بال۔

وہ ایسے ہی گھنگریالے بال رکھنے والی ایک عورت کو جانتا تھا۔

صبح آرش کے ڈراپ کر کے جانے کے بعد

علایا گھر میں داخل ہوتی سیدھی صوفے پر گری تھی۔

دماغ الجھا ہوا تھا۔ جیب سے فون نکالا۔ وہاں رات کے آئے کچھ میسجز تھے، اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کرتی یا سوچتی اسکرین پر سرمد کالنگ جگمگانے لگا۔

علایا نے کل رات سے فون آف کر رکھا تھا۔ ابھی تو اس نے دیکھا بھی نہیں تھا کہ رات بھر اسے کس کس کی کالز اور میسجز آئے تھے۔

علایا نے کال آن کی اور فون کان سے لگایا۔

"ہاں سرمد کیا ہوا؟"

"علایا وہ آپ نے مجھے جو نمبر ٹریس کرنے کا کہا تھا۔"

علایا ایک دم اٹھ بیٹھی۔

"اس کی لوکیشن ابھی ایبٹ آباد میں لوکیٹ ہو رہی ہے۔"

"واٹ۔۔۔ ویٹ ویٹ تم وہیں رو کو میں ابھی اسٹیشن کی طرف آتی ہوں۔ تم ذرا اس پر نظر رکھنا۔"

کچھ دن قبل

آرش کے resignation والے واقعے پر وہ قدرے ڈسٹرب تھی کہ وہ سرمد کی دی گئی وہ فائلز تسلی اور توجہ سے دیکھ ہی نہیں پائی تھی۔ ابھی گھر آکر اس نے نئے سرے سے وہ فائلز پڑھنا شروع کیں۔

ایسا کیا تھا جو ابراہیم جان گیا تھا۔ اسے بھی جاننے کا تجسس تھا۔ تبھی فائل میں اسے وہ فون کالز کا ڈیٹا ملا۔

وہ کسی ایک سم کا ڈیٹا تھا لیکن حیرت کی بات یہ تھی کہ اس سم سے کی گئی تمام کالز صرف ایک ہی نمبر کو تھی۔

جیسے وہ سم کسی ایک شخص سے رابطے کے لیے مختص ہو۔ ابراہیم نے اس فون کا آئی پی ایڈریس بھی نکال رکھا تھا۔

علایا کے صفحوں میں سے گزرتے ہاتھ سست پڑھ رہے تھے۔

ابراہیم بہت کچھ جانتا تھا۔

اور یہ بہت کچھ جاننا اس کی جان لے گیا۔

اور پتا ہے اصلی تکلیف کی بات کیا ہے؟

علایا نے ایک گہرہ سانس خارج کیا۔

اس سب میں کہیں نہ کہیں الہام کا نام بھی موجود ہے۔

ظاہر نہیں پر چھپا ہوا۔

علایا کا دل کسی سخت حتمی فیصلے سے انکاری تھا۔

فی الحال اس نے وہ نمبر اور آئی پی ایڈریس نکالا اور سرمد کو کانٹیکٹ کرنے لگی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ ابراہیم سے یہ کیس کہاں پر چھوٹا تھا۔

پر وہ ہر حال میں اس کی محنت رائیگاں نہیں جانے دینا چاہتی تھی اور نا ہی اس کی جان کی قربانی۔

علایا اسٹیشن میں موجود تھی۔

سرمد کمپیوٹر کی اسکرین کی سامنے بیٹھا لوکیشن دیکھ رہا تھا۔

اور علایا اس کی کرسی کی پشت پر کھڑی بغور اسکرین دیکھ رہی تھی۔

وہ لوکیشن یہی تھی۔ایبٹ آباد میں۔

"وہ جو کوئی بھی ہے وہ نہیں جانتا کہ اسے ٹریس کیا گیا ہے۔"

سرمد نے علایا کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔

"ورنہ اگر وہ کوئی شاطر انسان ہے تو وہ کبھی بھی ٹریس ہونا نہیں چاہے گا اور میرے خیال میں ابراہیم جس کسی کی بھی تفشیش کر رہا تھا وہ اتنا بیوقوف مجرم تو نہیں ہو سکتا۔"

"پر وہ سائیکو ہو سکتا ہے۔انکے سائیکی دماغ میں کیا چل رہا ہوتا ہے کوئی نہیں جانتا،اور مزے کی بات۔۔۔ہر سائیکو انسان عقلمند نہیں ہوتا، جتنا وہ خود کو سمجھتا ہے۔" علایا کرسی کی پشت چھوڑتی کہتی سیدھی ہوئی۔

"سعد کہاں ہے۔تم یا سعد کسی کو ابھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔" علایا فون پر لوکیشن آن کر رہی تھی۔

"سعد کا آج آف تھا۔"

"گریٹ تو پھر تم آرہے ہو میرے ساتھ۔" علایا کہتی دروازے کی طرف مڑ گئی۔

اور تبھی اچانک سرمد کی کال رنگ بجنے لگی۔

"اوہ علایا۔۔ویٹ۔۔"اس نے کال آن کی، فون کان سے لگایا۔

علایا نچلا ہونٹ چباتی، مسلسل کچھ سوچتی غیر ارادی طور پر سرمد کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ہر گزرتے لمحے کے ساتھ علایا کو وہاں عجلت بڑھتی دیکھائی دی، حتی کے سرمد نے فون کان سے ہٹایا۔

"کیا ہوا خیریت ہے بھئی؟"

"نہیں دراصل آج نئے ٹیم لیڈر نے آنا تھا،اور مجھے انھیں پک کرنے جانا تھا، جو کہ میرے دماغ سے یکسر نکل گیا۔۔" کہتا وہ اب دانت پر دانت جمائے علایا کو سوالیہ انداز میں دیکھ رہا تھا۔

"نیا ٹیم لیڈر؟ یہ کب ہوا۔۔۔" اب وہ کیا بتاتی کے اس کے اندر کا کمینہ انسان یہ امید لگائے بیٹھا تھا کہ آرش کے بعد اسکو ٹیم لیڈڑ کا عہدہ سونپ دیا جائے گا۔

"اچھا خیر کوئی بات نہیں، تم جاو، امید ہے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی ہو گی، باقی یہاں کا معاملہ میں دیکھ لیتی ہوں۔۔۔ میں ویسے بھی اکیلی ہی جانے والی تھی۔"

علایا نے ہوا میں ہاتھ جھلاتے ہوئے اسے جانے کا اشارہ کیا

سرمد تذبزب میں علایا کو دیکھے گیا۔

"ارے جاو بھئی کیا ہو گیا۔ نوکری عزیز نہیں ہے کیا؟"

"آہ ہشٹ۔۔۔ لیکن میں انھیں ڈراپ کرتے ہی ادھر واپس آجاوں گا۔ اوکے۔۔" عجلت میں کہتا وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔

علایا اس لوکیشن کے تعاقب میں، اس عمارت کے سامنے موجود تھی۔

LAND FROM HEAVEN

علایا پولیس آئی ڈی کارڈ نکالتی، آرفنیج کے سامنے بیٹھے سیکیورٹی گارڈ کی طرف بڑھ گئی۔

"سلام چاچا۔"

وہ ادھیڑ عمر گارڈ علایا کی آواز پر اپنی جگہ سے کھڑا ہوا۔

"ہاں بیٹا، کیا ہوا۔"

علایا نے جواباً اپنا کارڈ سامنے کیا۔۔۔ "میں ایبٹ آباد پولیس اسٹیشن سے انسپکٹر علایا گلزار۔"

"جی تھانیدارنی جی، کہیے کیا ہوا؟"

"کیا اپنے یہاں کسی مشکوک انسان کو آتے جاتے دیکھا ہے، بس ابھی کی ہی ٹائمنگ میں۔ یا کوئی نیا شخص جو عموماً یہاں نا آتا ہو؟"

"نہیں جی آج تو ایسا کچھ نہیں دیکھا جی، بھلا یہاں یتیم خانے میں کوئی کیا کرنے آئے گا؟"

وہ جانتی تھی، وہ شخص یہاں ہے بھی نہیں، وہ لوکیشن، آر فنیج کے پیچھے موجود جنگل میں اتر کر تھی،،، بس ایک اندازہ تھا کہ شاید وہ شخص آر فنیج سے تعلق رکھتا ہو۔

"چلیں کوئی بات نہیں، بہت شکریہ۔"

علایا سر کو ذرا جھکا دیتی، الوداعیہ انداز میں گارڈ سے دور ہوتی عمارت کی دیوار کے ساتھ ساتھ ہولی۔ آر فنیج کا میدان قدرے بڑا تھا، اور وہ دیوار اسکا احاطہ کیے ہوئے تھی۔ سو وہ بھی کافی دور تک جاتی تھی۔

وہ لوکیشن اب مزید لائیو نہیں تھی، پر علایا فون کی اسکرین تکتی، اسکی آخری لوکیشن کی طرف جا رہی تھی، حتی کے وہ آر فنیج کے پچھلے حصے میں اتر آئی، وہ ایک ڈھلان تھی۔

اور آہستہ آہستہ وہ ڈھلان اس جنگل میں اتر رہی تھی۔

آر فنیج کے پیچھے موجود وہ جنگل۔

(تو پھر تم چل رہی ہو نا میرے ساتھ آر فنیج کے پیچھے موجود جنگل۔۔۔۔۔۔)

"بھلا ایک جنگل میں ہی کیوں؟۔۔۔ ہوپ سو کے وہ آخر میں ایک گرا بند فون نا نکلے۔"

علایا نے خود کو کوسا تھا۔ لمحے بھر کو اسے محسوس ہوا کے وہ یہاں صرف وقت کا ضیاع کرنے آئی ہے۔

پر پھر اپنا توازن سنبھالتی، آہستہ آہستہ ڈھلان میں اترنے لگی۔

اپنے دھیان چلتی، وہ ایک دم ٹھٹکی، وہاں سامنے سے ایک بڑا سا جنگلی خرگوش گزرا تھا۔

(مجھے جنگلی خرگوش دیکھنے تھے۔)

"ہوہ۔۔"

علایا نے ایک گہرا سانس خارج کیا اور فون کی بند ہوئی اسکرین آن کی۔

اور لمحے بھر کو ساکت سی ہوئی تھی، بے یقینی کے انداز میں فون کی اسکرین چہرے کے قریب لے کر آئی، وہ لوکیشن پھر لائیو تھی، عین اسی جگہ، جیسے فون دوبارہ آن کیا گیا ہو۔

وہ جو کوئی بھی تھا اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر رہا تھا۔

غیر محسوس انداز میں علایا کی گن اسکی بیلٹ سے نکل کر اسکے ہاتھ میں منتقل ہو چکی تھی، گن کی سیفٹی ہٹائی اسکا منہ زمیں کی جانب کیے اگے بڑھنے لگی۔

گن پر اسکی گرفت مضبوط تھی پر انگلی ٹریگر سے دور تھی۔ وہ لاشعوری طور پر کسی معصوم کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتی تھی۔

وہ مدھم گنگناہٹ۔

علایا رکی۔

پیڑ کے پیچھے، اور دوسری جانب سے آتی وہ مدھم گنگناہٹ۔

علایا نے محفوظ اینگل سے دوسری جانب سے ذرا سر نکال کر دیکھا۔

اسکی آنکھیں سلو موشن میں پھیلنے لگیں۔

لال بال۔

اسکی پشت پر پڑے وہ لال بال۔

اوران بالوں کی اوٹ میں ہلکی گنگناہٹ۔

اس سے پہلے کے علایا مزید ایک قدم بڑھاتی، وہ لال بال ایک جھٹکے سے لہرائے اور وہاں ایک سپید معصوم سا چہرہ علایا کی جانب مڑا۔ وہ آنکھیں علایا کی عین آنکھوں میں آ کے ٹھہری۔

علایا کو لگا جیسے وہ چھپن چھپائی میں پکڑی گئی ہو۔

یوں کے اب وہاں سے کسی فرار کا راستہ نہیں۔

سامنے کھڑا وجود اپنی نظروں سے ایک آفیسر کے وجود پر حاوی ہو رہا تھا۔

علایا نے گن اب عین ان لال بالوں کے درمیان موجود چہرے پر تانی تھی۔

گن کے متوازی فاصلے پر موجود وہ چہرے کنفیوزڈ سے انداز میں ذرا ایک طرف کو جھکا، بڑی بڑی آنکھیں، مزید پھیل گئیں۔

"کیا یہاں خوگوش پکڑنا منع ہے؟"

آواز کی باریکی اور لہجے کی معصومیت۔ وہ علایا سے مخاطب نہیں تھی

علایا کا کانفیڈنس لمحے بھر کو لڑکھڑایا۔

"نہیں تو تمہیں کس نے کہا یہاں خوگوش پکڑنا منع ہے؟" وہ ایک تیسری آواز تھی۔

اور وہ ایک مانوس آواز تھی۔

علایا بجلی کی سی رفتار سے مڑی۔ اپنے پیچھے کھڑے اس وجود کو دیکھا۔

اور اس لمحے میں وہ گوشت چیرنے کی آواز۔ ایک تیز دھار آلہ جب کسی گوشت سے پار ہو اور خون کا ایک فوارہ سا ابل پڑے۔

وہ ایک مانوس چہرہ تھا۔ مگر۔۔۔ کیا مانوس چہرے بھی دھوکہ دے سکتے ہیں؟

وہ آلہ واپس کھینچا گیا۔ علایا کو لگا اسکی زندگی اس آلے کے ساتھ کھینچی گئی تھی۔ علایا مکمل مڑی۔

علایا نے دونوں ہاتھوں سے اپنے پہلو کو چھپانا چاہا تھا۔

اور وہ سامنے اس مانوس چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

"الہام، خون۔۔۔۔ پلیز۔۔۔ مجھے تکلیف ہو رہی ہے۔"

ابھی الہام اسے تھام لے گی، ابھی الہام اسے ہسپتال لے جائے گی۔

"وہ ایک انسان ہے بیلا، وہ خوگوش نہیں ہے۔" الہام علایا کی آنکھوں میں دیکھتی، علایا کی پشت پر موجود بیلا سے مخاطب تھی۔

بیلا جواباً اسے منہ چڑاتی، ہنستی ایک طرف ہولی۔ جاتے جاتے بڑبڑائی۔

" آج تو میں ایک بڑا تازہ خرگوش ڈھونڈ لوں گی۔"

(ایک سائکوپیتھ اتنا ذہین نہیں ہوتا جتنا وہ خود کو سمجھتا ہے)

علایا نے گن والا خون آلود ہاتھ اپنے پہلو سے اٹھایا، اور بمشکل مڑ کر بیلا کو شوٹ کرنے کی کوشش کی۔ اسکے ہاتھ میں لغزش تھی۔

اس نے اپنے ہاتھ پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا۔

الہام نے اسکا گن والا ہاتھ آہستگی سے نیچے کیا۔

"ہم کب دو الگ طرف جا کھڑے ہوئے علایا؟ پتا ہی نہیں چلا۔"

وہ اپنی ازلی مسکراہٹ سے بول رہی تھی۔

مسلسل خون بہنے سے علایا کے دماغ پر دھند چھانے لگی تھی، اعصاب جواب دے رہے تھے۔ اور پھر نجانے کب وہ لڑکھڑاتی الہام کے قدموں میں زمین بوس ہو گئی۔ زمین پر بیٹھتے ہی اسکی نظر الہام کے سفید پمپس میں مقید پاؤں پر پڑی، وہاں ایک کٹ کا لمبا سا نشان تھا۔

شاید وہ جانتی تھی کہ کب وہ دونوں دو الگ طرف جا کھڑی ہوئی تھیں۔

"تم نے کہا تھا آج تم مجھے ایک عدد خرگوش پکڑنے دو گی، لیکن دیکھو تم نے پھر مجھے اس کام پر لگا رکھا ہے۔" بیلا بولتی ہاتھ میں پکڑی کئی ہوا میں جھلاتی احتجاجاً بولی تھی۔

"ماں کو ادھورے کام پسند نہیں بیلا، تم جانتی ہو۔"

سامنے موجود گڈھا قدرے گہرا ہو چکا تھا۔

(ایک سائکوپیتھ اتنا ذہین نہیں ہوتا جتنا وہ خود کو سمجھتا ہے، پر اگر وہ ایک ذہین ساتھی رکھتا ہو تو....)

"پر کیا یہ لڑکی تمہیں جانتی ہے؟" بیلا کیسی تجسس سے بولی

"بس ٹھیک ہے، اب تم اسے گڈھے میں ڈال سکتی ہو۔" الہام نے یکسر مختلف جواب دیا۔

ان دونوں کے بعد اس منظر میں موجود وہ تیسرا وجود بمشکل زمین پر رینگنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیاایک طویل دن وہ ہوتا ہے جب اس میں موجود کرداراس دن کا اختتام نادیکھ پائے؟

پراسکی رینگنے کی کوششیں ناکام ثابت ہوئیں، اوراس لال بالوں والی بڑی آنکھوں والی خوبصورت لڑکی نے اسے دونوں ٹانگوں سے پکڑااور، گڑھے کی طرف گھسیٹنا شروع کیا۔

مٹی سے اٹے اسکے گھنگریالے بال بکھر چکے تھے، اور انکی اوٹ سے جھانکتا چہرہ، بمشکل اپنی آنکھیں کھلی رکھے الہام کو دیکھنے کی کوشش کررہا تھا۔

پرالہام بہت دور تھی، اتنی دور کے وہ اسے چاہ کر بھی نہیں دیکھ پارہی تھی، سامنے انکے قریب درخت سے ٹیک لگائے کھڑا، سیگرٹ ہونٹوں تلے دبائے۔ علایا کو دیکھتا وہ چہرہ، اب مانوس نہیں رہا تھا، وہ چہرہ اب الہام کا نہیں رہا تھا۔ علایا ایک دفعہ پھر حقیقت کو بدلتا دیکھ رہی تھی۔ شاید وہ اب یقین کرلے، کہ حقیقت سب کچھ ہے اور حقیقت دراصل کچھ بھی نہیں۔

منظر کب سیاہ ہوا نہیں معلوم، لیکن آخری احساس جو اس نے محسوس کیا تھا، اسکے وجود پر بڑھتا بھار تھا۔

مٹی؟ کیا وہ مٹی تھی؟

آرش بجلی کی مانند جلدی جلدی وہ مٹی ہٹانے لگا، چہرہ واضح ہوا، وہ چہرہ جو وہ وہاں نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

وہ علایا کا چہرہ تھا، آرش بیٹھے بیٹھے لڑکھڑاتا پیچھے کو گرا تھا۔

"لاش۔۔"

کیا وہ آخری لفظ تھا لاش۔ آرش کی کانوں میں تیز سنسنی دوڑی، وہ اس نے علایا کی گردن پر سے مٹی ہٹائی، اپنی شہادت اور درمیانی انگلی سے اسکی گردن کو چھوا، نظریں سامنے دور جنگل کے سناٹے میں تھیں۔

وہ وہاں صرف ایک دھڑکن محسوس کرنا چاہتا تھا، پر وہ اس سناٹے میں صرف اپنی دھرکن کیوں سن رہا تھا۔

اچانک وہاں، اسکی پشت پر قدموں کی چاپ ابھری۔

"علایا؟" وہ سرمد کی آوز تھی، نئے ٹیم لیڈر کو ڈراپ کر کے وہ سیدھا اس لوکیشن پر آیا تھا، جہاں وہ اور علایا ایک ساتھ آنے والے تھے، آرش نے گھوم کر سرمد کی جانب دیکھا۔

سرمد کی آنکھوں میں جس قدر سوال تھے، آرش کی آنکھیں اس قدر خالی تھیں، مکمل خالی۔۔۔

ریڈ منشن

بھاری بھر کم، سیاہ دروزہ دھکیلا گیا جو کہ ایک گڑ گڑاہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ دروازہ کھلتے ہی سامنے اینٹوں کی لمبی راہداری تھی، جو کہ اس مینشن کے داخلی دروازے پر جا کر ختم ہوتی تھی، سفید ہیلز اب اس اینٹوں کی راہداری پر متوازن چال چلتیں، داخلی دروازے پر پہنچیں، کہنی میں ڈالے پرس سے وہ بڑی سے چابی نکالی گئی اور دروازی ان لاک کیا گیا۔ چابی گھماتے اس ہاتھ کی انگلی میں وہ ابھی حال میں ہی واپس لگائے گئے نگینے والی آنگوٹھی، سلامت چمک رہی تھی۔

دروازہ کھلا اور وہ دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہوئی، ریڈ منشن کا ہال خاموش اور تاریک تھا۔

"الہام یہ کیا ہے؟" اچانک آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی، سفید ہیلز پوری گھومیں، سامنے بیلا موجود تھی۔

وقت ٹھہرا۔۔۔ ریڈ منشن کیا ہے؟ آپ جاننا چاہیں گے؟

سو وقت نے ریڈ منشن کے ہال میں لگے بڑے سے گھڑیال کی سوئی پکڑی اور اسے الٹی جانب گھمادیا، حتی کہ ہم پہنچ گئے تب، جب الہام سامنے کھڑی خون سے سرخ ہوتے بالوں والی علایا کو دیکھتی اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہی تھی۔ اب کہ آنکھیں رگڑتے ہی جو منظر صاف ہوا تو وہاں سامنے انسانی ٹانگیں تھیں۔ وہ جہاں تھی وہیں فریز ہوئی تھی۔ منظر پھر دھندلانے لگا۔

الہام نے آنکھیں رگڑیں، چہرہ اٹھایا۔

"امی۔۔۔"

"ابو۔۔۔"

"آرش۔۔۔"

"علایا۔۔۔۔"

(اس سب کو پکارا تھا سوائے بیلا کے)

سامنے کھڑی چودہ پندرہ سالہ لڑکی اپنی ازلی بڑی بڑی آنکھوں اور شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

(اور وہاں کوئی بھی نہیں آیا تھا سوائے بیلا کے)

اس کے سیاہ بال سر کی ایک طرف سے جیسے خون کی وجہ سے لال تھے اور آنکھیں عجیب خوشی سے چمک رہی تھیں۔

"سوری۔۔۔۔۔ س۔۔۔۔ سوری بیلا وہ میں۔۔۔۔۔"

الہام ہکلاتی کھڑی ہوتی بیلا سے دور ہوئی تھی۔

"مجھے یہ کھیل پسند آیا۔" بیلا چہکی تھی۔ "مجھے یہ کھیل بہت پسند آیا۔" پھر تقریباً الہام سے چپکتی وہ خوشی سے بولی۔

الہام کا سکتہ ایک دم ٹوٹا۔

"پتا ہے الہام یہاں آنے سے پہلے مجھے کوئی ملا تھا، اس نے کہا اسے بھی ایسے کھیل پسند ہیں، اور اس نے کہا کے وہ تم سے ملنا چاہتی ہے۔"

بیلا کے اس نئے انکشاف پر الہام کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، کیا بیلا پولیس کی بات کر رہی تھی؟

الہام کا سر خود بخود نفی میں ہلتا چلا گیا، اس سے پہلے کہ وہ ہاں سے دوڑ لگا دیتی، اچانک انکی وارڈن وہاں آن پہنچی۔

"تم دونوں لڑکیاں یہاں کیا کر رہی ہو؟"

اس سے پہلے کے بیلا کچھ بولتی، الہام ایک دم سامنے آئی۔۔۔۔۔ "وہ یہ۔۔۔ یہ بیلا کو چوٹ آئی تھی، تو ہم نرس آفس کی طرف جا رہے تھے۔" بیلا نے حیرت کم زیادہ خوشی کے تاثرات سے الہام کو دیکھا۔ الہام نے اسکے لیے جھوٹ بولا تھا۔ الہام نے بیلا کے لیے جھوٹ بولا تھا۔

"ہاں ہم نرس کے آفس جا رہے ہیں۔" بیلا نے مکمل ساتھ دیا۔

وارڈن کی تسلی تو نا ہوئی تھی، پر بیلا کا حلیہ دیکھ کر پھر انھیں جانے دیا۔

بیلا کی پٹی ہونے کے بعد نرس نے انھیں وہیں رکنے کا کہا تھا، تا کہ وہ باہر سے کچھ ختم ہوئی ادویات لے آئے۔

"تو مطلب اب تم میرے ساتھ یہ کھیل کھیلو گی؟" بیلا نے چھوٹتے ہی کہا تھا۔

"وہ کھیل نہیں تھا بیلا۔" الہام چڑی تھی، اسکی سانسیں ابھی تک مکمل متوازن نہیں ہوئیں تھیں۔

بیلا کی مسکراہٹ پھیلی، معمول سے زیادہ، آنکھیں مزید بڑی ہوئیں۔

"تو کیا تم مجھے اکیلا چھوڑ کر جانے والی تھیں" الہام کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتی بولی۔الہام کی ہچکی نکلی، وہی آنکھیں ۔۔وہی شیطانی مسکراہٹ۔۔۔الہام کو ان دونوں سے ہی خوف آتا تھا۔

"نہیں میں کہیں نہیں جا رہی تھی،،،میں تمہیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاوں گی۔" الہام نے کسی سحر کے اثر خود بخود بولا تھا۔بیلا چہکتی اسکے بازو سے چپک گئی۔

"مجھے پتا تھا، تم مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جاو گی۔"

آج لنچ کے بعد تمام بچے اپنے اپنے ڈورمز کی طرف جا چکے تھے جب، الہام اور بیلا کو انکی ٹیچر نے روک لیا۔

"بیلا، الہام، تم دونوں کو پرنسپل کے آفس چلنا ہو گا۔"

الہام کو لگا ٹیچر نے اسکی سانس کی نالی کو دبوچ لیا تھا۔بیلا ٹیچر کے پیچھے پیچھے چل دی، الہام وہیں کھڑی سکتے میں دونوں کی پشت دیکھتی رہی۔اگر پرنسپل کع پتا چل گیا تو وہ تو اسے جیل بھجوا دیں گی، یا شاید۔۔۔اسکا دماغ بے وقت ہر وارسٹ کے بارے میں سوچنے لگا۔

"الہام چلو" بیلا دور سے چلائی۔

الہام نے روکا سانس خارج کی۔اس کا اختتام یوں ہی لکھا تھا، اسے لگا اسے اب قبول کر لینا چاہیئے۔۔۔ایک حتمی سوچ کے ساتھ وہ قدم قدم چلتی بیلا کے ساتھ جا ملی۔

ٹیچر کی سر براہی میں وہ دونوں آفس میں داخل ہوئیں، اندر داخ ہوتے ہی ٹیچر ایک طرف ہو گئیں اور بیلا اور الہام کو کمرے میں پڑے صوفے کے نزدیک کھڑا کر دیا۔

سامنے پرنسپل کی میز کے پیچھے پرنسپل اپنی کرسی پر براجمان تھیں، اور ان کے متوازی میز کی دوسری طرف ایک خاتون۔

"باقی کا پراسس تو آپ دیکھ لیں گی رایٹ پرنسپل؟" صاف اور چالاک سی آواز۔

الہام کے معدے میں ایک گرہ پڑی تھی، اسے کچھ کچھ سمجھ آ رہا تھا کے یہاں کیا ہو رہا ہے۔اڈاپشن، وہاں میز پر اڈاپشن کی بات چل رہی ہے۔

بات مکمل کر کے وہ خاتون اپنی جگہ سے کھڑی ہوئیں، پلٹیں۔ سپاٹ سے چہرے سے چہرے کے ساتھ ان دونوں لڑکیوں کو دیکھا،

الہام نے نوٹس کیا تھا کہ بیلا مسلسل مسکرا رہی تھی، جیسے وہ اس خاتون کو جانتی ہو، تبھی بیلا نے الہام کے کان میں سرگوشی کی۔ "میں انھیں کی بات کر رہی تھی الہام۔" الہام کی آنکھیں پھیلیں،

مکمل سیاہ لباس میں ملبوس، بال نفاست سے ایک جوڑے میں باندھے، اور اس سب مین نمایا لال ہونٹ۔ وہ چلتیں ان دونوں کے قریب آ رہی تھیں۔ عین الہام کے چہرے پر سیاہ ہیلز کی آواز تھمی۔

"ہم آج ہی جا رہے ہیں، تم دونوں اپنا سامان پیک کر لو۔ آج سے تم دونوں میری بیٹیاں بن کے رہو گی۔" لہجے میں بسی شفقت ابھی کچھ دیر پہلے کے لہجے سے مکمل مختلف تھی۔

ٹیچر پرنسپل کے کہنے پر ان دونوں کا سامان پیک کروانے لے گئیں۔ جاتے جاتے الہام نے ایک آخری دفعہ اس عورت کو دیکھا تھا، ان لال ہونٹوں پر اب ایک مکمل مسکراہٹ تھی۔

اور پھر اگلے چند گھنٹے کیسے گزرے نامعلوم، اور وہ تینوں، انسانی آبادی سے الگ اس عمارت کے سامنے موجود تھیں۔

"ریڈ منشن۔" تختی پر نمایاں تھا۔

بھاری بھرکم، سیاہ دروزہ دھکیلا گیا جو کہ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔ درازہ کھلتے ہی سامنے اینٹوں کی لمبی راہداری تھی، جو کہ اس مینشن کے داخلی دروازے پر جا کر ختم ہوتی تھی، سفید ہیلز اب اس اینٹوں کی راہداری پر متوازن چال چلتیں، داخلی دروازے پر پہنچیں، کہنی میں ڈالے پرس سے وہ بڑی سے چابی نکالی گئی اور دروازا انلاک کیا گیا، چابی گھماتے اس ہاتھ کی انگلی میں وہ ابھی حال میں ہی واپس لگائے گئے نگینے والی آنگوٹھی، سلامت چمک رہی تھی۔

دروازہ کھلا اور وہ دروازہ دھکیلتی اندر داخل ہوئی، ریڈ منشن کا ہال خاموش اور تاریک تھا۔

"الہام یہ کیا ہے؟" اچانک آواز اسکے کانوں سے ٹکرائی، سفید ہیلز پوری گھومیں، سامنے بیلا موجود تھی۔

"میں بھی اتنا ہی جانتی ہوں جتنا کے تم بیلا۔" الہام نے کہہ کر ہال کا فانوس روشن کیا۔

''ماں کو تم نے بتایا تھا کہ آرش سید پور میں ہے۔'' بیلا چبھتے سے انداز میں بولی، اب وہ الہام کے عین سر پر موجود تھی۔

''پر آرش۔۔۔آرش کو کس نے بتایا کے ماں سید پور میں ہے؟'' بیلا کا انداز ہزیانی ہو رہا تھا۔

الہام نے اپنے پرس سے ایک انگوٹھی نکالی اور بیلا کی جانب بڑھائی، ''تم یہ کہیں بھول آئی تھی بیلا۔''

بیلا کا دھیان ایک دم بٹا، الہام ہال کے ساتھ موجود کچن ایریا کی جانب آئی سنک کے نزدیک آکر اپنا پرس اتارا۔ اس میں سے ایک خون آلود کپڑا نکال کر پاس ڈسٹ بن میں پھینکا۔

وہ کپڑا لال تھا، الہام کے خون سے۔۔۔اور ننھے سفید خرگوش کے خون سے۔ الہام نے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

''بیلا، ہم آج اٹلی کے لیے نکل رہے ہیں، اپنا سامان پیک کرلو۔'' سنک میں ہاتھ دھوتی الہام اونچی آواز میں بولی۔

''اور ماں کا کیا الہام۔'' بیلا روہانسی سی بولی

''تم اسکی فکر مت کرو، وہ اپنا خیال خود رکھنا جانتی ہیں۔''

''اور وہ لڑکی جسے ہم آج دفنا کر آئے ہیں، اسے کیوں مارا تم نے؟ تم ہمیشہ مجھے وجہ بتاتی ہو قتل کی۔'' بیلا صدا کے تجسس سے بولی۔

''مجھے ایک موقع دیا گیا تھا، بیلا، ایک چناو کرنے کا۔۔۔''

ابراھیم، علایا، الہام بتانی، بیلا، آرش۔۔۔اسکے دماغ میں ایک لسٹ چل رہی تھی۔

''مجھے کسی ایک کو چننا تھا۔''

بیلا نے ناسمجھی میں کندھے اٹھائے ''تو تم نے کس کو چنا؟''

''میں نے کس کو چنا؟'' الہام زیر لب بڑبڑائی

اب کے اسکے دماغ میں کوئی لسٹ نہیں چل رہی تھی، وہاں ایک جواب تھا اور اٹل خاموشی۔

''کیب آچکی ہوگی، ہم ابھی ایئر پورٹ کے لیے نکل رہے ہیں۔'' الہام کی بات پر بیلا اپنا سامان اٹھانے کے لیے دوڑی تھی۔ الہام نے آہستگی سے اپنے پرس کی زپ واپس بند کی۔

بیلا آچکی تھی۔ الہام نے بیلا کی جانب ایک مسکراہٹ اچھالی اور پھر اسکے ساتھ ریڈ مشن کے داخلی دروازے کی جانب بڑھ گئی۔

کچھ دیر میں کیب انھیں ائیر پورٹ پر ڈراپ کر کے جا چکی تھی، فلائیٹ میں زیادہ وقت باقی نہیں تھا، پیسنجرز چیک ان کر رہے تھے جب الہام ایک دم اپنے پرس میں کچھ تلاشتی، رکی۔

"اب کیا ہوا الہام، ہمارے پاس وقت نہیں ہے،"

"تم چلو بیلا میں آتی ہوں۔" الہام نے ہاتھ کے اشارے سے اسے جانے کا کہا۔ جب بیلا جا چکی تو الہام اپنا پرس چھانتی ایک طرف کو ہو گئی، یوں کہ وہ بیلا کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

الہام ابھی تک نہیں آئی تھی، جب بیلا کی چیک ان کی باری آئی، بیلا نے اپنا پاسپورٹ ریسپشنسٹ کی جانب بڑھایا، بیلا کے چہرے اور حرکات میں بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

پاسپورٹ پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا، چہرہ دوسری جانب الہام کی متلاشی تھا۔ لمحے سرکے، اسکا ہاتھ ابھی تک خالی تھا،

"ہیے۔۔" بیلا فرسٹریشن سے ریسپشنسٹ کی جانب مڑی۔

ریسپشنسٹ اپنے پاوتھ پیس پر کسی کو اپڈیٹ کر رہی تھی، نظریں بیلا پر ہی جمی تھیں، بیلا کا سانس تھما، آنکھیں پھیلیں۔

"شٹ۔۔" کہتی بیلا فوراً مڑی اس سے پہلے کے وہ وہ قطار چھوڑتی وہاں سے نکلتی، دو بھاری بھرکم آفیسرز نے اسکا رستہ روکا۔ بیلا کی ٹانگیں جواب دے گئیں۔

"مس بیلا اکبر، آپکو انسپکٹر ابراھیم کے قتل کے الزام میں اسی وقت حراست میں لیا جاتا ہے، آپکو خاموش رہنے کا مکمل حق ہے۔۔۔"

اگلے پل میں بیلا کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں تھیں۔۔۔ الہام۔۔ الہام کہاں ہے، بیلا نے چاروں اطراف دیکھا۔

"آپکے منہ سے کہی گئی کوئی بھی بات یا الفاظ، آپکے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں، اپکو اپنا اٹارنی کرنے کا پورا حق ہے اور اگر آپکے پاس اٹارنی نہیں ہے تو اپکو مہیا کیا جائے گا۔"

"مم۔۔ مم میرا اٹارنی ہے۔۔۔ وہ۔۔ وہ۔۔۔" بیلا کی حواس اسکا ساتھ نہیں دے رہے تھے، الفاظ بھی دغا دینے لگے۔

"مجھے ایک موقع دیا گیا تھا، بیلا، ایک چناو کرنے کا۔۔۔"

ابراھیم، علایا، الہام بتانی، بیلا، آرش۔۔۔اسکے دماغ میں ایک لسٹ چل رہی تھی۔

"مجھے کسی ایک کو چننا تھا۔"

بیلا نے نا سمجھی میں کندھے اٹھائے "تو تم نے کس کو چنا؟"

"میں نے کس کو چنا؟" الہام زیر لب بڑبڑائی

سفید ہیلز باتھ روم ایریا کے دروازے سے باہر آئیں، سیاہ سن گلاسسز کی اوٹ میں موجود آنکھیں، ان بھاری بھر کم آفیسرز کے درمیان دور جاتی لال بالوں والی لڑکی کو دیکھ رہی تھیں۔ چہرہ سپاٹ تھا، دماغ میں اٹل خاموشی۔

واضح ہو چکا تھا، الہام سبز واری نے کس کو چنا۔

ایئر پورٹ ہال کی چہل پہل اپنے معمول پر واپس آئی، الہام نے پرس کہنی پر ڈالا، سر پر باندھا سر مئی اسکارف ذرا سیٹ کیا اور سفید ہیلز ائیر پورٹ کے خارجی دروازے کی جانب بڑھ گئیں۔

الہام سبز واری کو۔

\-

چند دن بعد

اسلام آباد پر دن خاموشی سے ڈھل رہا تھا، اس بڑے سے ہسپتال کی پانچویں منزل پر موجود اس پرائیویٹ وارڈ میں موجود خاموشی، وہاں بستر پر بیٹھے وجود کے ساتھ ٹک کر باہر کھڑکی سے اترتا دن دیکھ رہی تھی، ڈھلتے سورج کی نارنجی کرنیں، وارڈ کو بھی نارنجی کئے ہوئے تھیں۔

وارڈ کا دروازہ کھلا، سرمد داخل ہوا اسکے ہاتھ میں چند لفافے تھے جو اسنے قریب میز پر رکھ دیئے۔

"کیسا محسوس کر رہی ہیں آپ علایا، ڈاکٹر نے کہا ہے آپ جلد ڈسچارج ہو جائیں گی۔" کہتا وہ قریب کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"میں اب ٹھیک ہوں سرمد، تمہیں یہ سب لانے کی ضرورت نہیں تھی۔" اشارہ پھلوں کے لفافوں کی طرف تھا۔ رخ ابھی بھی کھڑکی کی جانب تھا۔

"یہ احمت صاحب نے بھجوائے ہیں، آپ نے انھیں خود آنے سے تو منع کر رکھا ہے۔"

علایا نے سب کو ہی آنے سے منع کر رکھا تھا، کوئی سوال نہیں کوئی جواب نہیں، سرمد بھی صرف اسکا سامان پہنچانے آتا تھا۔

نا جانے ایک عجیب سی ناراضگی تھی، یوں کہ وہ سب سے ناراض ہے۔ پوری دنیا سے۔۔ زندگی سے۔۔ لوگوں سے۔۔۔

وہ سب سے ناراض ہے، یہ کہنا آسان تھا، بجائے یہ کہنے کے کہ وہ دراصل کس سے ناراض ہے۔

وہ اسکا کہا فیور پورا نہیں کر پائی تھی، وہ، وہ ٹریکر الہام کے پرس میں نہیں ڈال پائی تھی، سو بدلے میں اس نے بھی اپنا فیور پورا نہیں کیا، کم از کم علایا کا یہی ماننا تھا۔

وہ زمین کے چہرے پر واپس غائب ہو چکا تھا۔ بنا کسی کو بتائے، بنا علایا کو بتائے۔

"الیاس صاحب آپ کی واپسی کا پوچھنا چاہ رہے تھے، میں نے آپکا ریزیگنیشن لیٹر ابھی تک انھیں نہیں دیا۔" سرمد آہستگی سے بولا۔

علایانے ایک گہرا سانس خارج کیا۔

"تمہارے خیال میں اگر الہام یہاں ہوتی تو وہ کیا مشورہ دیتی مجھے؟" علایا پر تکان سے لہجے میں گویا ہوئی، سرمد کے حلق تک ایک کڑواہٹ سی اتری تھی۔ پر اس نے سچ بولنے کو ترجیح دی۔

"وہ آپ کو مووآن کرنے کا کہتیں، ہاں یاناں، ایک فیصلہ لیں اور اس پر چل پڑیں۔ وہ آپکو وہ کرنے کا کہتیں جس پر آپکا دل راضی ہو۔"

"میں فی الحال ایسی سو، شامیں دیکھنا چاہتی ہوں،" علایانے کھڑکی سے باہر اترتی نارنجی پر سکون شام کی طرف اشارہ کیا۔

"آپ ویکیشنز پر چلی جائیں، اور پھر فریش مائینڈ کے ساتھ دوبارہ ٹیم جوئین کر لیں۔"

علایانے بنا سرمد کی جانب دیکھے، آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔

شام کا نارنجی رنگ اب رات کی نیلاہٹ میں گھل رہا تھا۔ ایک طویل دن اپنے اختتام کی طرف تھا

ماضی میں وہ دن جب آرش، علایا کو تقریباً کھو دینے والا تھا۔

وہ وہاں صرف ایک دھڑکن محسوس کرنا چاہتا تھا، پر وہ اس سناٹے میں صرف اپنی دھڑکن کیوں سن رہا تھا۔

اچانک وہاں، اسکی پشت پر قدموں کی چاپ ابھری۔

"علایا؟" وہ سرمد کی آوز تھی، نئے ٹیم لیڈر کو ڈراپ کر کے وہ سیدھا اس لوکیشن پر آیا تھا، جہاں وہ اور علایا ایک ساتھ آنے والے تھے، آرش نے گھوم کر سرمد کی جانب دیکھا۔

سرمد کی آنکھوں میں جس قدر سوال تھے، آرش کی آنکھیں اس قدر خالی تھیں، مکمل خالی۔۔۔

"تم گاڑی لائے ہو سرمد؟ ہمیں فوراً ہسپتال پہنچنا ہوگا۔ بلکے نہیں، تم ایمبولیس کو کال کرو"

آرش کے الفاظ ٹوٹے ہوئے تھے،

سرمد کیسی ٹرانس سے جاگا، نہیں بے یقینی کے عالم میں کسی روبوٹ کی مانند اس نے کیسے، آرش کے ساتھ مل کر علایا پر سے مٹی ہٹائی اور اسے ایمبولینس تک لایا، نرس بوئز، علایا کی باقی بچی سانسوں کو تھامنے کی مکمل کوشش کر رہے تھے،

جب سرمد نے آرش کو دوسری جانب جاتے دیکھا۔ دوڑتا آرش کی جانب آیا، اور اسے کندھے سے پکڑ کر روکنا چاہا،

آرش رکا، کچھ لمحوں کے توسط سے سرمد کی جانب مڑا،

سرمد کا سانس ایک پل کے لیے رکا تھا، آنکھیں پھیلیں۔۔۔ آرش کی آنکھیں سرخ تھیں۔

ایمبولینس جا چکی تھی،

سرمد کیا کہنے والا تھا، وہ بھول گیا، صرف ایک چیز جو وہ سمجھ پا رہا تھا وہ سامنے کھڑے شخص کا جبر تھا، جبر جو کہ آرش اس وقت خود پر کیئے ہوئے تھا۔

آرش نے ہاتھ سے کار کی جانب اشارہ کیا، وہ سرمد کو جانے کا کہہ رہا تھا، خود اسکے قدموں کی سمت اپنی کار کی جانب تھی۔

سرمد احساس ہونے پر فوراً اپنی کار کی جانب بھاگا، اسے جلد از جلد ہسپتال پہنچنا تھا۔

آرش خاموشی سے وہیں کھڑا رہا، جب اچانک اسکی جیب میں تھرتھراہٹ ہوئی۔

اسکی انٹیلیجنس ٹیم سے چیف کا میسج تھا،اسے فوراً واپس بلایا جا رہا تھا۔اس نے اپنے ریسورسسز کا استعمال اپنے مشن کے علاوہ کیا تھا، جس کا ثبوت اس وقت زیرِ حراست بیلا تھی۔ جس پر اسے فوراً رپورٹ دینی تھی۔

آرش نے حلق میں اٹکا ایک گولہ سا نگلا تھا۔

فون آف کر کے واپس جیب میں گرایا۔ نظر اپنے ہی ہاتھ پر گئی،

وہ ابھی تک مٹی سے اٹا تھا،

آرش وہ ہاتھ چہرے کے نزدیک لایا۔۔اور پھر اسی ہاتھ میں اپنا چہرہ چھپا لیا۔

اسکی جیب میں پڑا فون پھر تھرتھرا رہا تھا۔

کہانی کا اختتام

"دنیامیں اچھے لوگ برے لوگوں سے زیادہ ہیں، لیکن پھر دنیامیں برائی زیادہ کیوں ہے؟"ایک دفعہ الہام نے احمت صاحب سے پوچھا تھا۔

"اچھائی اور برائی کی موجودگی انسانوں میں تقسیم نہیں ہے، جیسے کے کچھ انسان اچھے اور کچھ انسان برے۔ نہیں ایسا نہیں ہوتا"

"تو پھر؟"

"اچھائی اور برائی ایک باریک لکیر کے اطراف موجود ہے،ایک طرف اچھائی اور دوسری طرف برائی،اور وہ لکیر ہر دل سے گزرتی ہے،ہر ایک دل سے۔ ہر ایک دل کو برابر دو حصوں میں تقسیم کرتی، کبھی کبھی حالات اور واقعات سے پیدا کردہ لغزش کی وجہ سے وہ لکیر اپنی جگہ سے ہل جاتی ہے،اور ایک حصہ دوسرے حصے پر صبغت لے جاتا ہے، لیکن جب تک کے وہ لکیر اپنی جگہ واپس نا آجائے۔"

"کیا میں ایک وقت میں اچھی اور بری ہو سکتی ہوں؟"

"ہر انسان ہی ایک ہی وقت میں اچھا اور برا دونوں ہوتا ہے۔"

----

epilogue

دو سال بعد

"تو فائینلی تم شادی کے لیے تیار ہو؟" یوشع پلیٹ میں پڑا اسٹیک کا پیس کانٹے میں پھنساتا بولا

"ہاں، میں اسی سال شادی کروں گی۔" ہالہ نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ چہرے پر ایک مبہم مسکراہٹ تھی۔

"اور تمہارا وہ کیس کہاں تک پہنچا جس پر تم اض کل ایکٹو ہو؟"

"نتائج جلد ہی میڈیا پر آ جائیں گے، بہت جلد تم میرے کیریر کا پہلا اتنا اہم کیس کے کامیاب نتائج دیکھو گے۔"

ہالہ ایبٹ آباد پولیس اسٹیشن میں ڈرگ کرائم ٹیم کا حصہ تھی، پڑھائی اور دیگر پروٹوکول مکمل ہونے کے بعد اب باقاعدہ کام کر رہی تھی۔

" گریٹ تو مجھے تیاری شروع کر دینی چاہئے، شادی کی۔" یوشع مسکراتا بولا، نیپکن سے چہرہ تھپتھپایا۔

چند لوگ عین یوشع کی کرسی کے پیچھے آ کے کھڑے ہوئے تھے۔

"ہاں تمہیں تیاری شروع کر دینی چاہیئے ہے۔ مسٹر یوشع۔۔۔ مگر شادی کی نہیں۔۔۔"

ہالہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی، "جیل جانے کی۔"

یوشع کے پیچھے موجود ایک شخص آگے آیا۔ وہ سعد تھا۔

یوشع کے سامنے آ کر آرسٹ وارنٹ یوشع کے چہرے کا سامنے لہرایا۔ "مسٹر یوشع، آپکو اسی وقت ڈرگ ٹریفیکنگ کے کیس میں ٹھوس ایویڈینس کی موجودگی میں حراست میں لیا جاتا ہے، آپکو خاموش رہنے کا مکمل حق ہے، آپکے منہ سے کہی گئی کوئی بھی بات یا الفاظ، آپکے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں، آپکو اپنا اٹارنی کرنے کا پورا حق ہے اور اگر آپکے پاس اٹارنی نہیں ہے تو آپکو مہیا کیا جائے گا۔"

آریسٹ وارنٹ اسکے چہرے کے سامنے لہرا رہا تھا، بھاگنے کے سارے راستے فی لحال مفلوج ہو چکے تھے۔ وہاں سعد کے وارنٹ پکڑے ہاتھ میں انگلی میں وہ باریک انگوٹھی چمک رہی تھی۔ یوشع ٹھٹکا۔ اس نے ابھی ابھی وہ انگوٹھی کہیں اور بھی دیکھی تھی، پھر بجلی کی سی تیزی سے مڑا، سامنے ہالہ کی انگلی میں بھی ویسی ہی انگوٹھی موجود تھی۔

"ہاں، میں اسی سال شادی کروں گی۔"

یوشع کی آنکھیں پھیلیں۔ اور ہالہ کی مسکراہٹ۔

تھانے میں ہالہ کے پہلے کامیاب کیس پر اسے مبارک باد دی جا رہی تھیں، جو کہ ہالہ پورے کھلے دل سے قبول کر رہی تھی۔

"آخر کو کزن کس کی ہے؟" علایا نے اپنا لینا ہر گز نہیں بھولی تھی۔ علایا عرصہ ہوا، ٹیم میں واپس آچکی تھی۔ انکی ٹیم اب اسپیشل ٹیم تو نہیں رہی تھی مگر، پھر بھی انکا عہدہ تقریباً وہیں تھا۔

سرمد کرائم انویسٹیگیشن ہال میں داخل ہوا، جب سب کو وہیں پایا۔

"مبارک بادیں چلتی رہیں گی، فلحال ہمیں ایک کرائم سین پر پہنچنا ہے، علایا جی، سرمد۔۔۔ اور فرخ، فرخ انکی ٹیم میں نیا اضافہ تھا۔

وہ سب اپنی جگہ چھوڑتے اپنے کام کی طرف متوجہ ہوئے، سعد نے جاتے جاتے، ہالہ کو آنکھ ماری تھی، جواباً ہالہ نے اسے منہ چڑایا۔ اور اپنی ٹیم کی جانب متوجہ ہو گئی۔

جائے حادثہ کو مکمل بلاک کر دیا گیا تھا۔ چڑھتے دن کے ساتھ آہستہ آہستہ آس پاس شہریوں کا ہجوم بڑھتا جارہا تھا۔ اسکول کی طرف جاتے بچے، کسی تجسس سے روڈ کے کنارے رک رک کر نیچے ڈھلان کی طرف ہوتی کاروائی دیکھ رہے تھے، بھوری اور سیاہ شالوں میں لپٹے، اپنے اپنے کاموں پر جاتے مرد بھی پل بھر کو رکتے اور پھر نفی میں سر ہلاتے وہاں سے چلتے بنتے۔ شاید وہاں سب جانتے تھے۔

ایبٹ آباد پولیس اسٹیشن کے ڈیٹیکٹیو ڈویژن (Detective Division) سے انویسٹی گیشن ٹیم پہنچ چکی تھی۔

"کریمینل انویسٹیگیٹر علایا" اپنا آئی ڈی کارڈ دکھاتی وہ کرائم سین کی سِیل اٹھا کر کرائم ایریا میں داخل ہوئی ۔
یہ ہیں کریمینل انویسٹیگیٹر علایا گلزار۔پولیس یونی فارم سے انویسٹیگیٹرز کا تعلق شاز و نادر سا ہی ہوتا ہے۔بلیک جینز پر وائٹ ہائی نیک اور اوپر براؤن جیکٹ پہنے سر پر بڑی سی اونی ٹوپی لے رکھی تھی ۔ گردن پر لپٹے شال نما مفلر کو ذرا نیچے کیا کہ ناک اور کان مفلر سے باہر جھانکنے لگے ،پانچ فٹ 'دو انچ کے قد کے ساتھ،سب ساتھیوں کے درمیان وہ نسبتا میں چھوٹی لگ رہی تھی ۔ آنکھیں کوٹ کے ہم رنگ گہری بھوری تھیں۔
پیچھے پیچھے ٹیم کے باقی ممبرز بھی داخل ہوئے ۔
رات بھر پڑتی برف کی وجہ سے وہاں چلنا قدرے مشکل تھا ۔ اور پھر وہاں انویسٹیگیٹ کرنا اور بھی نا ممکن ۔
وہاں آتے ہی وہ چاروں (علایا اور اسکے ٹیم میمبرز)ایک دم ٹھٹھکے تھے۔ وہاں لاش کے پاس پہلے سی ہی ایک شخص موجود تھا ۔بھاری بھر کم سیاہ کوٹ پر بھورا مفلر لپیٹے ،گلاسز کی اوٹ سے وہ لاش کے قریب پنجوں کے بل بیٹھا کچھ تلاشنے میں مصروف تھا ۔سفید دستانے صرف فارمیلیٹی پوری کرنے کو بس انگلیوں تک بمشکل چڑھے تھے۔
علایا کے چہرے کا زاویہ بگڑا۔
"ایکسکیوزمی سر پر شاید آپکو معلوم نہیں کہ کرائم سین پر یوں آپکا موجود ہونا صحیح نہیں ۔اور پھر آپ ایویڈنس کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں ۔"
وہ ہاتھ باندھے اسکے سر پر کھڑی تھی ۔ جواب میں آئی خاموشی سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ وہ شخص علایا کی بات مکمل اگنور کر چکا ہے۔ اور بس ہمیشہ کی طرح علایا کا ضبط دودھ ابلنے سے بھی زیادہ رفتار سے جواب دے گیا۔علایا نے اسکے بھاری بھر کم کوٹ کا کالر پکڑ کر اسے اٹھانا چاہا۔
""""ایک تو ان گلہریوں نے دماغ خراب کر رکھا ہے۔"
غصے سے بولتی وہ تقریبا اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کر چکی تھی ۔علایا کی جانب اس شخص کی پشت تھی ۔کھڑے ہوتے ہوئے وہ قد میں علایا سے اچھا خاصہ اونچا ہو چکا تھا۔

اس شخص نے جھٹکے سے خود کو چھڑانا چاہا۔اس سے پہلے کہ اسکا کالر علایا کے ہاتھوں سے نکلتا ۔۔۔۔ ایبٹ آباد پولیس اسٹیشن کے ڈیٹیکٹیو ڈویژن کے چیف،الیاس صاحب جو کہ چھوٹے قد اور چٹیل گنج کی وجہ سے مشہور تھے ،ایک طرف سے تقریبا بھاگتے ہوئے آرہے تھے ۔

"ارے آپ اتنی جلدی آگئے ۔۔۔لگتا ہے آپ سیدھے ائیر پورٹ سے یہاں آگئے ہیں۔میں اسٹیشن میں آپکی آمد ایسپیکٹ کررہاتھا۔"

کہتے کہتے وہ علا یا کے سر پر پہنچے۔

علایا نے الیاس صاحب کی جانب حیرت سے دیکھا ۔

"یہ انویسٹی گیشن کی ٹیم کے نئے کیپٹن ہیں ،انسپکٹر۔۔۔۔۔۔"

ٹیم کیپٹن سننا تھا کہ علایا نے جھٹ سے کالر چھوڑا ۔۔وہ شخص جو پہلے سے ہی کالر چھڑانے کے لیے زور لگا رہا تھا۔ یوں اچانک کالر چھوڑنے پر منہ کے بل زمین بوس ہوگیا۔

سب نے ایک ساتھ علایا کی شکل دیکھی۔اور پھر اُس زمین بوس شخص کی پشت۔

"ٹیم کیپٹن؟"

علایا نے دبی آواز میں چیختے ہوئے کہا تھا پھر ایک نگاہ اٹھا کر سامنے کھڑے تین نمونوں پر ڈالی جو کہ برابر حیرت سے علایا کو دیکھ رہے تھے۔

وہ اپنا کوٹ جھاڑتے کھڑے ہوئے۔

"اوہ ۔۔۔آئی سی۔"

ماتھے پر بل واضح تھے۔

"میں **ہمیشہ کی طرح** پاکستان کے ایک چھوٹے علاقے کے غیر تہذیب یافتہ لوگوں سے ایسا ویلکم ہی ایسپیکٹ کررہاتھا۔" لہجے میں مانوسیت تھی۔

کہتا وہ الیاس صاحب کی جانب متوجہ ہوا۔

علایا جہاں تھی وہیں فریز ہوگئی،اور اگر جو کوئی اسے چھولیتا تو شاید وہ وہیں بکھر کر سفید برف کا حصہ بن جاتی ہے۔

تمت بالخیر